آوارہ

ذوالفقار ارشد گیلانی



آوارہ

ذوالفقار ارشد گیلانی



علم دوست پبلیکیشنز

25 سی لوئر مال لاہور۔ فون: 7325418



اللہ سب سے بڑا ہے

ناشر: خالد ڈوگر

نام کتاب : آوارہ

مصنف : ذوالفقار ارشد گیلانی

مطبع : اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

قیمت : [redacted] روپے

ڈسٹری بیوٹرز:

دُعا پبلی کیشنز

25 سی لوئر مال لاہور۔فون: 7325418

روبی پبلی کیشنز

راجپوت مارکیٹ، اُردو بازار لاہور 0300-4213406

علم دوست پبلیکیشنز

CELL: 0300-4325121



اِنتساب

اُن ''آوارگیوں''
کے نام
جو ہر جوانی کا حصہ ہوتی ہیں

حرفِ آغاز

شروع اللہ کے نام سے

جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہ حیثیت اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور یہ قدرت بخشی ہے کہ وہ تدبیر کے ذریعے اپنی تقدیر لکھ لے۔ اس سے انکار نہیں کہ وہ لفظ جسے ہم ''تقدیر'' کہتے ہیں، لوحِ محفوظ پر رقم ہے اور ہونا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے عین مطابق ہوگا۔ اس لیے بعض لوگ ''تقدیر'' کے لفظ کو قابلِ مباحثہ سمجھتے ہیں جب کہ کچھ اسی کو بنیاد بنا کر لب کشائی سے معترض ہیں کہ تقدیر صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دی۔ بے شک تقدیر واقعی خالقِ کائنات کی تحریر کردہ ہے اور کوئی طاقت اس میں تبدیلی نہیں کر سکتی لیکن یہ امر ذہن نشین رہے کہ درحقیقت تقدیر وہی ہے جو آپ کو مل رہا ہے خواہ وہ تدبیر سے ملے یا غیب سے۔ اس لیے بحث کرتے وقت یہ فراموش مت کیجئے کہ تقدیر اچھی ہے یا بری، عطیۂ خداوندی ہے اور ہر دو صورتوں میں مصلحتِ الٰہی کا کوئی نہ کوئی پہلو اس میں ضرور کارفرما ہوتا ہے۔

''آوارہ'' بھی دراصل تقدیر کی کہانی ہے۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ لڑکیوں کی تقدیر میں شاید امتیاز برتا گیا ہے۔ معاذ اللہ ایسا نہیں ہے۔ اس میں تحریف و ترمیم ممکن ہی نہیں جس نے جو بننا ہے، اور جیسے بننا ہے، اُس کا فیصلہ روزِ اوّل کر دیا گیا ہے اور وہی حتمی ہے۔

یہ ایک ایسی لڑکی کی داستان ہے جو بقول شخصے ''ہلکی تقدیر'' لے کر پیدا ہوئی۔ بچپن کچھ ماں کے ظلم و ستم سہنے میں گزرا اور کچھ یتیمی کی نذر ہو گیا۔ پھر کچھ مہربان ملے جنہوں نے اس کی

خوبصورتی سے فائدہ ضرور اٹھایا لیکن وہ خود بھی پار اُتر گئی۔ اُس نے اپنی کامیابیوں کی بڑی بھاری قیمت چکائی لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ برصغیر پاک و ہند کے فلمی اُفق پر ستارہ بن کر چمکی۔ اُس کے حُسن و جمال کا شہرہ ملک کی سرحدوں سے نکلا تو ایک مسلمان ریاست کا مالک ومختار اُس پر مر مٹا۔ وہ اُسے گندگی کے ڈھیر سے اٹھا لے گیا اور نہ صرف ہیرا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا بلکہ اُس کا مذہب بھی بدل ڈالا۔

لڑکی چونکہ بچپن سے اُس راستے پر چل رہی تھی جس میں گناہ وثواب کو زیادہ اہمیت نہ دی جاتی تھی اس لیے وہ محل میں رہ کر بھی پارسا نہ بن سکی۔ اُس کی ایک وجہ اُس کا شوہر بھی تھا جو اُس کے ہوتے ہوئے جنس مخالف سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ اس لیے وہ اپنی بے راہ روی کا الزام اپنے شوہر کو دیتی تھی۔ اُس کا استدلال یہ تھا کہ وفا کا بدلہ اگر بے وفائی سے ملے تو خود کو بھی اسی سانچے میں ڈھال لینا چاہیے، اور اُس نے یہی کیا۔

پھر اُس کی تقدیر نے وہ دن بھی دکھائے جب وہ اُس ملک کی بلاشرکتِ غیرے حکمران بنی۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے یہ موقع بھی دیا کہ وہ اُن لوگوں سے زیادتیوں کا حساب لے سکے جو کبھی اُس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ اُس نے ایک ایک کر کے سب کو اپنی مملکت میں مدعو کیا اور اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا، جس کے وہ مستحق تھے۔ اُس نے انہیں یہ باور کرا دیا کہ عورت کمزور ضرور ہے لیکن اگر اُسے تنکے کے برابر بھی سہارا مل جائے تو پھر وہ ایسی چکی بن جاتی ہے جس میں گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔

لیکن ساتھ ہی اُسے یہ احساس بھی ہوا کہ حُسن کے بل بوتے پر سیاست کا دھارا تو شاید بدلا جا سکتا ہو لیکن ملکوں کی تقدیر نہیں بدلی جا سکتی چنانچہ وہ بااختیار ہو کر بھی بے اختیار بننے پر مجبور ہو گئی اور اُن راستوں پر چلنے لگی جو عالمی طاقتوں نے اُس کے لیے متعین کیے تھے۔۔۔ چنانچہ اُس نے شنتیلا کملاوتی موہن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر کے ہر رائل میجسٹی کا روپ دھار لیا کہ حالات کا تقاضا یہی تھا۔

یہ شنتیلا موہن کلکرنی سے شینتل کُلکرنی اور پھر شینتل کلکرنی سے ملکہ شینتل رامیر بننے تک ایک خوبصورت لڑکی کی کہانی ہے جسے پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ مجبور لڑکی کے ساتھ یہ معاشرہ کیا کرتا ہے اور پھر ایسی لڑکی اگر بااختیار ہو جائے تو وہ معاشرے سے کیسا سلوک کرتی ہے۔

''آوارہ'' بھارتی فلم انڈسٹری کے پس منظر میں لکھی گئی ہے کیونکہ پاکستان کا معاشرہ دوغلا ہونے کے باوجود ایسے کرداروں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بھارتی فلم انڈسٹری کے بینر تلے بننے والی فلموں میں وزراء، ارکان پارلیمنٹ اور بڑے بڑے افسروں تک کو کرپٹ دکھادیا جاتا ہے، ہندی فلموں میں مسلمان کردار بھی رکھے جاتے ہیں لیکن اگر کسی پاکستانی فلم میں ''مستند'' کرپٹ سیاست دان یا افسر کا سایہ بھی دکھادیا جائے تو فلم رہے گی نہ فلم ساز۔ ہم وہ لوگ ہیں جو سرتاپا گناہوں میں لتھڑ کر بھی خود کو گنگا نہائے ہوئے بتاتے ہیں۔

بہرحال ''آوارہ'' کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ اسے معروف ناول نگار ارونگ ویلس کے شہرۂ آفاق ناول ''دی امپریس'' سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ ''دی امپریس'' ہالی ووڈ کی ساحرہ اور حسین وجمیل اداکارہ گریس کیلی کے پس منظر میں لکھا گیا جو شٹل کی طرح زندگی کے نہایت نچلے طبقے سے اٹھ کر سامنے آئی اور ہالی ووڈ میں برسوں اُس کا طوطی بولتا رہا۔ بالآخر وہ یورپ کی امیر ترین ریاست مناکو کے بادشاہ پرنس رنیئر کو پسند آ گئی اور وہ اُسے شہزادی گریس کیلی بنا کر اُس سرزمین پر لے آیا جہاں آج بھی دنیا کے سب سے بڑے کیسینو موجود ہیں کیونکہ مناکو میں نہ صرف جوئے کو قانونی حیثیت حاصل ہے بلکہ اس چھوٹے سے ملک کی معیشت کا دارومدار ہی ان جوئے خانوں کی آمدنی اور اُن لوگوں کی آمدورفت پر ہے جو جوا کھیلنے وہاں آتے ہیں۔

بہرطور ''آوارہ'' پڑھئے اور دیکھئے کہ حالات کب اور کیسے...... کیسی کیسی کروٹیں لیتے ہیں۔۔۔اور انسان سب کچھ میسر ہونے کے باوجود خود کو کس طرح بے بس محسوس کرتا ہے۔

اللہ حافظ

پھر ملیں گے، اگر خدا لایا

ذوالفقار ارشد گیلانی
راولپنڈی
22 اپریل 2007ء
gilani@gilani.com.pk
zulfiqargilani@gmail.com

کراچی اِنٹر نیشنل ائر پورٹ کی بے نمبر 17 پر الگ تھلگ کھڑا ائر انڈیا کا دیو ہیکل بوئنگ 747 طیارہ پرواز کے لیے تیار تھا کہ وی آئی پی لاؤنج کی جانب سے آنے والی ایک سیاہ مرسڈیز بینز، جس کے بونٹ پر دائیں جانب کسی غیر مُلک کا قومی پرچم لہرا رہا تھا، فرسٹ کلاس کی سیڑھیوں کے قریب آ کر رکی اور سیاہ سوٹ پہنے دو طویل قامت افراد عقبی نشست سے اتر کر جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ دروازے پر کھڑی خوبصورت ائر ہوسٹس نے مسکرا کر انہیں خوش آمدید کہا اور آدابِ میزبانی کے طور پر ان کے بریف کیسوں کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اندرونی جانب بڑھ گئے۔ ان کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی مخصوص نشستوں کے بارے میں پہلے سے آگاہ ہیں۔

دونوں طویل قامت افراد ایک گھنٹہ قبل ہی بحریت کے دارالحکومت ریال سے بحریت کی شاہی فضائی کمپنی شیتل ائیرویز کے ذریعے کراچی پہنچے تھے۔ ان کے پاس سفارتی پاسپورٹ تھے اور وہ شاہ بحریت کے خصوصی نمائندوں کی حیثیت سے براستہ کراچی، نئی دہلی کا سفر کر رہے تھے۔ ائیر انڈیا کے بوئنگ میں داخل ہونے والے وہ آخری مسافر تھے کیونکہ اگلے ہی لمحے سیڑھیاں ہٹالی گئیں اور جہاز کے دروازے بند ہو گئے۔ کنٹرول ٹاور سے آل کلیئر کا سگنل ملنے کے ساتھ ہی طیارہ ٹیکسی وے کی طرف روانہ ہو گیا اور چند منٹ بعد وہ نئی دہلی کی جانب محوِ پرواز تھا۔

دہلی کے اندرا گاندھی انٹر نیشنل ائر پورٹ پر اُن کے استقبال کے لیے کوئی شخص موجود نہ تھا لیکن ائر پورٹ کے باہر سیاہ رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن اُن کی منتظر تھی۔ دونوں افراد اپنے سفر کے سابقہ حصے کی طرح اب بھی خاموش تھے۔ ڈرائیور نے اُن کے لیے دروازہ کھولا اور

جونہی وہ اندر بیٹھے، ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اسٹیشن ویگن کے سفر کا اختتام صفدر جنگ روڈ پر واقع بحریت کے شاہی سفارت خانے کی خوبصورت عمارت کے سامنے ہوا۔ دونوں خاموشی سے اترے اور اندر داخل ہو گئے۔ اُن سے کسی نے کوئی تعرض نہ کیا حتیٰ کہ سفیر کے عالی شان دفتر کے باہر کھڑے باوردی محافظ نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہ کی تھی۔

سفیر بھی جیسے انہی کا منتظر تھا۔ اس نے اُٹھ کر دونوں کو خوش آمدید کہا لیکن کوئی استقبالیہ جملہ ادا نہیں کیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ سب کچھ مشینی انداز میں ہو رہا ہے اور پہلے سے طے ہے۔ سفیر نے بدستور خاموشی کا انداز اختیار کیے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے اور دونوں نے اپنے اپنے بریف کیس اس کے سامنے میز پر ڈال دیے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی اپنی جیبوں سے ایک چابی نکال کر میز پر رکھ دی۔ سفیر نے دائیں سمت کی دراز کھول کر چابیوں کا ایک گچھا نکالا۔ ہر بریف کیس میں دو دو تالے تھے۔ سفیر نے پہلے مہمانوں کی دی ہوئی چابیاں ایک ایک تالے میں لگائیں اور پھر اپنی چابیوں کی مدد سے دونوں بریف کیسوں کو غیر مقفل کر دیا۔

پہلے بریف کیس سے کچھ دستاویزات برآمد ہوئیں جب کہ دوسرے بریف کیس میں صرف دیدہ زیب کاغذ کے لفافے تھے جو ایک پیکٹ کی صورت ربن سے بندھے ہوئے تھے۔ سفیر نے ربن کھول کر لفافوں پر لکھے پتے دیکھے اور پھر سوالیہ نگاہوں سے آنے والوں کو دیکھنے لگا۔

''انہیں فوری طور پر محفوظ طریقے سے حوالۂ ڈاک کر دیا جائے، ہز ایکسی لینسی'' دونوں میں سے ایک مہمان نے پہلی اور آخری بار زبان کھولی۔ ''یہ ملکۂ عالیہ کی طرف سے ہیں۔''

OO

سلمٰی فاروق نے کُرسی پر بیٹھ کر آکاش اسٹوڈیوز کے ایگزیکٹو آفس کی کھڑکی کا پردہ سرکایا اور نیچے جھانکنے لگی۔ لنچ ٹائم تھا اور اسٹوڈیوز کی گلیاں، اداکاروں، ہدایت کاروں، کہانی نویسوں اور مزدوروں سے بھری ہوئی تھیں جو آپس میں ہنسی مذاق کرتے اور حال احوال دریافت کرتے، سلمٰی کے دفتر کی کھڑکی کے نیچے سے گزر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر سلمٰی فاروق کا سر مارے فخر کے بلند ہوگیا۔ وہ تمام اس کے حکم کے تابع تھے اور وہ ان کی واحد ''مالکن'' تھی۔

سلمٰی فاروق، آکاش اسٹوڈیوز کی پروڈکشن ہیڈ اور بمبئی کی فلمی دنیا کی وہ پہلی عورت تھی جو ملازم ہونے کے باوجود اس عہدے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ سینتیس سالہ سلمٰی میں کوئی نسوانی کشش نہیں تھی اور شاید اسی لیے اس کے فیصلے اٹل، سرد اور غیر لچک دار ہوتے تھے۔ پورا اسٹوڈیو اُس کے احکامات پر ناچتا تھا جب کہ خود سلمٰی، ایسٹرن بینکرز اور انٹرنیشنل اسٹاک ہولڈرز کے ایک گروپ کو جوابدہ تھی جو آکاش اسٹوڈیوز کے مشترکہ مالکان تھے۔

اسٹوڈیوز کی سربراہ ہونے کے ناتے گزشتہ پانچ سال میں سلمٰی کی کارکردگی غیر معمولی رہی تھی۔ اس عرصے میں سلمٰی کی ذاتی نگرانی میں آکاش پروڈکشنز کی بننے والی فلموں نے دس نیشنل ایوارڈز، چوبیس گاندھی ایوارڈز، پندرہ فیئر ایوارڈز اور اٹھارہ لکس انٹرنیشنل ایوارڈز حاصل کیے۔ دو فلمیں مشہور زمانہ آسکر ایوارڈز اور ایک اکیڈمی ایوارڈز کے لیے نامزد ہوئی۔ کینز کے فلمی میلے میں دو فلمیں ایوارڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں جب کہ ان کے علاوہ کئی فلموں نے نہ صرف بین الاقوامی شہرت حاصل کی بلکہ انہیں متعدد غیر ملکی زبانوں میں بھی ڈب کیا گیا۔

سلمٰی کی سربراہی میں آکاش اسٹوڈیوز نے نہ صرف سب سے زیادہ ہندی فلمیں ریلیز کیں بلکہ اسٹوڈیوز کی تاریخ میں پہلی مرتبہ تامل، بنگالی اور پنجابی فلموں کی پروڈکشن کا آغاز

ہوااور کم وبیش ہر دوسری فلم نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔

لیکن اپنے ملازمین کے ساتھ سلمٰی کا رویہ بے حد سخت تھا اور وہ اُن سے زیادہ ملنا جلنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ اپنا زیادہ تر وقت وہ اپنے دفتر میں ہی گزارتی البتہ کبھی کبھار لنچ کے لیے گرین روم میں اپنی مخصوص میز پر آ بیٹھتی جو اس کے عالی شان سوئٹ کا ایک حصہ تھا اور جسے اس نے اپنے پیش رو فنانس ڈائریکٹر جے جے سکینہ سے ورثے میں حاصل کیا تھا۔

سلمٰی شاید یہ ''ورثہ'' حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو پاتی لیکن سکینہ نے اپنی بنگالی محبوبہ کو سپر اسٹار بنانے کے لیے اسٹوڈیوز کے اکاؤنٹس کا بے دریغ استعمال کیا۔ نتیجتاً اسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے اور سلمٰی جس نے کبھی اس حیثیت کا خواب میں بھی تصور نہ کیا تھا، سکینہ کی وارث قرار پائی۔

ایگزیکٹو آفس کا دروازہ اچانک کھلا اور اس کی سیکرٹری ورشا گولڈن لہراتی بل کھاتی اندر داخل ہوئی۔ دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ ورشا بھی اسے ورثے میں ملی تھی۔ ورشا کا باپ ہندو اور ماں انگریز تھی۔ اس طرح وہ ہندی اور برطانوی خون کا خوبصورت امتزاج تھی۔ اس کی عمر تقریباً پچیس سال تھی۔ اس کا باپ سپریم کورٹ کا جج تھا۔ ورشا نے اپنی نو عمری اور نو جوانی کا بیشتر حصہ برطانیہ اور فرانس میں گزارا تھا اور وہ ہندی سے زیادہ انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانیں روانی سے بولتی تھی۔

ورشا کو اس ملازمت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کا باپ اور جے جے سکینہ گہرے دوست تھے۔ وہ محض شوقیہ طور پر بمبئی کی فلمی دنیا کے سب سے بڑے آکاش اسٹوڈیوز کو دیکھنے آئی تھی لیکن فلم کی چکا چوند میں ایسی کھوئی کہ یہیں کی ہو رہی۔ سکینہ نے اسے اپنی سیکرٹری بنا لیا کیونکہ ورشا، فلم اسٹار بننے کو تیار تھی نہ اس کا باپ اس پر رضا مند ہوا۔ ورشا کی صلاحیتیں بہت جلد کھل کر سامنے آ گئیں۔ اور رفتہ رفتہ وہ سکینہ کی ضرورت اور اس سے بڑھ کر کمزوری بنتی چلی گئی۔

شروع شروع میں سکینہ اسے اپنے دوست کی بیٹی ہی سمجھتا رہا لیکن پھر ورشا کا حُسن سکینہ کی نیت اور رشتے کے احترام پر غالب آنے لگا۔ سکینہ نے ورشا کو یہ باور کرانا شروع کر دیا کہ سیکرٹری درحقیقت اپنے باس کی دفتری بیوی ہوتی ہے۔ ورشا مغربی معاشرے

میں پل بڑھ کر جوان ہوئی تھی چنانچہ اُسے سکینہ کی نیت اور نصیحت سمجھنے میں کسی دُشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔اس نے اس بوڑھے کو اپنی اداؤں سے تسخیر کرنے میں کوئی قباحت محسوس کی نہ شرم چنانچہ کچھ ہی دنوں میں وہ سکینہ کی دفتری بیوی کے فرائض بھی بہ حسن وخوبی انجام دینے لگی۔

اسی تعلق کی بنیاد پر سکینہ کی برطرفی کے وقت ورشا نے بھی رخت سفر باندھ لیا لیکن سلمٰی نے اسے جانے نہیں دیا اور سابقہ عہدے پر ہی بحال رکھا۔اب چونکہ ورشا کی باس ایک عورت تھی اس لیے اس نے اپنے جسم کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دُوسرے ذرائع تلاش کر لیے لیکن اُس کی ان حرکتوں سے سلمٰی کے لیے اس کی وفاداریاں متاثر نہیں ہوتی تھیں۔

اس وقت ورشا، اپنی مالکن کے لیے ڈاک لائی تھی جو ایک ہی خوبصورت لفافے پر مشتمل تھی۔سلمٰی نے لفافہ لے کر اس پر نظر دوڑائی۔وہ بحریت سے شیتل نے بھجوایا تھا۔اسے اس طرح کے لفافے پہلے بھی موصول ہوتے رہے تھے لیکن اس میں کوئی خاص بات تھی کیونکہ اوپر ہی ''خالص ذاتی'' کے الفاظ تحریر تھے جو یقینی طور پر خود شیتل کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔

سلمٰی نے لفافہ کھول ڈالا۔لفافے کی طرح کارڈ بھی مِس سلمٰی فاروق اور مہمان کے نام تھا۔سلمٰی کے ذہن میں اپنا شوہر فاروق ابھر آیا لیکن اس نے سر جھٹک کر دعوت نامہ پڑھنا شروع کر دیا۔

ہز امپیریل میجسٹی رامیر زاہدی، شہنشاہ بحریت

اور

ہر امپیریل میجسٹی، ملکہ شیتل رامیر زاہدی

خاندانِ زاہدی کی تین ہزار سالہ

اور

اپنی شادی کی پندرہویں سالگرہ

کے جشن میں آپ کو مدعو کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

سلمیٰ نے مزید نیچے نگاہ دوڑائی۔تقریب کے انعقاد میں ابھی کئی ماہ باقی تھے۔سلمیٰ کی معلومات کے مطابق یہ جشن خیموں کے ایک شہر میں برپا ہونا تھا جو ریال کے قریب صحرا کے دامن میں ابھی زیرِ تعمیر تھا لیکن اس کی پبلسٹی ابھی سے شروع کردی گئی تھی اور دنیا بھر میں مہمانوں کو دعوت ناموں کی تقسیم کا آغاز کردیا گیا تھا۔

سلمیٰ نے لفافہ میز پر واپس رکھنا چاہا تو ایک چھوٹا سا کاغذ نکل کر اس کی گود میں آ گرا۔ اس نے فوراً اسے اٹھالیا۔شیتل نے اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا تھا۔

''ڈارلنگ سلمیٰ! پلیز ،ضرور آنا۔مجھے تمہاری بے حد ضرورت ہے۔کوشش کرنا کہ جشن کے آغاز سے ایک ہفتہ قبل ریال پہنچ جاؤ۔میں نے اسٹوڈیوز کے کچھ پرانے ساتھیوں کو بھی آنے کی دعوت دی ہے۔۔۔ہمیشہ تمہاری،شیتل۔''

سلمیٰ نے ذاتی نوٹ دوبارہ پڑھا۔وہ بہت کچھ سوچنے لگی تھی۔اب اُس کا مزید کچھ کرنے کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔اس نے انٹرکام اٹھایا اور ورشا کو بمبئی فلم انڈسٹری کے ایک طاقت ور ایجنٹ کے ساتھ اکٹھے لنچ کرنے کا پروگرام منسوخ کرنے کی ہدایت کردی۔وہ جانتی تھی کہ پرتھوی بے حد بھنّائے گا لیکن اس سے سلمیٰ کی صحت پر کیا اثر پڑتا تھا۔پرتھوی جیسے کئی ایجنٹ اور پروڈیوسر،کتوں کی طرح اس کے پیچھے دُم ہلاتے پھرتے تھے۔

سلمیٰ کا شوہر فاروق ان دِنوں سری لنکا میں تھا۔وہ ایک ہدایت کار کی حیثیت سے آکاش اسٹوڈیوز کے لیے تیسری فِلم بنا رہا تھا اور آج کل کولمبو کے گردونواح میں اس کی شُوٹنگ میں مصروف تھا۔سلمیٰ کے ساتھ شادی سے قبل وہ کچھ بھی تھا لیکن اس وقت اس کا شمار بھارتی فِلم انڈسٹری کے طاقت ور ترین افراد میں ہوتا تھا کیونکہ وہ بمبئی کی اکلوتی اور ذی حیثیت ''فِلم لیڈی'' کا شوہر تھا۔

سلمیٰ سوچنے لگی کہ وہ اس وقت کیا کر رہا ہوگا؟ کسی چھوٹے سے پروجیکشن روم میں بیٹھا اب تک کی شُوٹنگ کے رش پرنٹس دیکھ رہا ہوگا؟ ہوٹل کے آرام دہ کمرے میں بیٹھا اگلے روز کی شُوٹنگ کی منصوبہ بندی کر رہا ہوگا؟ یا پھر اپنی فِلم کی خوبصورت ہیروئن سنیتا کے ساتھ کمرے میں بند اس کے نازک جسم سے کھیل کر اپنی بیوی کی بدصورتی کے داغ دھو رہا ہوگا؟

سینتا، بھارتی فلم انڈسٹری کی ٹاپ اسٹار تھی۔ سلمیٰ کو علم تھا کہ وہ اپنے ہر ہدایت کار کے ساتھ جسمانی طور پر ملوث ہو جاتی ہے۔ فاروق نے ضد کر کے سینتا کو فلم میں کاسٹ کیا تھا۔ وہ فاروق کی اس ضد کی وجہ بھی جانتی تھی لیکن اس کے باوجود سلمیٰ نے بخوشی اس منصوبے کی منظوری دے دی تھی۔ یہ علیحدہ بات تھی کہ اس وقت سلمیٰ کو سینتا کیا یاد آئی کہ اس کا اپنا سارا ماضی ایک فلم کی مانند اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

وہ مدراس کے اس چھوٹے سے مکان میں پہنچ گئی جہاں اپنے ماں باپ کے ساتھ کسمپرسی کی زندگی گزارا کرتی تھی۔ اللہ نے دولت تو خیر کیا دینی تھی، اُسے کوئی خاص شکل و صورت بھی نہ دی تھی کہ کوئی اسے نظر بھر کر دیکھنا بھی گوارا کر لیتا۔ اس نے گریجویشن کیا اور ان دنوں ایک اسکول میں ٹیچرس کے فرائض انجام دے رہی تھی۔۔۔۔ عام سی شکل وصورت کے باوجود دوسری لڑکیوں کی طرح سلمیٰ کی جوانی بھی دیوانی تھی۔ اسکول سے واپس آ کر اس کا سارا وقت اپنے بیڈ روم میں گزرتا جہاں وہ شام ڈھلنے تک مختلف فلمی رسالے چاٹتی رہتی۔ یہ ڈمپل کپاڈیہ، سری دیوی اور جیہ پرادا کا دور تھا اور سلمیٰ ان کی تصویریں دیکھ دیکھ کر خود کو بھی انہی میں سے سمجھنے لگی تھی۔

مدراس، بمبئی سے دُور ضرور تھا لیکن فاصلہ اتنا زیادہ بھی نہ تھا کہ پرواز کا شوقین پنچھی وہاں تک پہنچ نہ پائے۔ سلمیٰ کے سر میں جانے کیا سودا سمایا کہ اس نے بمبئی کا رخت سفر باندھ لیا۔ اپنی شکل وصورت کی وجہ سے اسے یہ تو یقین تھا کہ وہ ہیروئن تو کیا، ایکسٹرا بننے کے قابل بھی نہ تھی لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ آخر انڈسٹری صرف ہیروئنوں کے بل بوتے پر تو نہیں چلتی۔ ایسے لوگ بھی ضرور ہوں گے جو پسِ پردہ رہ کر اسکرین پر آنے والوں کی کامیابیوں کا ذریعہ بنتے ہوں گے۔

کئی ہفتے وہ بمبئی کی خاک چھانتی رہی۔ یہاں اس نے اپنے دُور پار کے رشتے داروں کے ہاں قیام کیا۔ صبح نکلتی اور شام کو دُھول مٹی میں اٹی ہوئی واپس پہنچتی لیکن اب تک اسے کسی نے نوکری تو کُجا گھاس بھی نہ ڈالی تھی۔ اسکول سے وہ چھٹی لے کر آئی تھی۔ ارادہ یہی تھا کہ یہاں نوکری مل جاتی تو وہاں استعفیٰ دے دیتی مگر مختلف اسٹوڈیوز کے چوکیدار اور ریسپشن گرلز تو اسے پہچاننے لگی تھیں البتہ نوکری دینے پر اسے کوئی تیار دکھائی نہ دیتا تھا۔

آ کاش اسٹوڈیوز کے بھی اس نے بے شمار چکر لگائے۔ پہلے تو اسے ٹکا سا جواب ملتا رہا لیکن جب اس نے ''ڈھٹائی'' کی حد کردی تو اسٹوڈیوز کی پرسونل ہیڈ اور ہیومن ریسورسز کی انچارج مسز پرگویا کو اس پر رحم آ ہی گیا۔

''سلمٰی'' مسز پرگویا نے اسے اپنے سامنے کُرسی پر بٹھا کر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''تم فلموں کے بارے میں کیا جانتی ہو؟''

''صرف اتنا ہی جتنا کہ کوئی عام شخص جانتا ہے۔'' سلمٰی نے کوشش کی تھی کہ اس کا لہجہ پُر اعتماد ہو۔ ''میری معلومات اتنی ہی ہیں جتنی پردۂ اسکرین پر نظر آتی ہیں یا اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی ہیں۔''

''نہیں'' مسز پرگویا نے سر کو نفی میں جنبش دی۔ ''فِلم انڈسٹری کو اسٹوڈیوز کی چار دیواری کے باہر روشنیوں کی دنیا اور گلیمر ورلڈ کہا جاتا ہے۔ یہ دُور سے بے حد پرکشش دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔'' مسز پرگویا نظریں جمائے سلمٰی کے چہرے کا جائزہ بھی لے رہی تھی جس کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ ''فلمی دنیا درحقیقت گندگی کا ڈھیر ہے۔۔۔''

''جی۔۔۔'' سلمٰی کے حلق سے منمناہٹ سی برآمد ہوئی لیکن مسز پرگویا نے اس مختصر سی ''جی'' پر کوئی دھیان دیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔

''۔۔۔اس سے تعلق رکھنے والے لوگ فرشتے ہیں نہ پارسا۔ پردۂ سیمیں پر نظر آنے والے حسین ترین چہرے غلاظتوں سے اٹے ہوئے ہیں۔'' مسز پرگویا کے الفاظ سے سلمٰی کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ''اسٹوڈیوز کی چار دیواری کے اندر دنیا کی ہر برائی موجود ہے۔ اگر تم ان غلاظتوں اور برائیوں کا بوجھ اٹھا سکتی ہو، ان کا حصہ بن سکتی ہو اور ان کی پردہ پوشی کر سکتی ہو تو مَیں تمہیں ملازمت دینے کو تیار ہوں۔''

سلمٰی کے لیے یہ سب کچھ نیا اور اجنبی تھا۔ اس کے ذہن میں تو فلم انڈسٹری کا بے حد جگمگاتا اور دمکتا امیج تھا۔ اسے کیا پتا تھا کہ دور سے اُجلے نظر آنے والے لوگ اندر سے اتنے گندے ہوں گے۔ فوری طور پر اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر واپس دوڑ لگا دے لیکن یہ صرف لمحاتی سوچ تھی۔ فِلم انڈسٹری تک رسائی اس کا خواب تھا۔ مسز پرگویا اسے ملازمت دینے کو تیار تھی چنانچہ سلمٰی اپنے خواب کی تعبیر پانے کے اس قدر قریب پہنچ کر اس سے محروم نہیں ہونا چاہتی

تھی۔

"مَیں تیار ہوں، مسز پرگویا۔" سلمٰی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ٹھیک ہے۔" مسز پرگویا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم پیر سے کام پر آ جاؤ۔ تمہاری ڈیوٹی فائل روم میں ہوگی۔ بعض اداکاروں کے نام آنے والے خطوط کے جواب تمہیں دینے ہوں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ تم اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوتی ہو۔"

مسز پرگویا کی حوصلہ شکن باتوں کے باوجود سلمٰی اتنی خوش ہوئی کہ وہ اپنی تنخواہ کا پوچھے بغیر ہی گھر واپس آ گئی۔

پیر کو اسٹوڈیوز پہنچنے والی وہ پہلی ورکر تھی۔ یہ اس کے خوابوں کی سرزمین تھی جس پر سری دیوی، مستان خان، راجندر پرشاد اور آدی نارائن جیسے ارب پتی حکمرانی کر رہے تھے لیکن سلمٰی کے لیے ان کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی کیونکہ اس کے لیے بمبئی اداکارہ نمی، دلیپ کمار، پران، کشور کمار، نرگس، راج کپور اور سنیل دت کے علاوہ امیتابھ بچن، جیہ بچن، پدمنی کولہاپوری، ساریکا اور ونود کھنہ کا شہر بھی تو تھا۔ اور وہ اس کی نظر میں ایسے لوگ تھے جن سے کسی کی پہچان باعثِ فخر ہو سکتی تھی۔

بہت جلد سلمٰی، آکاش اسٹوڈیوز کی چکا چوند روشنیوں میں کھو گئی۔ سری دیوی، جیہ پرادا اور رتی اگنی ہوتری، جن کے نام اس نے محض رسالوں میں پڑھے تھے، اب اس کی نظروں کے سامنے تھے۔ امیتابھ، دھرمیندر اور ہیما مالینی اس کے آئیڈیل ہوا کرتے تھے چنانچہ جب وہ پہلی مرتبہ ان کے سامنے گئی تو زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ حالانکہ اس نے ان سے پوچھنے کے لیے بہت سے سوالات اپنے ذہن میں مرتب کر رکھے تھے۔ وہ بس یک ٹک انہیں دیکھتی رہ گئی لیکن یہ کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے احترام کی وجہ سے تھا۔

اسٹوڈیوز میں اس کا پہلا اسائنمنٹ بڑا سیدھا سادا تھا۔ وہ پریس ریلیز اخبارات کو بھجواتی۔ فوٹو گیلری سے تصاویر حاصل کرتی اور ان کی تفصیلات تحریر کرتی۔ اسٹار ڈسٹ، مووی اور فن فیئر جیسے رسالوں کے نمائندے اس سے آکاش اسٹوڈیوز کے ستاروں کی بابت بہت سے سوالات کرتے اور وہ پالیسی کے مطابق ان کے جوابات دیتی۔ اس طرح وہ ریکھا، راکھی، نیتو سنگھ اور ڈمپل کپاڈیہ کے بارے میں بہت کچھ جان گئی لیکن ان میں سے کسی نے

بھی اسے اتنا مرعوب نہیں کیا، جتنا آ کاش اسٹوڈیوز کی شیتل کُلکرنی نے کیا تھا۔
شیتل کُلکرنی۔۔۔۔

بمبئی فلمی دنیا کی ٹاپ کلاس اور صف اوّل کی نوجوان اور خوب صورت ترین اداکارہ جس نے اپنے کیریئر کا آغاز اسٹیج پر ایک ایکسٹرا کی حیثیت سے کیا۔ پھر وہ اشتہاری دنیا میں آئی اور ایک ماڈل کی حیثیت سے وہ کئی مصنوعات کی بے پناہ خرید وفروخت کا باعث بنی۔ اس کے معصوم حسن اور بے داغ شفاف جلد کی بنا پر اسے ''انڈین میڈونا'' کا خطاب دیا گیا۔ فلمی پنڈتوں کا کہنا تھا کہ شیتل سے پہلے آنے والی اداکاراؤں کا حسن میک اَپ کا محتاج ہوتا تھا لیکن شیتل کو کسی میک اَپ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ شیتل جیسی حسین ساحرہ آج تک بھارتی فلم انڈسٹری میں آئی ہے نہ آئندہ کئی سال تک آئے گی۔

شاید یہ شیتل کا حسن تھا یا اس کی اداکاری کہ وہ بہت جلد اسٹیج اور اشتہارات کی محدود فضا سے نکل کر فلم کی لامحدود وسعتوں میں پہنچ گئی۔ وہ سلمیٰ کو اس قدر پسند تھی کہ سلمیٰ نے اس کے تمام رسمی، غیر رسمی، نجی اور خفیہ انٹرویوز کی تفصیلات جمع کر رکھی تھیں۔ وہ اس کے کشمیری والدین، بمبئی کے ونڈسر مشنری کالج اور ایسی بہت سی چیزوں کے بارے میں جانتی تھی، جن کے بارے میں شاید خود شیتل کو بھی کچھ یاد نہ تھا۔

لمبے سنہرے بالوں، کھڑی ناک، معصوم سی نیلی آنکھوں اور گورے چٹے رنگ کی مالک شیتل کو یہ مُقام چاندی کی طشتری میں رکھ کر نہیں ملا تھا بلکہ اس کے حصول کے لیے اسے نہ صرف بے تحاشا محنت کرنی پڑی تھی بلکہ اپنے جسم کے بے دریغ استعمال کو بھی گوارا کرنا پڑا تھا۔ وہ جب فلم انڈسٹری میں داخل ہوئی تو ایک لائٹ مین سے لے کر ہدایت کار تک، ہر ایک کے بستر کی زینت بنی لیکن شیتل نے ہر بار ایک رات کی دُلہن بن کر محض اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل نہیں کی بلکہ اس بات کا اعتراف سب کرتے تھے کہ جب وہ کسی کے ساتھ رات گزار کر اگلی صبح بستر سے اترتی تھی تو اس کے مقام اور حیثیت میں اتنا ہی اضافہ ہو چکا ہوتا تھا جتنی محنت اس نے اپنے عارضی شوہر کو خوش کرنے کے لیے کی ہوتی تھی۔

وادیٔ کشمیر کی رہنے والی شیتل کی بمبئی کی زندگی دوسروں کے لیے ایک کھلی کتاب تھی لیکن درجنوں بستروں کی زینت اور سینکڑوں ہاتھوں کا کھلونا بننے والی شیتل اب جوہو میں

درختوں میں گھرے ایک وسیع و عریض اور خوبصورت بنگلے میں رہتی تھی اور شہر کے چھٹے ہوئے گرگے اس کی حفاظت پر مامور تھے کیونکہ شیتل کلکرنی نے بھارتی فلم کی ''سیکس سمبل'' کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی تھی وہ اُس کی سلامتی کے لیے بہت بڑا خطرہ تھی۔

اتنی بڑی اداکارہ ہونے کے باوجود شیتل، آ کاش کی ان چند اداکاراؤں میں شامل تھی جو سلمٰی کی مسکراہٹوں کا جواب اپنا خوب صورت بالوں والا سنہرا سر ہلا کر دیتی تھی۔ سوائے ایک ناپسندیدہ لمحے کے، دونوں کے تعلقات میں کوئی ایسا موڑ نہیں آیا تھا جس سے کسی کھنچاؤ کا احساس ہو پاتا۔ اور اگر دیکھا جائے تو وہی ناپسندیدہ لمحہ، سلمٰی کی زندگی بدل گیا تھا۔ یہ کہا جاتا تو بالکل بے جا نہ ہوتا کہ سلمٰی آج جو کچھ تھی، محض شیتل کی وجہ سے تھی۔

سلمٰی فاروق نے ہلکا سا لنچ لیا اور واپس اپنی ریوالونگ چیئر پر پہنچ گئی۔ اس کا دن خاصا مصروف تھا۔ آ کاش اسٹوڈیوز کی ایک ملٹی کاسٹ فلم دو دن پہلے ہی سرکٹ میں ریلیز ہوئی تھی اور اسے اس کی بزنس رپورٹ لینی تھی۔ اس نے کلکتہ، دہلی، آگرہ اور مدراس سے فلم کے بزنس کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر وہ اسکرین روم میں چلی آئی جہاں اس نے تین کروڑ روپے کی خطیر رقم سے بننے والی فلم کے رش پرنٹس دیکھے۔ ورشا اس کے پہلو میں بیٹھی اس کی ہدایات نوٹ کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر سلمٰی بالکل خوش نہیں ہوئی کہ ہیرو اور ہیروئن نے محبت کے سین فلم بند کرانے میں کئی ری ٹیکس کرائے تھے۔ اس کے ذہن میں پھر شیتل ابھر آئی جس کے ہاں ری ٹیک نام کی کوئی شے نہ ہوا کرتی تھی۔

پندرہ سال۔۔۔

''سلمٰی!'' اسے راہول کی آواز اب بھی اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پبلسٹی ڈپارٹمنٹ میں اس کا باس تھا۔ ''کیا تم یہ نئے پورٹریٹ منظوری کے لیے دیوی کے ڈریسنگ روم میں لے جاؤ گی، اگر ان میں کوئی ایک منظور ہو جائے تو 'مے فیئر' والوں کو آج ہی بھجوا دینا۔''

سلمٰی نے دس ضرب بارہ کے پورٹریٹس کا فولڈر اٹھایا اور اسٹیج 18 کی طرف چل دی جہاں شیتل کلکرنی، جسے تمام لوگ دیوی کہہ کر پکارتے تھے، کا ڈریسنگ رُوم واقع تھا۔ اسٹیج بھانت بھانت کے اداکاروں اور لوگوں سے بھرا ہوا تھا لیکن دیوی کے ڈریسنگ رُوم کا دروازہ

بند تھا۔

سلمیٰ نے دروازے پر دستک دینے کا تکلف بھی نہ کیا اور اسے کھول کر دُ رانہ وار اندر گھس گئی لیکن سامنے اسے جو کچھ نظر آیا اس نے اسے انہی قدموں پر منجمد کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتی کمرے کے نیم تاریک گوشے سے ایک مردانہ آواز اسے سنائی دی۔

''دروازہ بند کرو گدھے کی بچی!''

سلمیٰ نے وہی کیا جو اسے کہا گیا تھا۔

وہ دوبارہ پلٹی۔۔۔ اب اُس کی آنکھیں ملگجے اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں۔

کرسی پر بیٹھے ہوئے مرد کا نام انیل کمار تھا۔۔۔ جسے بھارتی فِلم انڈسٹری کا شہنشاہ کہا جاتا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں لیکن چہرے پر لذت و آسودگی ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔

اُس کے جسم پر لباس نام کی کوئی شے نہ تھی۔ اُس نے ٹانگیں چوڑی کر رکھی تھیں اور ایک دھان پان سی۔۔۔ سنہرے بالوں والی لڑکی کا سَر تیزی سے اوپر نیچے حرکت کر رہا تھا۔ سلمیٰ کو اُس لڑکی کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن وہ دودھیا کمر اور بالوں سے ہی سمجھ گئی تھی کہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر انیل کمار کو لطف و سرور بخشنے والی۔۔۔ چینی گڑیا اور بمبئی فِلم انڈسٹری کی دیوی شیتل کلکرنی تھی۔

سلمیٰ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

چند ثانیوں بعد اُس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔۔۔ شیتل اب بھی گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی لیکن اس بار اُس کا چہرہ سلمیٰ کی طرف تھا۔۔۔ شیتل کے بال اُس کے چہرے کے دونوں جانب ہالہ کیے ہوئے تھے مگر سلمیٰ کو اُس کا بھرا بھرا سینہ صاف دکھائی دے رہا تھا جسے انیل کے ہاتھ کسی وحشی کی طرح مسل رہے تھے۔ شیتل کے چہرے پر بھی سلمیٰ کو وہی آسودگی نظر آئی تھی جو انیل کے چہرے پر تھی۔ وہ سلمیٰ کی جانب دیکھ کر مسکرائی اور بائیں آنکھ دبا دی۔۔۔ سلمیٰ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے یہ سب دکھانا چاہ رہی ہو۔

عین اُسی وقت ۔۔۔شیتل کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور بے اختیار اُس کے حلق سے ایک کراہ خارج ہو گئی۔۔۔شیتل نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیے مگر اُس کے چہرے پر کرب یا تکلیف کے آثار نہ تھے۔اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ مکمل طور پر لُطف اندوز ہو رہی تھی۔

سلمٰی نے انیل کی جانب دیکھا۔۔۔اُس نے اپنے دانت جھک کر شیتل کی نرم و نازک اور سرخ و سپید کمر میں گاڑ رکھے تھے لیکن اُس کی نظریں سلمٰی پر ہی مرکوز تھیں۔

''کُتیا!'' وہ حلق کے بل دھاڑا ''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

سلمٰی نے ایک بار پھر گھبرا کر شیتل کو دیکھا لیکن وہ آنکھیں بند کیے سرمستی میں ڈوبی ہلکورے لے رہی تھی۔اُس نے دروازے کی جانب پلٹنے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔

OO

سلمیٰ سارا دن بدحواس رہی۔ واپس آ کر اُس نے راہول کو بتایا کہ مس شیتل مصروف تھیں اس لیے انہوں نے تصاویر نہیں دیکھیں۔ راہول نے غصے سے تصویریں اُس کے ہاتھ سے چھینیں اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''نہیں راہول۔'' سلمیٰ نے بھاگ کر اُس کا راستہ روک لیا۔ ''مت جاؤ راہول، وہ انیل کے ساتھ مصروف ہیں، مَیں پتا نہیں وہاں کیا کیا دیکھ کر آ رہی ہوں۔''

راہول نے تصاویر واپس رکھ دیں۔ اُس نے گھبرائی ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ ''تمہیں کم از کم دروازے پر دستک تو دینی چاہیے تھی۔''

سلمیٰ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دن بدحواسی میں اور رات بے خوابی میں گزری۔ صبح سرخ آنکھیں لیے جب وہ اسٹوڈیوز پہنچی تو راہول نے جیسے اُس کے کانوں کے پاس بم کا دھماکہ کر دیا۔

''دیوی نے تمہیں بلایا ہے، فوری۔''

اور سلمیٰ الٹے پیروں اسٹیج 18 کی طرف چل دی اس بار وہ دروازے پر دستک دینا نہیں بھولی تھی۔

''سلمیٰ؟'' اندر سے شیتل کی نقرئی آواز سنائی دی۔ ''اندر آ جاؤ۔''

سلمیٰ نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور اسی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی اور اسے یقین تھا کہ آج آ کاش اسٹوڈیوز میں اس کا آخری دن ہے۔

''بیٹھ جاؤ سلمیٰ۔'' شیتل نے اپنی میک اپ ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے اُسے مخاطب کیا۔ ''خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''آئی ایم سوری، دیوی۔'' سلمیٰ کی کانپتی اور سَرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ ''مَیں نے کل جو کچھ دیکھا مَیں اس پر بے حد شرمندہ ہوں لیکن اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ

کوئی اس کے بارے میں میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ سنے گا، پلیز مس شیتل، مجھے نوکری سے نہ نکلوایئے گا، میں وعدہ۔۔۔"

شیتل نے برش میز پر رکھا اور سلمٰی کی طرف مڑی۔ "ایسا نہیں ہوگا۔" وہ مسکرادی۔ "یہ میرا وعدہ ہے، میں یا انیل اس واقعے کا کسی سے ذکر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور ہم دونوں تم سے ناراض بھی نہیں ہیں۔"

"آپ۔۔۔ آپ کا مطلب۔۔۔؟"

"ہاں سلمٰی۔" شیتل نے اُس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "تمہاری نوکری محفوظ ہے لیکن میرے ذہن میں تمہارے لیے ایک اور منصوبہ ہے۔"

"میں ہر طرح سے حاضر ہوں، مس شیتل۔"

"میں راہول سے بات کرکے تمہاری خدمات صرف اور صرف اپنے لیے حاصل کرنا چاہتی ہوں کیا تم میرے ساتھ کام کروگی؟"

"دل و جان سے دیوی۔" سلمٰی کے منہ سے بے اختیار گہری سانس خارج ہوگئی۔

"کل کچھ نہیں ہوا تھا، آپ مجھے ایک موقع دیں، میں خود کو آپ کی غلام ثابت کردوں گی۔"

شیتل کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "تو پھر کرسی قریب کرلو، ہم باتیں کریں گے کہ۔۔۔"

اور پھر وہ دونوں کئی گھنٹے ڈریسنگ رُوم میں بند رہیں انہوں نے بہت سی باتیں کیں۔

"اپنی نجی زندگی کے بارے میں بتاؤ سلمٰی؟" شیتل نے سوال کیا۔ "بوائے فرینڈز، کوئی خاص دوست وغیرہ؟"

"میری طرف دیکھیں، دیوی، مجھ جیسی موٹی، بھدی اور بدصورت لڑکی کا کوئی بوائے فرینڈ ہوسکتا ہے؟"

"مستقبل کا کوئی پروگرام؟"

"میں آکاش اسٹوڈیوز میں ہی رہنا چاہتی ہوں، یہ میرا خواب تھا جو پورا ہوا اور اب مجھے آپ کی خدمت۔۔۔"

"تمہاری عمر!"

''بائیس سال، دیوی۔''

''مَیں تیس سال کی ہوں لیکن خود کو سو سال کی محسوس کرتی ہوں۔'' شیتل نے جواب دیا۔

''دیوی۔۔۔!''

''تمہارے لیے مَیں صرف شیتل ہوں۔'' شیتل نے اُسے ٹوکا۔ ''تم آئندہ مجھے دیوی یا مس نہیں کہو گی۔''

''شکریہ۔۔۔دے۔۔۔شیتل۔''

''آؤ مَیں اب تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں۔'' شیتل نے کہا اور پھر شیتل شروع ہوگئی۔ وادیٔ کشمیر اور سری نگر میں گزرے بچپن سے لے کر ڈریسنگ روم کے کیف آگیں لمحوں تک اُس نے کوئی بات نہیں چھپائی۔

''کیا ہم دوست ہیں؟'' اپنی کہانی ختم کرنے کے بعد شیتل نے دریافت کیا۔

''ہاں، شیتل۔'' سلمیٰ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''ہمیشہ کے لیے۔''

OO

فادر رائے فلین نے روزنامہ "پرتاپ" کا تازہ شمارہ میز پر پھیلایا ہی تھا کہ کیری میلون اندر داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا لفافہ دبا ہوا تھا۔ کیری نے خاموشی سے لفافہ میز پر رکھا اور اُلٹے قدموں باہر چلی گئی۔

فادر نے لفافہ دیکھا انہیں اس پر کوئی حیرت نہ ہوئی۔ یہ بحریت کا شاہی لفافہ تھا اور اُن کے نام آنے والا پہلا نہیں تھا۔ ایسے لفافے وہ پہلے بھی وصول کر چکے تھے۔ انہوں نے اخبار ایک سمت رکھا اور لفافہ کھول لیا۔ جشنِ سالگرہ میں شرکت کا دعوت نامہ اُن کے سامنے تھا۔ بحریت کی ملکہ اس بار بھی انہیں نہیں بھولی تھی۔ عموماً کرسمس، ایسٹر اور نئے سال کے موقع پر ملکہ کے تہنیتی کارڈز انہیں موصول ہوتے رہتے تھے۔ ملکہ نے اپنے تینوں بچوں کی پیدائش کی اطلاع بھی انہیں دی تھی اور ہر بار ریال آنے کی دعوت کا اعادہ بھی کیا تھا لیکن ہر بار فادر نے از خود دعوت منسوخ کر دی تھی کیونکہ وہ ابھی تک دوبارہ اُس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر پائے تھے۔

اس کے باوجود کہ ملکۂ بحریت، فادر کی سوچوں سے آگاہ نہیں تھی لیکن وہ ہر عبادت کے بعد اپنے اُس سلوک پر معافی کے خواستگار ہوتے جو اُنہوں نے اُس خوبصورت اور قابلِ اعتماد خاتون کے ساتھ کیا تھا جسے وہ شنیلا کملاوتی موہن کے نام سے جانتے تھے۔

OO

بھورے اور ریشمی بالوں والی بچی نے پنجوں کے بَل کھڑے ہو کر کوئی دسویں بار ڈور بیل بجائی لیکن اُسے اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ تھک ہار کر وہ وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اندھیرا ہو گیا تھا اور سردی بھی بڑھنے لگی تھی لیکن اُس کی ماں نے اتنی بار گھنٹی بجائے جانے کے باوجود دروازہ نہ کھولا اور اب وہ زمین پر بیٹھی اپنے باپ کی منتظر تھی کہ وہ گھر واپس آئے تو اُسے اندر لے جائے۔

اندھیرا جُوں جُوں بڑھتا جا رہا تھا، سردی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ سری نگر کی شامیں یوں بھی ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ وہ لحہ بہ لحہ سکڑتی رہی تا کہ سردی سے بچ سکے لیکن سردی تھی کہ اُس کی ہڈیوں میں سوراخ کرتی جا رہی تھی۔

سردی میں اس طرح ٹھٹھرنے کا یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ شتیلا کملاوتی موہن پہلے بھی اپنی شرابی ماں کے ہاتھوں پِٹ کر دروازے کے باہر بیٹھی گھنٹوں روتی اور سردی میں ٹھٹھرتی رہتی تھی۔ کبھی کبھار ماں، جب وہ اچھی حالت میں ہوتی، اُس کے چہرے پر بوسوں کی جیسے بارش کر دیتی اور کبھی اِس بُری طرح مارتی کہ معصوم شتیلا کی جلد تک پھٹ جاتی۔ دن کا زیادہ تر وقت اُس کی ماں سو کر گزارتی اور اُس کے اردگرد کچی شراب کی ناگوار بو پھیلی رہتی۔ آج بھی شاید ایسا ہی تھا کہ اُس کی ماں نشے میں مدہوش کسی صوفے پر یا فرش پر آڑی ترچھی پڑی ہو گی اور اُسے ہوش بھی نہ ہو گا کہ اُس کی بیٹی اسکول سے واپس آ گئی ہے۔

جانے وہ کب تک یونہی سکڑی سمٹی بیٹھی رہی۔ حتیٰ کہ اُسے شناسا قدموں کی جانی پہچانی آہٹ سنائی دی۔

''ارے۔'' موہن داس کی حیرت و استعجاب میں ڈوبی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ''یہ میری دیوی یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے؟''

موہن داس نے ڈرائیوروں کی وردی پہن رکھی تھی اور وہ دن بھر سری نگر کی سڑکوں پر

ٹیکسی چلا کر تھکا ماندا اور ٹوٹا ہوا گھر واپس آیا تھا۔

''ممّا دروازہ نہیں کھول رہی، پاپا'' شتیلا نے ٹھٹھری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں، ہم ابھی اپنی دیوی کو اندر لیے چلتے ہیں۔''

موہن داس نے جیب سے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر اُسے اندر لے گیا۔

اُس رات موہن داس نے ہی اُسے کہانی سنائی اور اُسی نے اُسے سلایا۔

''فکر نہ کرو، دیوی۔'' کہانی کے اختتام پر موہن داس کی آواز اُسے سنائی دی۔

''تمہاری شادی بھی کسی شہزادے سے ہوگی اور وہ تمہیں اپنی بڑی سی شاہی بگھی پر بٹھا کر لے جائے گا۔''

شتیلا خاک بھی نہیں سمجھی لیکن موہن داس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے قطرے نکل کر شتیلا کے بھورے بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔

پھر وہ سو گئی۔ رات کو کسی پہر اُس کی آنکھ کھلی۔ اُسے ماں باپ کے لڑنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ پھر شاید پاپا نے ممّا کو مارا بھی تھا کیونکہ وہ حسبِ دستور رونے اور کوسنے دینے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ کچھ دیر دونوں کی تیز تیز آوازیں سُنتی رہی اور پھر سو گئی۔ صبح جب سو کر اُٹھی تو پاپا اپنے کام پر جا چکے تھے۔ اُس نے ماں سے ناشتا مانگا تو ماں نے اُسے بُری طرح مارا اور گھر سے باہر نکال دیا۔ شاید اُس نے رات خود پٹنے کا بدلہ اُس سے لیا تھا۔

شتیلا کچھ دیر تو دروازے پر کھڑی روتی رہی اور پھر سڑک پار کر کے فادر رائے فلین کے پاس چلی آئی جسے وہ اِس دنیا میں پاپا کے بعد اپنا واحد سرپرست اور ہمدرد تصوّر کرتی تھی۔

فادر رائے فلین، اینگلو انڈین تھے اور جس گرجے میں وہ پادری تھے وہ شتیلا کے گھر کے عین سامنے واقع تھا۔ شتیلا اکثر و بیشتر ماں کے ہاتھوں پِٹ کر انہی کے پاس پناہ لیا کرتی تھی۔ اُس کے معصوم ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وہ اپنے والدین کے مسائل اور لڑائی کی ذمّے دار ہے کیونکہ جب بھی وہ گھر سے باہر بیٹھی پائی جاتی، ممّا اور پاپا میں لڑائی ضرور ہوتی تھی۔

''تم اپنے والدین کے مسائل کی ذمّے دار نہیں ہو شتیلا۔'' فادر فلین اکثر اُسے سمجھاتے۔ ''اُن کی لڑائی کی بنیاد تم نہیں، وہ غربت ہے جو بال کھولے تمہارے کُنبے پر نوحہ

کناں ہے۔"

شتیلا بے چاری کچھ نہ سمجھ پاتی کہ فادر کی ان ثقیل باتوں کا کیا مطلب ہے؟ لیکن اِس کے باوجود وہ فادر کی باتیں بڑے غور سے سنتی اور گھنٹوں اُن کے پاس بیٹھی رہتی۔

ایک روز شام کو موہن داس جب گھر آیا تو اُس نے شتیلا کو بتایا کہ وہ کئی دنوں کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہے۔

"بمبئی سے ایک فلم یونٹ سری نگر آیا ہے۔" اُس نے اپنی بیٹی کو بتایا۔ "یونٹ اننت ناگ کے آس پاس کسی فلم کی شوٹنگ کرنا چاہتا ہے اور اُس نے پانچ چھ ٹیکسیاں کرائے پر حاصل کی ہیں جن میں، مَیں بھی شامل ہُوں ۔۔۔ اور دیکھو۔۔۔ تم اب بارہ سال کی ہو گئی ہو، دیوی! تم اپنی دیکھ بھال خود کر سکتی ہو۔ اسکول روزانہ جانا۔ واپس آ کر گھر کے کاموں میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹانا اور اُس سے بدتمیزی نہ کرنا۔"

شتیلا نے باپ سے اُس کی تمام ہدایتوں پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور وہ چلا گیا۔ شتیلا نے ہر ممکن طریقے سے ماں کو خوش رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ ہر روز شراب کے نشے میں دُھت ہو کر اُسے بُری طرح مارتی اور وہ چیختی چلّاتی فادر فلین کے پاس جا کر پناہ لیتی۔

OO

موہن داس نہیں آیا۔شاید اُس کا کام زیادہ طویل ہوگیا۔شتیلا بدستور پٹتی رہی۔روتی رہی اور پھر بہلتی رہی۔اپنے باپ کی نصیحت کے عین مطابق اُس نے ایک دن بھی اسکول سے چھٹی نہیں کی تھی۔ماں کے ہاتھوں ہر وقت پٹتے رہنے سے یہ بہر حال بہتر تھا۔

اُس روز وہ دو سہیلیوں کے ہمراہ اسکول سے واپس آتے ہوئے جونہی اپنی گلی میں داخل ہوئی اُسے اپنے گھر کے سامنے ایک ایمبولینس کھڑی نظر آئی۔شتیلا وہیں ساکت ہوگئی۔

''ماما۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد وہ چیخی۔اُسے شاید صورتِ حال کا ادراک ہوگیا تھا۔''ماما کو کچھ ہوگیا ہے۔''

وہ ایمبولینس کی طرف بھاگی لیکن فادر فلین نے اُسے راستے میں ہی تھام لیا جو اُسی کی طرف آرہے تھے۔انہوں نے اُسے پکڑ تو لیا لیکن وہ خود کو چھڑوا کر پھر ایمبولینس کی طرف بڑھی۔اُسے کچھ لوگ ایک اسٹریچر اُٹھائے گھر سے باہر نکلتے نظر آئے۔مگر وہ دیکھ نہ سکی کہ اسٹریچر پر کون تھا؟ کیونکہ ایمبولینس کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم تھا۔

وہ اسٹریچر کی طرف بڑھی لیکن کسی نے بازو سے پکڑ کر اُسے واپس کھینچ لیا۔شتیلا نے پلٹ کر دیکھا وہ اُن کی پڑوسن پشپا تھی۔''آگے مت جاؤ،شتیلا، وہ تمہارے دیکھنے کی چیز نہیں۔''

اب آگے جانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔اُسے پتا تھا کہ وہ اُس کی ماں ہی ہے۔سفید اوور آل پہنے ہوئے لوگوں نے اسٹریچر اندر رکھا، خود اگلی نشستوں پر بیٹھے اور ایمبولینس سائرن بجاتی چیختی چنگھاڑتی آگے بڑھ گئی۔

شتیلا نے رونا اور پچھاڑیں کھانا شروع کر دیں۔وہ شرابی تھی،اُسے مارتی تھی،ظلم کرتی تھی لیکن تھی تو اُس کی ماں۔اُس روز وہ بے تحاشا روئی،اتنا کہ مجموعی طور پر بھی رونا دھونا ملایا

جاتا تو اتنا نہ بنتا۔ ہجوم میں سے اُس نے کسی کی آواز بھی سنی کہ چندر ما موہن نے خودکشی کی ہے ڈاکٹر نے اُسے سونے کی گولیاں دی تھیں اور وہ انہیں زیادہ مقدار میں کھا گئی تھی۔

رفتہ رفتہ لوگ چلے گئے اور وہاں صرف فادر فللین، پشپا اور شتیلا رہ گئے۔

''تم پشپا کے ساتھ چلی جاؤ، شتیلا'' فادر نے اُسے کہا۔ ''مَیں موہن کو تلاش کر کے اُسے پیغام بھجوانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''فادر۔'' وہ فللین کے قریب کھسک آئی۔ ''میری ماں نے خود اپنے آپ کو مارا ہے نا؟''

''بے وقُوف۔'' فادر نے اُسے جھڑکا۔ ''وہ قدرتی موت مری ہے ڈاکٹر شا سے پوچھ لینا۔'' وہ پھر پشپا سے مخاطب ہوئے۔ ''اُسے لے جاؤ مَیں موہن کو ڈھونڈتا ہوں۔''

چِتا جلائے جانے کے اگلے روز اُس کے تینوں بھائی اپنی بیویوں کے ہمراہ اپنے گھروں کو کھسک لیے۔ کسی کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ اب معصوم شتیلا کا کیا بنے گا؟ شتیلا نے بھی اُن سے کوئی بھیک نہیں مانگی بلکہ وہ اپنے چھوٹے سے گھر کی ''کیئر ٹیکر'' بن گئی۔ اب وہ اپنے باپ کے لیے کھانا بناتی۔ صبح اسکول جاتی اور دوپہر کو گھر کی جھاڑ پونچھ کرتی۔ بچپن کی ساری سہیلیاں بچھڑ گئیں تھیں اور سارے کھیل ختم ہو گئے۔ کام سے جب اُسے فرصت ملتی تو وہ فادر فللین کے پاس پہنچ جاتی اور گھنٹوں اپنے دُکھڑے روتی رہتی۔

موہن داس کو بھی اپنی بیوی کا بے حد دُکھ ہوا تھا۔ اُس کی جدائی کا غم بُھلانے کے لیے اُس نے شراب پینی شروع کر دی۔ صحت گرنی شروع ہو گئی۔ کام میں بھی اب اُس کا دل نہیں لگتا تھا اور آئے دن وہ کسی نہ کسی چھوٹے بڑے حادثے میں ملوّث ہو جاتا تھا۔ ایک آدھ مرتبہ تو ٹیکسی کے مالک نے اُسے نکالنے کی دھمکی بھی دی تھی کیونکہ وہ ٹیکسی کے نقصانات کی مرمّت کراتے کراتے تنگ آ گیا تھا۔

موسم گرما آیا اور چلا گیا پھر موسم سرما بھی آ کر گُم ہو گیا۔ اُن کا معمول لگا بندھا رہا۔ ایک روز شام کو موہن داس رات گئے تک گھر نہ پہنچا۔ شتیلا اُس وقت تیسری بار کھانا گرم کر رہی تھی جب دروازے پر دستک سُنائی دی۔ ساتھ ہی اُسے فادر فللین کی آواز بھی آئی۔

اُس نے چُولہا بُجھایا اور دروازے کی طرف بھاگی۔

''شتیلا'' پادری نے نسبتاً سنجیدہ لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔''انہوں نے مجھے فون۔''

''کس نے؟''شتیلا نے بے قراری سے پوچھا۔

''تھانے والوں نے۔''

''ایک اور حادثہ؟''

''ہاں، وہ پھر شراب پی کر ٹیکسی چلا رہا تھا۔''

''کیا انہوں نے پاپا کو گرفتار کر لیا ہے؟''

''ابھی نہیں۔''

''لیکن وہ کر ضرور لیں گے۔''شتیلا نے وثوق سے کہا۔''ظاہر ہے کوئی اُن کے ساتھ مسافر بھی۔۔۔''

''وہ تنہا تھا۔''فادر نے اُسے بتایا۔''وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے ٹیکسی چلا رہا تھا۔ شاید اُسے کہیں پہنچنے کی جلدی تھی۔اچانک سامنے ایک درخت۔۔۔''

فادر گھٹنوں کے بَل زمین پر بیٹھ گئے۔انہوں نے کھینچ کر شتیلا کو خود سے لپٹا لیا۔دونوں روئے اور خُوب روئے ،حتیٰ کہ دونوں کی آنکھیں خشک ہو گئیں۔

''مَیں پشپا کو کہہ دیتا ہُوں وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گی۔''فادر نے اس سے کہا۔ ''اپنا سامان لے لو،اب تم یہاں مت رہنا۔''

''مجھے اپنے ساتھ لے چلیں فادر۔''ہچکیاں لیتی ہوئی شتیلا نے گزارش کی۔

''چرچ میں ہندو نہیں رہ سکتے ، بیٹے۔''فادر نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دوسری طرف دیکھنے لگے۔شتیلا تھوڑی دیر بعد پشپا کے گھر منتقل ہو چکی تھی۔

بھائی اور اُن کی بیویاں دوسری لاٹھی کو سہارا دینے کے لیے دوبارہ آئیں۔چِتا جلائے جانے کے بعد فادر نے پہلے الگ الگ تینوں جوڑوں سے مُلاقات کی اور پھر انہیں ایک جگہ اکٹھے بٹھا دیا۔فیصلہ متفقہ تھا،اور شاید مسائل بھی ایک جیسے تھے۔اُن کا گزارا پہلے ہی مشکل سے ہوتا تھا۔بچّے چھوٹے چھوٹے تھے اور ذمّے داریوں میں روز بہ روز اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

شتیلا کو یتیم خانے میں داخل کرا دیا گیا۔

بھائیوں اور بھابیوں نے محض ایک ایک بوسہ دے کر اُسے رُخصت کیا اور باقی انتظامات فادر فلین کے سپُرد کر کے واپس چلے گئے، فادر نے وہ رات اسے پشپا کے گھر رکھا اور اگلے روز خود اُسے یتیم خانے چھوڑ آئے۔

اور سالوں کے بعد یتیم خانے میں پرورش پانے والی شتیلا کملاوتی موہن جو اَب ملکہ بحریت شیتل تھی، کا خوبصورت دعوت نامہ اُن کے سامنے پڑا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ شیتل کو لکھ دیں گے کہ اب وہ بہت بوُڑھے ہو گئے ہیں، کام بھی بڑھ گیا ہے اس لیے فی الحال وہ اُن کے ریال آنے پر اصرار نہ کرے۔ پھر شیتل کا خط آئے گا جس میں اُس نے فادر کی خبر گیری کی ہو گی اور یُوں معاملہ ختم ہو جائے گا۔

اور اُسی وقت فادر نے کاغذ کا وہ ننھا سا پُرزہ دیکھا جو لفافے سے پھسل کر زمین پر جا گرا تھا۔ انہوں نے پُرزہ اٹھایا اور اُسے پڑھنے لگے۔

''پیارے، پیارے فادر فلین!

اس بار آپ کو بہر صورت آنا ہوگا۔ معاملہ اتنا اہم ہے کہ مَیں جشن شروع ہونے سے پہلے آپ سے مشورہ کرنا چاہتی ہُوں۔ اور مَیں سمجھتی ہُوں کہ صرف آپ ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔ مَیں خود آپ کے پاس آتی لیکن شاید میرے لیے یہ ممکن نہ ہو سکے۔ پلیز میری مدد کریں۔ مَیں جانتی ہوں کہ ماضی کبھی لوٹ کر نہیں آتا لیکن مَیں اس کی کوشش ضرور کروں گی۔

بہت سی محبتیں۔ آپ کی۔ شتیلا۔''

فادر کے ہاتھ تھرتھرا اُٹھے۔ انہوں نے خط دوبارہ میز پر ڈال دیا اور دیوار پر نگاہیں جما دیں۔ ہوسکتا ہے ماضی میں جھانکنے کا کوئی راستہ ہو صرف شیتل کے لیے ہی نہیں بلکہ ایک بے بس بوُڑھے پادری کے لیے بھی۔۔۔

OO

شیتل کا دعوت نامہ انہیں صبح کی ڈاک سے ملا۔اور جب سوہن کُلکرنی نے اس کا ذکر وجیتا سے کیا تو اُس نے دعوت نامہ اپنے شوہر کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔تبھی کاغذ کا ایک چھوٹا سا پُرزہ لفافے میں سے نکل کر قالین پر جا پڑا۔

دونوں جُھکے لیکن وجیتا نے کاغذ اٹھانے میں پہل کی،وہ شیتل کی تحریر تھی۔

''ایک ہفتہ پہلے آ یئے گا،ایک طرح سے یہ خاندانی تقریب ہے۔۔۔۔''

وجیتا نے پیغام پڑھ کر کاغذ اپنے شوہر کو تھما دیا اور پیار بھری نگاہوں سے اُسے تکنے لگی۔ دونوں قابلِ رشک میاں بیوی تھے۔ بلکہ وہ میاں بیوی سے بڑھ کر ایک دوسرے کے دوست یا شاید اس سے بھی آگے کی کوئی چیز تھے۔

یہ محبتیں پہلے دن سے ان کے درمیان قائم تھیں اور آج تک کوئی ان کی بُنیادوں کو ہلا نہ سکا تھا۔اٹھارہ سالہ دلہن وجیتا اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کر کے شوہر کے حوالے کرتی اور پھر سارا دن تنہا بیٹھی اُس کی واپسی کی راہ تکتی رہتی تھی۔رات کو جب وہ تھکا ماندہ گھر لوٹتا تو وجیتا چودہویں کے چاند کی طرح سجی سنوری اُس کا استقبال کرتی۔اُس کے جُوتے اور موزے اُتارتی۔اُسے کھانا کھلاتی اور اپنی زُلفوں کے چھاؤں تلے سلاتی۔

کہتے ہیں آدمی گھر سے مطمئن ہو تو دنیا بھی اس کے قدم چومتی ہے،سو،سوہن کُلکرنی کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔وہ تیزی سے بُلند ہوا اور شادی کے پہلے ہی سال اپنے کریو کا فورمین بن گیا۔ بعد ازاں اُس نے اپنی ٹھیکیداری کی فرم بنائی اور کامیابی کا سفر طے کرنے لگا۔ اخبارات اُسے ۔''شہنشاہِ تعمیرات'' لکھتے اور رپورٹر اُسے ''انجینئر سوہن'' کے نام سے پکارتے۔

چند ہی سالوں میں نیم پُختہ گھر میں بیاہ کر آنے والی وجیتا ایک عالی شان بنگلے کی مالک بن گئی۔سوہن پیسہ کماتا اور وہ لُٹاتی،لیکن مجال ہے کبھی شوہر نے بیوی سے پوچھا بھی ہو کہ اتنا

پیسہ کہاں چلا جاتا ہے۔ اللہ نے انہیں سب کچھ دیا تھا لیکن ایک نعمت ایسی تھی جس سے اُس نے انہیں محروم رکھا تھا۔ اور وہ تھی اولاد۔ انہوں نے بمبئی سے دہلی تک کوئی ڈاکٹر، حکیم، وید نہیں چھوڑا تھا۔ بھارت کے بڑے بڑے مندروں میں وہ دیے جلا آئے تھے لیکن وجیتا کی گود ہری ہونا تھا نہ ہوئی۔

وجیتا کو ممکن ہے اس کا دُکھ رہا ہو لیکن سوہن نے کبھی اپنے مُنہ سے اس کا اظہار نہ کیا۔ وجیتا کی بہن چندر ما اور اُس کے شوہر موہن داس کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دونوں انہی سے دل بہلاتے۔ موہن اور چندر ما اُن سے سینکڑوں میل دور سری نگر میں تھے لیکن سوہن اور وجیتا سال میں دو تین بار وہاں ضرور جاتے اور کئی کئی دن اُن کے ہاں مقیم رہتے۔

موہن اور چندر ما کے بیٹے بڑے اور بیٹی چھوٹی تھی۔ دونوں نے بڑی مشکلوں سے بیٹوں کو پالا لیکن تینوں ہی گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی مرضی سے شادیاں کیں اور والدین کو کبھی پلٹ کر نہ پوچھا۔ وہ اور اُن کی بیویاں موہن داس کو تو کسی حد تک پسند کرتے تھے لیکن چندر ما انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

اُن کے برعکس سب سے چھوٹی شتیلا کملاوتی ایک خاموش طبع لڑکی تھی۔ ماں کے ہاتھوں مار کھا کر بھی وہ اُس سے بے تحاشا پیار کرتی۔ بھورے بالوں اور نیلی آنکھوں والی گوری چٹی شتیلا چینی کی کوئی گڑیا لگتی تھی۔ وجیتا اور سوہن اُسی سے ملنے سری نگر جاتے۔ دیوالی، ہولی وغیرہ کے علاوہ بھی وہ ہر تہوار پر اُسے کپڑے، کھلونے اور بہت سے تحفے روانہ کرتے رہتے تھے۔

جب چندر ما، بھگوان کو پیاری ہو گئی تو وجیتا نے اپنے بہنوئی کو پیش کش کی کہ وہ شتیلا کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ملازمہ رکھ لے جس کے اخراجات خود وہ برداشت کرے گی لیکن موہن داس نے حامی نہیں بھری۔ شتیلا نے خود بھی اپنے باپ کی ہاں میں ہاں ہی ملائی تھی۔

کچھ عرصے بعد جب ایک حادثے میں موہن داس چل بسا اُس وقت سوہن اور وجیتا یورپ کی سیر کو گئے ہوئے تھے واپسی پر انہیں فادر فلین کا ایک خط ملا جس میں اُس نے انہیں فوری طور پر سری نگر پہنچنے کا لکھا تھا۔

دونوں نے فون پر صورتِ حال معلوم کی اور پھر پہلی پرواز سے سری نگر پہنچ گئے۔

''شتیلا ہمیشہ یتیم خانے میں نہیں رہ سکتی۔'' فادر فلین نے انہیں آگاہ کیا۔ ''لڑکوں سے ساری اُمّیدیں ختم ہوگئی ہیں اور اب تم دونوں بچے ہو جنہیں مَیں شتیلا کا آخری سہارا سمجھتا ہُوں۔''

دونوں خاموش رہے تھے۔

''کیا دہلی کے ایک نامور اور کروڑ پتی ٹھیکیدار سوہن کُلکرنی اور شہر کی مشہور سماجی رہنما اور دہلی چلڈرن فنڈ کی صدر روجیتا کُلکرنی کی بھانجی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یتیم خانے میں رہے گی جو لوگوں کی خیرات سے چلتا ہے۔'' فادر فلین نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں، مَیں ایسا بھی کر سکتا ہوں۔''

اگلے دن شتیلا کملاوتی موہن، اپنی خالہ اور خالو کے ہمراہ دہلی پرواز کر گئی۔

انہوں نے اپنے بڑے سے گھر میں اُسے ایک الگ کمرہ دیا۔ ایک پرائیویٹ اسکول میں داخلہ دلوایا اور اُس کے لیے لاتعداد کپڑے سلوائے۔ ساتھ ہی انہوں نے اسے اپنی متبنیٰ بنانے کے لیے ایک وکیل کا انتظام کیا۔ متبنیٰ بنائے جانے کی کارروائی کو کسی نے چیلنج نہیں کیا اور آخری روز شتیلا کملاوتی موہن جب عدالت سے باہر آئی تو اسے نیا باپ، نئی ماں اور نیا نام مل چکا تھا۔

اب وہ شیتل کُلکرنی تھی۔

نیا گھر، نئے والدین، نیا نام اور نیا ماحول پا کر شیتل کی ساری شوخی جیسے رُخصت ہوگئی۔ وہ خاموش رہنے لگی۔ سوہن اور روجیتا آپس میں چہلیں کرتے رہتے اور وہ چُپ چاپ بیٹھی کچھ سوچتی یا ہوم ورک کرتی رہتی۔ اُس نے کبھی ضرورت سے زیادہ بات نہ کی اور نہ ہی کبھی اپنی خالہ اور خالو کو تنگ کیا تھا۔

لیکن وہ دونوں شیتل سے تنگ ضرور تھے۔ انہوں نے اپنی شادی کے ابتدائی سال ایک تنہا گھر میں گزارے تھے۔ بھرے پُرے اور تنہا گھر میں، میاں بیوی کے رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ شیتل تو بدل گئی لیکن سوہن اور روجیتا خود کو نہ بدل سکے۔ اُن کی محبتوں کے اظہار کا ایک الگ ڈھنگ تھا اور وہ اُسے تبدیل کرنے کو تیار نہ تھے۔ گھر میں رہنے کے باعث شیتل بھی یہ سب کچھ دیکھتی اور محسوس کرتی تھی لیکن اُس نے کبھی اس کا اظہار

نہیں کیا تھا۔

شیتل نے رات کا کھانا بھی اپنے کمرے میں کھانا شروع کر دیا تا کہ دونوں پاگلوں کو کُھل کھیلنے کا خُوب خُوب موقع مل سکے۔ وہ اسکول سے آ کر سیدھی پُونم کے ہاں چلی جاتی اور شام کو گھر آتے ہی اپنے کمرے میں گھس جاتی۔ پھر وہ اگلے روز صبح ہی برآمد ہوتی تھی۔ سوہن اور روجیتا اس معمول سے خوش تھے۔ اُن کی بلا سے وہ بھاڑ میں جاتی، کم از کم اس طرح وہ اُن کی حرکتوں اور کرتُوتوں میں مُخل تو نہ ہوتی تھی۔

OO

سوہن اور وجیتا نے دوسال تک یہ سب برداشت کیا، حتیٰ کہ شیتل چودہ سال کی ہوگئی۔ وجیتا نے شیتل کو بمبئی کے ونڈسر مشنری کالج میں داخل کرانے کی تجویز پیش کی تو سوہن نے بلا جھجک اسے مان لیا۔ شیتل کو بھی بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ اُس کے لیے دہلی کا یہ گھر اور بمبئی کا ونڈسر ہاسٹل ایک سے ہی تھے۔

خزاں کے بعد سوہن اور وجیتا، شیتل کو لے کر بمبئی پہنچ گئے۔ داخلے کے انتظامات پہلے ہی کیے جاچکے تھے۔ انہوں نے خود شیتل کے لیے ہاسٹل کا کمرہ منتخب کیا جس میں ایک سخت قسم کا دیوار گیر بستر اور فرش لکڑی کا تھا۔ اس کے بعد وہ کالج کے انگریز پرنسپل ہیرالڈ رُسکن سے ملے جس کی تین نسلیں بھارت میں ہی پیدا ہوئی تھیں اور اب وہ خود بھی ننانوے فیصد بھارتی ہو چکا تھا۔

''شیتل ایک اچھی لڑکی ہے۔'' وجیتا نے پرنسپل کو آگاہ کیا۔ ''ہمیں اُمید ہے وہ کسی شکایت کا موقع نہ دے گی۔''

اور ایسا ہوا بھی نہیں۔ شیتل اپنی کلاس کی ذہین ترین طالبہ کی حیثیت سے سامنے آئی۔ اُس نے امتحانوں میں ہمیشہ اے گریڈ لیا۔ گھر سے ملنے والی رقم سے کبھی فضول خرچی نہ کی۔ کالج کے طلبہ و طالبات اور اساتذہ کے خیال میں وہ تہذیب و شائستگی کا ایک نادر اور مثالی نمونہ تھی۔

کوئی ایک سال سکون سے گزرا لیکن پھر مسائل کا پہلا تھپیڑا سوہن اور وجیتا کے مُنہ پر پڑا۔ وہ اُس وقت گھر سے نکل رہے تھے کہ فون کی گھنٹی نے دروازے پر اُن کے قدم جکڑ لیے سوہن نے ریسیور اُٹھا لیا۔

''ہم نے اُسے پکڑ لیا ہے۔'' دوسری طرف سے ونڈسر مشنری کالج کے پرنسپل ہیرالڈ رُسکن کی آواز سنائی دی۔ ''ہمیں شک ہے کہ یہ عرصے سے ہو رہا تھا مگر ہم اسے ثابت نہیں کر

سکتے۔''

''لعنت ہو۔'' سوہن دھیرے سے بڑبڑایا پھر تیز آواز میں بولا۔ ''پہیلیاں مت بُجھوائیں مسٹر رُسکن، جلدی بولیں، کیا ہوا ہے، میری فلائٹ نکلی جارہی ہے۔''

''ہمارے ایک ٹیچر نے اُسے رات کے وقت اپنے کمرے میں ایک لڑکے کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں پکڑا ہے۔''

''کیا بکواس ہے؟'' سوہن غرایا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، لڑکی کی تربیت نہایت شریفانہ اور صاف ستھرے ماحول میں ہوئی ہے اور تم کہہ رہے ہو اُس نے ہماری ناک کٹوا دی۔''

''ٹھنڈے دل سے سوہن۔'' وجیتا کی آواز اُبھری۔ اُس نے ایکسٹینشن کا ریسیور اُٹھا کر کانوں سے لگا رکھا تھا۔ پھر وہ پرنسپل سے مخاطب ہوئی۔ ''اس خبر کو باہر نہیں جانا چاہیے مسٹر رُسکن، مَیں خواہ مخواہ کی بدنامی مول نہیں لینا چاہتی۔''

''ہمیں کالج کے نام کی لاج بھی رکھنی ہے مسز گلکرنی۔'' رُسکن کی آواز آئی۔ ''آپ بے فکر رہیں، خبر باہر نہیں جائے گی اور نہ ہی ہم شیتل کو کچھ کہہ رہے ہیں۔ ذاتی طور پر مَیں شیتل اور ہاسٹل کی وارڈن سے بھی بات کر چُکا ہُوں۔''

''تو پھر تم ہمیں پریشان کیوں کررہے ہو؟'' سوہن دہاڑا۔

''لڑکی کے والدین کی حیثیت سے۔'' رُسکن نے جواب دیا۔ ''ہمارے خیال میں یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیے، آخر وہ آپ کا بھی تو مسئلہ ہے۔''

''ہمارا مسئلہ؟'' سوہن پھر غرّایا۔ ''ہم سینکڑوں میل دُور بیٹھے ہیں وہ تمہارا مسئلہ ہے۔''

''وہ آپ کی بیٹی ہے، مسٹر سوہن۔''

''ہاں۔۔۔لیکن اُس کے اخراجات کون دے رہا ہے؟''

''آپ سَر۔''

''تو آئندہ یہ بات ذہن میں رکھنا۔'' سوہن نے جھلّا کر کہا اور فون بند کر دیا۔

OO

شیتل گرمیوں کی تعطیلات میں جب گھر پہنچی تو اُس سے قبل اِسی طرح کے تین فُون آ چُکے تھے۔ پہلے کا نام رُسکن نے جگدیش بتایا تھا جب کہ بعد والے تینوں کا نام ورما۔ گوپی اور یشپال تھے۔

سوہن اور وجیتا نے بگڑے ہوئے چہروں اور بھنچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اُس کا استقبال کیا۔ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ شیتل سے اس مسئلے پر زیادہ بات نہیں کریں گے لیکن اُسے یہ احساس ضرور دلائیں گے کہ اُس نے اُن کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ انہوں نے یہ کہا بھی لیکن کار کی عقبی نشست پر اکیلی بیٹھی ہوئی شیتل خاموش رہی۔

اگلے روز اُس نے سری نگر جانے اور فادر فلین سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور سوہن نے بغیر کچھ کہے اُس کے جانے کے انتظامات کر دیے۔

فادر نے بڑی گرم جوشی سے اُس کا استقبال کیا۔

''مَیں آپ سے کچھ باتیں کرنے آئی ہُوں فادر۔'' کافی کا کپ ہاتھ میں لے کر شیتل گویا ہوئی۔

''وہ تو تم ہمیشہ کرتی رہی ہو۔'' فادر نے مُسکرا کر جواب دیا۔

''اُن کا کہنا ہے کہ مَیں ان کی نظروں سے گزرنے والی سب سے بڑی گُناہ گار ہوں۔'' شیتل نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

''یہ تمہیں کس نے کہا ہے؟''

''آنٹی وجیتا اور انکل سوہن نے، انہوں نے مجھے کسی صفائی کا موقع نہیں دیا۔ مَیں تسلیم کرتی ہُوں کہ بہت سے لڑکوں کے ساتھ میرے تعلقات ہیں لیکن آنٹی اور انکل کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ یہ خبریں اِدھر اُدھر پھیلیں۔'' وہ مُسکرائی۔ ''مگر وہ مجھے اس سے روک نہیں سکتے۔ مَیں وہاں ایسا کرنے والی اکیلی تو نہیں، لیکن پکڑی جانے والی اکیلی

بدقسمت ہُوں۔''

''یہ سب کیوں کرتی ہو،تم؟'' فادر نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''تا کہ پکڑی جاؤں۔'' شیتل نے اطمینان سے جواب دیا۔''مَیں چاہتی ہُوں کہ انکل، آنٹی، پورے بمبئی اور پورے دہلی کو اس کا پتا چل جائے۔ سب کو پتا چل جائے کہ کوئی مجھے چُھوتا ہے، کسی کو میری ضرورت ہے خواہ نصف گھنٹے کے لیے ہی کیوں نہ ہو؟'' اُس نے کندھے اُچکائے۔''لڑکے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ میرا حصول بے حد آسان ہے۔ آپ کو پتا ہے نا کہ باتیں کتنی تیزی سے سفر کرتی ہیں اور پھر اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے؟''

''شتیلا ہم تمہارا کیا کریں؟'' فادر نے زچ ہوکر کہا۔

''مجھے لیکچر دینے یا ڈرانے کی کوئی ضرورت نہیں فادر۔'' شیتل نے تیز لہجے میں کہا۔ ''مَیں چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے چُھوئے۔'' اُس نے نظریں جُھکا لیں اور معذرتی انداز اختیار کرلیا۔''مجھے معاف کر دیجئے گا فادر، مَیں جو کچھ کر رہی ہُوں، وہ آپ کی یا دوسروں کی نظروں میں کتنا بھی مکروہ کیوں نہ ہو لیکن میرے لیے باعثِ اطمینان ہے۔'' اُس کا لہجہ پھر بدل گیا۔''جب مَیں لڑکوں کو پُر جوش کر دیتی ہُوں تو وہ حصولِ تسکین کے لیے پاگل ہو جاتے ہیں۔ مَیں انہیں چھوڑ کر جا سکتی ہُوں یا وہ کچھ انہیں دے سکتی ہوں جن کی انہیں ضرورت ہوتی ہے وہ میرے رحم وکرم پر ہوتے ہیں، میرے فیصلے کے محتاج ہوتے ہیں۔ مجھے اُن پر قدرت اور قوت حاصل ہوتی ہے اور میرے لیے یہ سب بہت باعثِ تسکین ہے۔''

فادر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''تم تنہائی کا شکار ہوگئی ہو شتیلا۔'' بالآخر اُنہوں نے فیصلہ سُنایا۔'' کچھ ہی دنوں تک تم بڑی ہو جاؤ گی اور پھر بہت سے لوگ تم سے محبتیں جتائیں گے، وہ اس قابل بھی ہوں گے کہ تم اُن سے محبت کرو، اُس وقت تک کے لیے صبر کرو اور یہ کھیل کھیلنے بند کر دو۔۔۔ وقت کا انتظار کرو۔ اُس سے پہلے اپنے آپ کو تباہی اور بدنامی کے گڑھے میں مت دھکیلو۔''

شیتل کندھے اُچکا کر اُٹھ گئی۔ فادر نے اُسے مزید کچھ نہیں کہا البتہ انہوں نے خود ونڈسر کالج کے پرنسپل سے بات کی۔ چنانچہ شیتل چھٹیاں گزار کر جب واپس بمبئی پہنچی تو مسٹر رُسکن اس کے لیے ایک مصروف شیڈول لیے اُس کے منتظر تھے۔ مزید تباہی سے بچانے کے

لیے اُسے ٹینس، گھڑ سواری اور دیگر دلچسپیوں میں حصّہ لینے کی ہدایت کی گئی۔ کھیلوں کے ساتھ ساتھ وہ جدید رقص اور اداکاری کی تربیت بھی لینے لگی۔

ونڈسر کے باقی سالوں میں اُس کی کوئی شکایت نہ ملی اور نہ ہی وہ کبھی کسی لڑکے کے ساتھ پکڑی گئی۔

دلیپ راج نامی ایک اُستاد اُسے اداکاری سکھایا کرتا تھا۔ وہ آکاش اسٹوڈیوز کے قریب ہی رہتا تھا۔ کچھ عرصہ تو وہ اُستاد ہی رہا لیکن پھر وہ شیتل کا محبوب بن گیا اور وہ گریجویشن تک اُسی کی وفادار رہی۔

اُس کے رویّے کے پیشِ نظر سوہن اور وجیتا نے بھی اُس کے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دیا۔ اُس کے بعد شیتل دہلی تو کئی مرتبہ گئی لیکن فادر فلین کو اُس نے نظر انداز کر دیا۔

اور اب کئی سالوں بعد سوہن اور وجیتا کو بذریعہ ڈاک اُس کا دعوت نامہ موصول ہوا تھا۔

''بھلا کسے یقین ہوگا کہ سری نگر کے ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور موہن داس اور غریب یکن شرابی ماں چندر ما کی بیٹی ایک ملکہ ہے۔'' وجیتا نے کوئی سوویں مرتبہ کہا۔

''ہماری بیٹی۔'' سوہن نے اپنی بیوی کی تصحیح کی اور آگے بڑھ گیا۔

OO

انیل کمار، اپنے عالی شان بنگلے کی بالکونی میں کھڑا سمندر کی دُور نظر آنے والی لہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ ذرا دیر پہلے ہی اپنے بیڈرُوم کے ساتھ جدید ترین آلات سے مزین جمخانے میں ایک گھنٹے کی ورزش سے فارغ ہوا تھا اور اب وہ ریتلے ساحل پر جوگنگ کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔

پچپن سال کا ہونے کے باوجود انیل کا جسم اب بھی اُسی قدر خوبصورت اور مضبوط تھا جتنا فلم انڈسٹری میں وارد ہونے کے ابتدائی دِنوں میں ہوا کرتا تھا۔ وہ اکثر اپنا موازنہ دائیں جانب کے پڑوسی شتروگھن سنہا سے کیا کرتا تھا جس کا جسم بھی اُس کی طرح مضبوط اور کسا ہوا تھا لیکن وہ عُمر میں بھی تو اُس سے چھوٹا تھا۔ دوسری جانب راجندر تھا۔ وہ بھی کم وبیش اُسی کا ہم عُمر تھا لیکن اُس کا جسم اب مضبوط نہیں رہا تھا۔

انیل نے چند لمحوں کے لیے اپنا اور راجندر کا موازنہ کیا۔ بے شک اُس کا جسم ڈھل گیا تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ راجندر اب بھی ٹاپ کلاس ہیرو تھا جب کہ انیل ماضی کا فسانہ ہوا چاہتا تھا۔

ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟ یہ وہ سوال تھا جو انیل نے کئی مرتبہ خود سے اور اپنے مینیجر سے کیا تھا۔ اپنے عروج کے زمانے میں اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں ایسے دن بھی آئیں گے جب لوگ اُس کے نام کے ساتھ ''ہے'' کے بجائے ''تھا'' لگائیں گے۔ اُس نے اِس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ لوگ بُوڑھے ہو جاتے ہیں لیکن آخر دوسرے بھی تو تھے۔ دلیپ کمار، پران، راج کپور، راج کمار اور پھر راجندر مگر یہ سب صرف اُسی کے ساتھ کیونکر ہوا، کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں ہوا؟

کل سے وہ اس سوال پر زیادہ شدّ ومد سے غور کر رہا تھا۔ ڈاکیے نے جو روزانہ اُس کی ڈاک گیٹ کے باہر لگے لیٹر باکس میں ڈالتا تھا بہ طور خاص ڈور بیل بجا کر اُسے باہر بُلوایا اور

پھر ایک خوبصورت سا لفافہ ذاتی طور پر اُسے تھمایا جس پر شاہی مُہر ثبت تھی۔ یہ کوئی دعوت نامہ لگتا تھا اور بحریت سے آیا تھا۔

انیل اُسے ڈاکیے کے سامنے کھول کر نہیں دیکھنا چاہتا تھا اس لیے لفافہ اندر لے آیا۔ لفافہ کھولتے ہی وہ حیرت سے اچھلا۔ وہ واقعی دعوت نامہ تھا۔ اور ساتھ شیتل کی اپنی تحریر میں لکھا ہوا ایک مختصر سا پیغام بھی۔

''انو ،ڈیئر۔'' خط کا آغاز اس نام سے ہوا تھا جس سے انیل کو پوری دنیا میں سوائے اُس کے کوئی اور نہیں پکارتا تھا۔

''پندرہ سال بیت گئے اور ہمیں پتا بھی نہ چلا۔ اس کے باوجود کہ ان سالوں میں ہمارے درمیان بہت کچھ ہوا اور شاید ہم بہت بدل بھی گئے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہاری دوستی مَیں آج تک نہیں بھول سکی۔ مَیں اپنے اُسی دوست کو بحریت آنے کی دعوت دے رہی ہُوں۔ مَیں تم سے مستقبل کے کچھ منصوبوں پر بات کرنا چاہتی ہُوں اس لیے براہِ کرم تقریبات کے آغاز سے ایک ہفتہ قبل پہنچ جانا۔

تمہاری مخلص: شیتل۔''

''مخلص۔'' کا لفظ اُسے نامانوس سا لگا۔ وہ چند لمحے اِس پر غور کرتا رہا لیکن پھر اُس نے کندھے جھٹک کر گویا اس لفظ کو بھی جھٹک دیا۔ ممکن ہے پروٹوکول کا کوئی مسئلہ رہا ہو؟

اُس کی صبح تو شیتل کے دعوت نامے کی نذر ہو گئی تھی لیکن اُس نے رات کی رنگینی کو سنگینی میں نہیں بدلا۔ معمول کے مطابق ایک نئی لڑکی اُس کی مہمان بننے کو آئی تھی۔ عُمر اس کی کوئی بیس اکیس سال تھی لیکن تھی ظالم بلا کی خوبصورت۔۔۔ جسم یوں سانچے میں ڈھلا ہوا تھا جیسے اللہ نے اُسے بڑی فرصت میں بنایا ہو۔ وہ اُس سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے فیصلہ کیا کہ اگر لڑکی کا نام اور پتا اُسے یاد رہ گیا تو وہ دوبارہ اُسے ضرور بلوائے گا۔

نصف شب سے ذرا بعد انیل نے لڑکی کو جانے کے لیے کہا تو اُس نے بُری طرح احتجاج کیا۔ بقول اُس کے یہ وقت اُس کے اکیلے جانے کا نہیں تھا لیکن ظاہر ہے انیل کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ اُس نے تیاری کے لیے لڑکی کو زبردستی ڈریسنگ رُوم میں

دھکّا دے دیا۔

''میرا نام نرمل ہے۔'' لڑکی نے اندر سے یہ آواز بلند بتایا۔ ''ہم لوگ سری نگر کے رہنے والے ہیں لیکن اب بمبئ میں ہی مقیم ہیں۔ میرا نمبر۔۔۔''

وہ جانے کیا کچھ کہتی رہی لیکن انیل اب وہاں کہاں تھا اُسے تو کشمیر کی ایک اور کلی یاد آ گئی تھی جس کا نام تھا شیتل کُلکرنی اور دُنیا اسے چینی کی گُڑیا اور دیوی کے نام سے پُکارتی تھی۔

دیوی تو ماضی کا قِصہ تھی جس نے اُس کی زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتّب کیے لیکن وہ حال میں بھی اُس کے نام سے فائدہ اُٹھانے کی بابت سوچ رہا تھا۔ عیّار انیل نے دعوت نامہ ملنے کے بعد کوئی دس بار اپنے پریس سیکرٹری سے رابطے کی کوشش کی تھی لیکن ہر بار وہ دستیاب نہ تھی۔ اس کے پاس روزنامہ ''ورائٹی'' اور ''دی بمبئ رپورٹر'' کے لیے ایک دھماکا خیز خبر موجود تھی۔

انیل کو یقین تھا کہ فلمی دُنیا کے اِن دو ٹاپ کلاس جریدوں میں جب یہ خبر چھپے گی کہ اُسے بحریت سے شاہی دعوت نامہ موصول ہوا ہے تو پڑھنے والوں کو پتا چلے گا کہ انیل اب بھی ایک بین الاقوامی شخصیّت ہے وہ دعوت نامے سے اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنا چاہتا تھا، رہ گئی شیتل، تو اسے ایک ہفتے بعد بھی مطلع کیا جا سکتا تھا کہ اُس نے دعوت نامہ قبول کر لیا ہے۔

نرمل تیار ہو کر باہر نکل آئی۔ انیل نے اسے ڈرائیور کے ساتھ رُخصت کیا اور خود بستر پر لیٹ کر وہ دن رات یاد کرنے لگا جو اُس نے شیتل کُلکرنی کی معیت میں گزارے تھے۔

OO

سنہری شیتل، مقدس اور انوکھی شیتل، چینی کی گڑیا، الگ تھلگ، مہذّب، خوش اخلاق، اور ٹھنڈے مزاج کی شیتل جو کئی بار بھارت کا سب سے بڑا فلمی ایوارڈ ''شری پدم ایوارڈ'' اور ''گاندھی ایوارڈ'' جیتنے کے بعد بھی مغرور نہ ہوئی تھی۔

آغاز ہی سے اس کے طور طریقے اور رہن سہن بے حد شاہی قسم کے تھے۔ اُسی زمانے میں ہی فلمی رپورٹرز اُس کے بارے میں وہ تمام الفاظ لکھا کرتے تھے جو تعریف و توصیف کے حوالے سے ڈکشنری میں دستیاب تھے۔ آکاش اسٹوڈیوز کے اُس وقت کے ہیڈ، آدی نارائن نے اُسے اسٹیج سے اپنے اسٹوڈیوز میں لانے کے لیے اُس کی مُنہ مانگی قیمت ادا کی تھی۔ اُس کے منیجر نے جو مطالبہ کیا تھا اُسے فوری طور پر پورا کیا گیا۔ وہ جب چاہتی اسٹوڈیوز چھوڑ کر اسٹیج کی دُنیا میں واپس جا سکتی تھی۔ اُسے جُوہو میں علاقے کی شاندار ترین کوٹھی رہائش کے لیے پیش کی گئی جس کے تمام اخراجات آکاش اسٹوڈیوز نے ادا کیے۔ اُسے آکاش کی جس فلم میں سائن کیا جاتا اُس کے اسکرپٹ ڈائریکٹر اور ہیرو تک کی منظوری وہ خود دیا کرتی تھی۔

اُس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ آدی نارائن ائرپورٹ سے اسٹوڈیوز۔۔۔ اور اسٹوڈیوز سے گھر تک اُس کی کار خود ڈرائیو کیا کرتا اور وہ ملکہ کی شان سے عقبی نشست پر براجمان ہوتی تھی۔ آدی نارائن کردار کے تقاضوں کے سوا اُس کے سامنے کبھی بُلند آواز میں بات تک نہ کرتا تھا۔

انیل کمار جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اُسے بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا جس طرح اس نے اپنی ہیروئن بننے والی ہر لڑکی کو کیا تھا۔

خود انیل کمار کسی سے کم نہ تھا۔ اُس نے آج تک بھارت کی فلم انڈسٹری میں سب سے زیادہ معاوضہ پانے والے اداکار کا اعزاز حاصل کیا تھا اُس کے پاس جُوہو میں پانچ ایکٹر پر

پھیلی ہوئی عالی شان کوٹھی تھی اس کے دو بیٹے سینڈھرسٹ میں فوجی تربیت پا رہے تھے دو لڑکیاں بمبئی کے بہترین اسکول میں پڑھ رہی تھیں۔ اُس کی بیوی، دُنیائے فلم کی سابق رقاصہ ریتا کو لامحدود سہولتیں حاصل تھیں اور اُس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایک بار جو ساڑھی باندھ لیتی تھی دوبارہ کبھی نہیں باندھتی تھی۔ ان سہولتوں کے پیش نظر اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ فلمی دُنیا کی ہرنئی ہیروئن اُس کے شوہر کے کالر کا پھول کیوں بنتی ہے؟

انیل نے آدی نارائن سے کبھی درخواست نہیں کی کہ وہ اُسے شیتل مُلکرنی کے مقابل کاسٹ کرے وہ اس انتظار میں تھا کہ خود شیتل اُس کی جانب بڑھے۔ لیکن اپنی اس بے اعتنائی کے باوجود وہ شیتل سے بے خبر نہ تھا۔ وہ غیر محسوس طریقے سے سائے کی طرح اُس کے ساتھ تھا اور اُس کی سَرگرمیوں پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اُن دنوں بھارت میں دلیپ کمار کے نام کا طوطی بولتا تھا۔ لیکن شیتل کے بارے میں اُس وقت بھی کوئی افواہ سننے کو نہ ملی جب اُس نے دلیپ کمار کے مقابل اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ فلم بینوں نے دلیپ اور شیتل کی جوڑی کو ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن انیل کو یقین تھا کہ دلیپ اور شیتل کی قُربت نے کوئی گُل نہ کھلایا ہوگا کیونکہ دلیپ ان دِنوں پری چہرہ نسیم کی بیٹی سائرہ بانو کے ہو چکے تھے اور اسی کی محبت میں گرفتار تھے۔

ایک دن آدی نارائن نے اُسے ''سائے'' نامی فلم کا اسکرپٹ روانہ کیا۔ اس میں انیل کمار کو مشہور رومانی کردار رانجھا کے لیے منتخب کیا گیا جب کہ ہیر کا کردار شیتل کو ادا کرنا تھا۔ انیل نے اسکرپٹ دیکھا اور اُسے پڑھے بغیر ایک طرف پھینک دیا۔ کئی دن بعد جب آدی نارائن نے بہت انتظار کے بعد اُسے یاد دہانی کے لیے فون کیا تو اُس نے بڑی بے نیازی سے آکاش اسٹوڈیوز کے سربراہ کو بتایا کہ اُسے ابھی اسکرپٹ کے مطالعے کی فرصت نہیں ملی اور پڑھنے کے بعد ہی وہ سوچ کر جواب دے گا۔ اور پھر کئی روز تک اُس نے آدی نارائن کو گومگو کی کیفیت میں لٹکائے رکھا۔

شوٹنگ سے پہلے آدی نارائن کی بیوی پرکاشا نارائن نے ایک ''دوستانہ ڈنر'' کا اہتمام کیا تا کہ آدی کی نئی فلم ''سائے'' کے تمام اداکاروں کا ایک دوسرے سے تعارف ہو سکے۔ پرکاشا ایک منجھی ہوئی میزبان تھی اُس نے انیل کو اپنی دائیں جانب اور شیتل کو انیل کے

ساتھ دائیں جانب بٹھایا۔ سامنے آ دی نارائن کی دائیں جانب انیل کی بیوی ریتا اور اس کے ساتھ شیتل کا محافظ ہدایت کار آر کے پی بیٹھا تھا جسے انیل نے کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔

کھانے کے دوران شیتل نے اُس سے بات چیت تو کی لیکن اُس کے انداز میں ایک عجیب قسم کی سرد مہری تھی جسے انیل محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ فوری طور پر غور کرنے لگا کہ کیا وہ کبھی شیتل کی سرد مہری ختم کرنے اور اسے حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو سکے گا یا نہیں۔

شوٹنگ کا پہلا ہی دن انیل کے لیے ایک امتحان سے کم نہ تھا۔ بدمعاش آر کے پی نے اُن پر ایک خالص اور جذباتی رُومانی سین فلمایا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آئے تو انیل خاصا نروس تھا۔ وہ سین کے تقاضوں کے مطابق شیتل کو قریب کرنے سے ڈر رہا تھا لیکن اُس وقت اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب شیتل مُنہ زور ہوا کا وہ جھکّڑ بن گئی جو چھوٹے سے روشن دان سے گزرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے۔ انیل اس ردِ عمل کے لیے تیار نہ تھا۔ اُس نے اپنی حیرت پر قابو پانے کے لیے تھکا لگنے کا بہانہ کیا اور اپنے ڈائیلاگ بولنے کے بجائے پانی کا گلاس طلب کر لیا۔

کیمرے کی آنکھ سے لپٹے آر کے پی کو کوئی خاص بات محسوس نہ ہوئی اور اُس نے ری ٹیک کا حکم دے دیا۔ سین او کے ہو گیا۔ اور پھر سارا کام معمول کے مطابق ہونے لگا۔ شیتل نے اس دوران کبھی پہلے سین کی بابت کوئی بات نہ کی اور نہ ہی کبھی اُس کے کسی انداز میں انیل کو کوئی دعوت محسوس ہوئی بلکہ وہ ہمیشہ مہذب اور شائستہ ہی رہی۔

انیل نے بھی خود اُس کی طرف بڑھنے کی کوئی کوشش نہ کی اُس کے تجربے نے اُسے بتایا کہ فریقِ مخالف بھی بے قرار ہے بس وہ گومگو کی کیفیّت میں ہے۔ ہر روز شُوٹنگ کے اختتام پر وہ اسٹوڈیوز کے پروجیکشن رُوم میں شیتل کے برابر بیٹھ کر رش پرنٹ دیکھتا۔ بلامُبالغہ اُسے شیتل کی اداکاری بے حد پسند آئی تھی۔ لیکن اس پسند میں شیتل کے حُسن اور عشوہ طرازیوں کو کوئی دخل نہ تھا۔

کبھی کبھار وہ لنچ بریک اُس کے ''اسٹار بنگلو'' میں گزارتا۔ اور بعض اوقات انیل اپنی اسپورٹس کار میں خود اُسے شوٹنگ کے لیے لے جاتا، یہ اس وقت ہوتا جب شیتل کا ڈرائیور

بیمار ہوتا یا کسی اور وجہ سے شیتل کو اتنی سویرے شوٹنگ پر لے جانے سے قاصر رہتا تھا۔ اُس نے کبھی انیل کو انتظار نہ کرایا بلکہ ہمیشہ ہی اُسے اپنے بنگلے کے باہر گیٹ پر کھڑی ملتی۔ صبح سویرے اس حسین قتالہ کو دیکھ کر جانے انیل کا دل کیا کیا کہتا لیکن وہ زبردستی دل کو تھپتھپا کر سلا دیتا۔

جُوں جُوں فلم تکمیل کے مراحل طے کرتی رہی۔ انیل آہستہ روی سے شیتل کو اپنی محبت کے سحر میں جکڑتا چلا گیا۔ چھوٹے چھوٹے شرارتی تحفوں، چلبلاتے جملوں اور محبت کرنے والوں کے لطیفوں نے انیل کی بڑی مدد کی تھی۔ انیل اب پوری طرح مطمئن تھا کیونکہ اُس نے شیتل کی توجہ حاصل کر لی تھی۔ جب کبھی انیل تنہا کسی سین کی ریہرسل کرتا تو وہ بیٹھ کر یک ٹک اُسے دیکھتی اور ایسے میں وہ پلکیں جھپکانا بھی بھول جاتی۔

ایک سہ پہر، آر کے پی نے معمول سے پہلے ہی پیک اپ کا اعلان کر دیا۔ اب وہ اگلی صبح تک کے لیے فارغ تھے۔

''انیل؟'' روانگی سے ذرا پہلے شیتل کی آواز اُسے اپنے پہلو میں محسوس ہوئی۔ ''کیا تم ذرا دیر میرے ہاں رُکنا پسند کرو گے؟''

اور انیل نے اُس اندھے کی طرح فوراً اثبات میں سَر ہلا دیا جس سے پوچھا گیا ہو کہ تمہیں دو آنکھیں چاہئیں؟

نصف گھنٹے بعد وہ شیتل کے عالی شان ڈرائنگ رُوم میں بیٹھا تھا۔

''کیا پیو گے؟'' شیتل نے دریافت کیا۔

''شرابِ محبت۔'' انیل نے ذو معنی انداز میں کہا۔ ''اور وہ بھی جام سے نہیں آنکھوں سے۔''

شیتل نے مُسکرا کر اسے دیکھا اور دانتوں سے نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔ وہ اُٹھ کر خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

شیتل نے استفہامیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''اپنی دُنیا کو دوسری دُنیا سے مقفل کر رہا ہوں۔'' انیل نے جواب دیا اور مُسکرا دیا، شیتل نے بھی اس کی مُسکراہٹ کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

OO

پندرہ سال بعد انیل کمار کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہ تھا کہ اُس کی زندگی میں شیتل جیسی لڑکی پہلے اور نہ اُس کے بعد آئی۔ اُسے اُن لڑکیوں کی تعداد یاد نہیں تھی جن سے اُس کی دوستی رہی تھی۔ اداکارائیں، رقاصائیں، سیکرٹریز، ریسپشن گرلز اُس کی مداح لڑکیاں، اُس کے دوستوں کی بیٹیاں اور اُس کی بیٹیوں کی سہیلیاں، لیکن کوئی بھی شیتل کے پاسنگ نہ تھی۔

گو شیتل کے ساتھ اُس کے تعلقات کا اختتام کچھ خوشگوار انداز میں نہیں ہوا تھا لیکن وہ اپنے فیصلے پر مطمئن ضرور تھا۔ اُس نے شیتل کے ساتھ اپنی زندگی کے پُرلطف ترین اور ناقابلِ فراموش دن گزارے تھے۔ پہلی ملاقات کے بعد وہ انیل کے لیے یوں بے قرار رہتی جیسے کوئی بچہ اپنی پسندیدہ ٹافیوں کے لیے رہتا ہے۔ وہ انیل کے مطالبات کو کبھی نظر انداز نہ کرتی اور کوشش کرتی تھی کہ وہ اُس سے زیادہ سے زیادہ خوش اور مطمئن رہے۔

وہ تقریباً روزانہ اُس سے ملنے آتا۔ کبھی کبھار شیتل اُسے فرانس کی مثال دے کر چڑایا کرتی جہاں امیر لوگ اپنی بیوی کے پاس گھر جانے سے پہلے کچھ دیر اپنی زرخرید کے ساتھ گزارتے تھے۔ انیل اس پر کھول جاتا تھا۔

''تم غلطی پر ہو، ڈارلنگ۔'' وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا۔ ''یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھا کرو کہ تم میری محبوبہ ہو، زرخرید نہیں۔''

''مجھے تم پر اعتماد ہے، اَنّو۔'' شیتل پیار سے اُس کا سر سہلاتی۔ ''مَیں تم سے پیار کرتی ہُوں اور ہمیشہ تمہاری ہی رہُوں گی۔''

''میری چینی گڑیا۔'' انیل اتنا ہی کہہ پاتا اور شیتل ایک پُرجوش مہرِ محبت ثبت کر کے اُسے خاموش کر دیتی۔

تین ماہ پَر لگا کر اُڑ گئے ''سائے'' مسلسل شوٹنگ کے بعد مکمّل ہوگئی۔ فلم کے ماہرین کے خیال میں یہ یقیناً ایک کامیاب فلم ثابت ہوتی کیونکہ اس کے ریلیز ہونے سے پہلے ہی

شیتل اور انیل کی محبت کی داستان لوگوں کی زبان تک پہنچ چکی ہوتی۔

اور پھر ہوا بھی یہی، سائے ویسے بھی برصغیر پاک و ہند کے نہایت رومانوی کردار پر بنائی گئی تھی اور شیتل کی اداکاری نے اُسے چار چاند لگا دیے تھے۔ اُس نے کچھ اس طرح ڈُوب کر اداکاری کی کہ فلمی ناقدین اور ناظرین برملا یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر ہیر واقعی ایک زندہ کردار ہے تو یقیناً وہ شیتل جیسی ہی ہو گی۔

اخبارات و رسائل میں یہ بھی لکھا گیا کہ شیتل نے ہیر کے روپ میں جو اداکاری کی ہے وہ کوئی اور اداکارہ کر ہی نہ سکتی تھی۔ دیوی تو اُسے پہلے ہی کہا جاتا تھا۔ ''سائے'' کی نمائش کے بعد اُس کے خطابات میں ایک اور اضافہ ہو گیا اور اُس کے چاہنے والے اُسے ''ہیر'' کے نام سے بھی مخاطب کرنے لگے۔

OO

شیتل بُنیادی طور پر لااُبالی، سَر دا اور لا پرواسی لڑکی تھی۔ بسا اوقات اُس پر سنجیدگی اور بڑے پَن کا دورہ پڑتا۔ یہ لمحے انیل کے لیے بڑے مشکل ہوا کرتے تھے۔

ایک دن وہ شیتل کے ڈرائنگ رُوم میں صوفے پر پھیلا ہوا تھا کہ وہ خلافِ توقع ایک جینز اور ریشمی شرٹ پہنے اپنے بیڈرُوم سے برآمد ہوئی۔ اُس کا چہرہ دیکھتے ہی انیل سمجھ گیا کہ آج اُسے پھر پُرانا دورہ پڑا ہے۔

''مَیں آج ورغلانے والی کا کردار ادا نہیں کرنا چاہتی۔'' انیل کی توقع کے عین مطابق اُس نے اعلان کیا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ مَیں ایک پُرامن شادی شُدہ زندگی گزارنے کی طرف راغب ہوتی جا رہی ہُوں۔۔۔ مَیں تسلیم کرتی ہُوں کہ تم نے مجھے اخلاقی تحفظ دیا ہے۔۔۔ یہ تمہاری ستائش نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ مَیں جتنا تمہیں چاہتی ہُوں اُسی قدر تم پر اعتماد بھی کرتی ہُوں۔ مَیں نے یہ الفاظ تم سے پہلے کسی مرد سے نہیں کہے۔۔۔ تم جانتے ہو کہ مَیں کیا کہنا چاہتی ہُوں؟ مرد اور عورت ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ یہ ضرورتیں تو آنی جانی ہیں لیکن اعتماد ہر شے کی بُنیاد ہوتا ہے۔ جب میرے والدین سورگباشی ہوئے تو سب نے ہی مجھے نظر انداز کیا، میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اُس دن کے بعد سے مَیں کسی پر بھی اعتماد کرنے سے گھبراتی ہُوں۔ کیونکہ جب تم کسی پر اعتماد کرتے ہو تو دِن کہے اُسے خود کو نقصان پہنچانے کا حق بھی دے دیتے ہو اور مَیں اپنی آئندہ زندگی میں خود کو مزید دُکھ یا نقصان پہنچنے نہیں دینا چاہتی۔''

شیتل اس کے برابر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

''مَیں چاہتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کی ملکیّت ہو جائیں۔'' اس کا حرفِ مدعا زبان پر آ گیا۔ ''لوگ ہمیں ایک دوسرے کے نام سے پہچانیں۔''

''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں جان۔'' شیتل کو انیل نے خود سے قریب کرتے

ہوئے جواب دیا۔ ''مَیں ہمیشہ تمہارا ہوں۔''

حسبِ معمول وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے موضوع بدلنے میں کامیاب ہو گیا۔

شوٹنگ کے وقفوں کے دوران وہ شیتل کے ڈریسنگ رُوم میں ملتے۔ کسی کو انہیں ڈسٹرب کرنے کی ہمّت نہ تھی بس ایک بار ایسا ہوا تھا کہ سلمیٰ نامی لڑکی مُنہ اٹھائے اندر داخل ہو گئی تھی۔ لحظہ بھر کے لیے وہ بیڈ رُوم کی دیوار بنی رہی اور پھر انیل نے اُسے ڈانٹ کر باہر بھیج دیا۔

بعد میں انیل نے شیتل کو بتایا کہ اُس کی پُشت پر کیا ہوا تھا ساتھ ہی اُس نے لڑکی کو گولی مروا دینے کا عندیہ بھی ظاہر کیا۔

''نہیں۔'' شیتل جلدی سے بول اُٹھی۔ ''معاملے کو مجھے اپنے طور پر ہینڈل کرنے دو۔''

شیتل نے اُسے یہ بھی کبھی نہ بتایا کہ سلمیٰ کے ساتھ اُس کی کیا بات ہوئی ہے اور یہ کہ اُسے خود بھی کمرے میں سلمیٰ کی موجودگی کا علم تھا'' لیکن انیل نے یہ ضرور دیکھا کہ رفتہ رفتہ دونوں کی دوستی گہری ہوتی چلی گئی۔

وہ لڑکی آ کاش اسٹوڈیوز کی موجودہ سربراہ سلمیٰ فاروق تھی۔ اُس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ ایک موٹی، بھدی اور بدصورت لڑکی بھارتی فلم انڈسٹری کے سب سے بڑے اسٹوڈیوز کی سربراہ بن جائے گی۔

انیل نے سَر گھما کر دیکھا۔ وال کلاک صبح کے چار بجا رہا تھا لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ اُسے اب شیتل کے ساتھ گزارے ہوئے آخری دن یاد آ رہے تھے۔

''کیا تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو؟'' شیتل نے اس سے پوچھا تھا۔ ریتا ان دنوں اپنے بچوں کے ساتھ ماں باپ سے ملنے چندی گڑھ گئی ہوئی تھی اور وہ اس وقت شیتل کے گھر پر ہی موجود تھا۔

''مَیں تو تمہاری پرستش کرتا ہُوں، ہنی۔''

''کیا یہ خوبصورت نہیں لگتا۔۔۔ میرا اور تمہارا اس گھر میں تنہا رہنا۔''

''بالکل تمہاری طرح خوبصورت۔'' اُس نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''تو پھر تم نے کیا سوچا ہے؟''

''کس بارے میں جان؟''

''دونوں کے اکٹھے رہنے کے بارے میں۔''شیتل نے جواب دیا۔

''ہم ہمیشہ سے اکٹھے ہیں، جان۔''انیل نے خالص سیاسی جواب دیا۔''ایسی اُلٹی سیدھی باتیں کرکے اِس شام کے حُسن کو کیوں تباہ کر رہی ہو؟''

''لیکن۔۔۔''

''میں اگلے ماہ فرانس روانہ ہو رہا ہوں۔ تین ماہ کی چھٹیاں گزارنے۔''

''کیا مَیں تمہارے ساتھ جا رہی ہُوں؟''شیتل نے پوچھا۔''سائے مکمل ہوگئی ہے اور اسٹوڈیو والے مجھے بھی چھٹی دینے کو تیار ہو گئے ہیں۔''

''میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہُوں، شیتل؟''

''کس سلسلے میں؟''شیتل سراپائے سوال تھی۔

''مَیں نے ایک سال پہلے ریتا اور بچوں کو ساتھ لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔''

''اور پھر، انو۔''

''پھر کیا؟ مَیں واپس آ جاؤں گا۔ سب کچھ اسی طرح چلے گا جیسے اب چل رہا ہے۔''

''لیکن مَیں اس انداز کو پسند نہیں کرتی۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا شیتل۔''انیل نے حسب معمول اُسے پچکارا۔''چلو اب آؤ میرے پاس میں تمہارے۔۔۔''

''جو کچھ مَیں کہہ رہی ہوں، تم سمجھ نہیں رہے۔''شیتل نے تیز آواز میں کہا۔''مَیں شادی کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔ میں، تم سے شادی کرنا چاہتی ہُوں۔ مَیں چاہتی ہوں کہ ہمارے اپنے بچّے ہوں۔''

''اور ریتا کا کیا بنے گا، ہنی؟''انیل نے پوچھا۔''ایک بیمار ماں کے ساتھ رہ کر بچّوں کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔''

''اوہ۔''شیتل کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔''گیٹ آؤٹ۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو شیتل، اپنی محبت کی خاطر ایک گھر تباہ مت کرو، مَیں تمہیں کئی

مثالیں دے سکتا ہوں، اُن لوگوں کی جو بیوی اور محبوبہ کو بیک وقت پال رہے ہیں۔ دُنیا اُن کے بارے میں جانتی ہے۔ کمار کو جانتی ہونا؟ وہ شہا کے ساتھ۔۔۔''

''گیٹ آؤٹ۔'' وہ صوفے سے اُٹھ کر حلق کے بل دہاڑی۔ ''اُس کا چہرہ قندھاری انار کی طرح سُرخ ہوگیا تھا۔'' اس سے پہلے کہ مَیں تمہیں قتل کر دُوں، یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''

اور وہ وہاں سے چلا آیا۔ وہ اس کی تمام محرومیوں سے واقف تھا لیکن پھر کبھی لوٹ کر اس کے دروازے پر نہ گیا۔

فرانس میں قیام کے دوران بھارت سے ملنے والے اخبارات اور رسائل کے ذریعے اُسے پتا چلتا رہا کہ شیتل کی زندگی میں کیا کیا ہورہا ہے؟

آدی نارائن کی جانب سے منگنی کا اعلان اُس نے پڑھا۔ شیتل، بحریت کے بادشاہ سے شادی کرنے جارہی تھی۔ بہت جلد وہ ملکہ شیتل رامیر بننے والی تھی۔

اور اب اتنے بہت سے سالوں کے بعد اُس نے اُسے بلوا بھیجا تھا۔ وہ مستقبل کے بارے میں اُس سے بات کرنا چاہتی تھی اور انیل کمار نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ شیتل کے ساتھ مل کر مستقبل کی تلاش ضرور کرے گا۔

OO

آدی نارائن، آکاش اسٹوڈیوز کی سربراہی سے الگ ہوجانے کے باوجود بھی بمبئی کی فلمی دنیا کے ناخداؤں میں شمار ہوتا تھا۔ اب بھی ذرا دیر پہلے وہ برطانیہ کے بعض فلم سازوں کے ہمراہ ایک کو پروڈکشن پر کامیاب مذاکرات سے فارغ ہوا تھا۔ جس کی شوٹنگ اگلے ماہ شروع ہونی تھی۔

اُس نے اسٹوڈیوز چھوڑ کر ایسی بہت سی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ لیکن گزرے ہوئے واقعات اب بھی اس کے حلق میں پھانس کی طرح چبھتے تھے۔ آکاش اسٹوڈیوز کے مالکان، ایسٹرن بینکرز اور انٹرنیشنل اسٹاک ہولڈرز کے بعض آڈیٹرز نے اچانک اسٹوڈیوز کے فنڈز کا آڈٹ کیا اور یہ بات سامنے آئی کہ فلمی دُنیا کا ایک باعزّت اور قابلِ احترام شخص آدی نارائن اسٹوڈیوز کے فنڈز میں خُرد برد کا مرتکب پایا گیا ہے۔ اُس کا ذمّے دار کون تھا، یہ اُسے علم نہیں تھا۔ وہ تو یہ بات جانتا تھا کہ مالکان نے اُسے ایک ہفتے کے اندر اندر استعفیٰ دینے کو کہا تھا جبکہ دوسری صورت میں اُسے برطرف کردیا جاتا۔

آدی نارائن نے باعزّت راستہ اختیار کیا اور اُس نے اسٹوڈیوز کے واجبات ادا کرنے کی غرض سے نئی دہلی کی شاندار کوٹھی بیچ ڈالی جس میں ایک سوئمنگ پول اور ٹینس کورٹ بھی موجود تھا۔ وہ مالکان کا شکر گزار تھا کہ اُنہوں نے اُسے جیل نہیں بھیجا، ورنہ وہ اتنے طاقت ور تھے کہ بااثر اور بارسُوخ ہونے کے باوجود آدی کی باقی زندگی سلاخوں کے پیچھے گزر جاتی۔

وہ گذشتہ چھ سال سے یہ غم سینے میں دبائے بیٹھا تھا۔ اُس کے ساتھ بعض اور عہدے داروں کو بھی برطرف کیا گیا، جن میں فنانس ڈائریکٹر جے جے سکسینہ بھی شامل تھا۔ ساتھیوں کا غم اپنی جگہ، سب سے زیادہ دُکھ اُسے اِس بات کا تھا کہ وہ اصل مُجرم کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی بیوی پرکاشا اپنے شوہر کی یہ رُسوائی برداشت نہ کرسکی اور مختصر سی علالت کے بعد چل بسی۔

کوشش اُس کی یہی ہوتی تھی کہ وہ گزرے ہوئے تلخ دنوں کو یاد نہ کرے لیکن آج وہ اس کوشش میں ناکام ہوگیا تھا۔ برطانوی فلم سازوں سے کامیاب ملاقات کے بعد اُس کی سیکرٹری نے اُسے ڈاک کا ایک پلندہ دیا تھا اور اس پلندے میں سب سے اُوپر جو لفافہ رکھا تھا اُس نے اُس کے سارے زخم تازہ کردیے تھے۔

ریال سے آنے والا لفافہ شاہی دعوت نامہ تھا۔ تمام تر دُکھ کے باوجود اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ اتر آئی۔ واقعی شاہی جوڑے کو اس خاص موقع پر اُسے نہیں بھولنا چاہیے تھا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو شاید یہ شادی بھی نہ ہوسکتی تھی۔ دعوت نامے کے ساتھ شیتل کا ایک ذاتی خط بھی تھا جس میں اُسے۔ ''مستقبل کے بارے میں بات چیت کی غرض سے۔'' ایک ہفتہ قبل ریال پہنچنے کے لیے کہا گیا تھا۔

آدی نارائن نے جان بُوجھ کر شیتل اور رامیر کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور پھر شادی کے بندھن میں جکڑنے میں اہم ترین کردار ادا کیا تھا جس کی تفصیلات سوائے پرکاشا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا اور وہ بھی اب اِس دنیا میں نہیں تھی۔

OO

''سائے'' نے ریلیز ہوکر کامیابی کے تمام اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ ڈالے تو انیل کمار اپنی بیوی اور چار بچوں کے ہمراہ فرانس سدھار گیا اور اب شیتل گلکرنی اپنا حُسن مغموم لیے اُس کے دفتر پہنچی تھی۔

''مَیں شہر چھوڑ رہی ہُوں۔'' اُس نے آتے ہی اعلان کیا۔

''گڈ۔'' اُس نے چپراسی کو کافی لانے کا اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔'' کہاں جا رہی ہو؟''

''باہر۔''شیتل کا جواب بڑا مختصر تھا۔

''تنہا؟''

''ہاں۔''شیتل نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''شیتل؟'' آدی نارائن نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ وہ عام حالات میں ہمیشہ اُسے دیوی کہہ کر پکارتا تھا۔'' مجھے کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے اگر تم 'سائے' کی طرف سے پریشان ہو تو فکر نہ کرو۔ وہ بہت اچھی فلم ہے باکس آفس کی رپورٹ بے حد شاندار ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس سال کا شری پدم ایوارڈ بھی تم ہی جیتو گی۔''

''میں تھک گئی ہُوں، آج شام میں شہر چھوڑ رہی ہُوں۔''

''لیکن مجھے یہ تو بتادو کہ تم کہاں جا رہی ہو؟'' آدی نے اصرار کیا۔'' رابطے کا کوئی نمبر؟ کوئی ذریعہ؟ نئے اسکرپٹ بھی تمہارے پاس ہیں، آخر میں تمہیں کہاں تلاش۔۔۔؟''

''فکر نہ کریں۔ مسٹر نارائن، میں چند ہفتوں میں واپس آ جاؤں گی۔''شیتل نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔'' میں کچھ پریشان ہوں، ٹھیک ہو جاؤں گی تو لوٹ آ ؤں گی۔''

وہ چلی گئی اور وہ اسٹیشن پر رُخصت کرنے کے لیے آنے والوں کی طرح محض ہاتھ ملاتا رہ گیا۔

اُسے کچھ پتا نہیں تھا کہ شیتل کہاں ہے؟ اُسے اِس کی ضرورت بھی نہ پڑتی اگر دہلی سے ڈاکٹر گوتم نیلا مبر کا دھما کا خیز فون نہ آ جاتا۔۔۔آدی نارائن کو تسلیم کرنا پڑا کہ لاکھوں دِلوں کی دھڑکن شیتل کُلکرنی ان دِنوں بمبئی میں نہیں تھی اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟

''تو پھر اُسے ہر حال میں تلاش کرو۔'' ڈاکٹر کا حُکمیہ لہجہ عود کر آیا۔ ''مَیں فوری طور پر اُس سے ملنا چاہتا ہُوں۔''

آدی نارائن کے پیٹ میں مروڑ اُٹھنے لگے۔ ڈاکٹر گوتم نیلا مبر کوئی عام شخص نہ تھا جس کے حُکم کو نظر انداز کر دیا جاتا۔ وہ بھارتی وزیرِ اعظم کا مشیرِ اعلیٰ تھا۔ آدی جانتا تھا کہ اُسے ہر حال میں ڈاکٹر کے حُکم کی تعمیل کرنی ہوگی ورنہ آئندہ کم از کم آکاش اسٹوڈیوز کی کوئی فلم بر آمد ہو سکے گی اور نہ ہی کسی کو پروڈکشن کی منظوری ملے گی۔

لیکن وہ شیتل کو کہاں تلاش کرتا؟

رات اسی سوچ بچار میں گزر گئی۔ اگلے دن صبح اُس نے دفتر میں جو سب سے پہلا فون وصول کیا وہ ڈاکٹر گوتم کا ہی تھا۔ اُس نے ڈاکٹر کو مشورہ دیا کہ وہ چند دن انتظار کر لے۔

جواب میں ڈاکٹر پھٹ پڑا۔ ''مَیں اس وقت جس شخص کی نمائندگی کر رہا ہُوں، وہ اِنتظار نہیں کر سکتا، جان رکھو کہ وہ اتنا ہی طاقت ور ہے جتنا کہ ہمارے صدر یا وزیرِ اعظم۔۔۔''

''مگر وہ ہے کون؟'' آدی نارائن نے دریافت کیا۔ ''میں شیتل کو تلاش کرنے میں دن رات ایک کر دُوں گا لیکن مجھے بھی تو بتاؤ کہ مَیں اُسے کیا کہوں؟''

''اُسے بتانا کہ مَیں شہنشاہ بحریت، رامیر زاہدی کی نمائندگی کر رہا ہوں اور ہز میجسٹی فوری طور پر مس شیتل کُلکرنی سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''میرے پیارے ڈاکٹر گوتم۔'' آدی ہنس دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ مَیں، مِس شیتل کی نمائندگی کر سکتا ہُوں۔ وہ اِس سے پہلے اتنے بادشاہوں، شہزادوں اور صدور سے ملی ہے کہ اب تمہارے بادشاہ سے قطعیً متاثر نہ ہوگی۔''

''صرف ملنے کو کون کہہ رہا ہے۔'' ڈاکٹر گوتم کے لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا پیمانۂ صبر اب لبریز ہوا چاہتا ہے۔ ''شہنشاہ نے مِس شیتل کلکرنی سے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔''

ریسیور آدی نارائن کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ سونے کی چڑیا اُس کے ہاتھوں سے اُڑی جارہی تھی۔ آدی نارائن نے اُس کی خاطر بہت سی مخاصمتیں مول لی تھیں۔ خاص طور سے جن شرائط پر اُس نے شیتل سے معاہدہ کیا تھا وہ اتنی سخت اور گراں قدر تھیں کہ مالکان نے اُسے دہلی طلب کرلیا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کا شاید سب سے بڑا خطرہ، شیتل سے معاہدہ کر کے مول لیا تھا لیکن شکر تھا کہ وہ اس میں کامیاب قرار پایا تھا۔

اب اُس کا دوسرا امتحان سر پر تھا۔ ڈاکٹر گوتم نے اُسے کسی کمانڈنگ آفیسر کی طرح احکامات دیے تھے اور آدی نارائن کو ایک اچھے ماتحت کا کردار ادا کرنا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ شہنشاہ بحریت، دل کے معاملات بھی امورِ سلطنت کی طرح خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ شیتل کو فی الحال اُس کے منصوبوں کے بارے میں نہیں بتایا جانا تھا۔ ابھی اسے یہی کہا جاتا کہ شاہ پرستش کی حد تک اُس کا مدّاح ہے اور اُس نے کئی راتیں ریال میں اپنے شاہی محل اور بحیرۂ کیسپین کے کنارے شاندار ولا میں اُس کی فلمیں کئی کئی مرتبہ دیکھ کر گزاری ہیں۔ پہلی بیوی کو طلاق اور دوسری کے انتقال کے بعد شاہ نے ایک پلے بوائے کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کی تھی لیکن شیتل کو یہی بتایا جانا تھا کہ وہ پہلی لڑکی تھی جس سے شاہ متاثر ہوا ہے۔

یہ آدی نارائن کی ذمّے داری تھی کہ وہ دس دن بعد پیرس میں اُن لوگوں کو شیتل سے ملواتا۔ کم از کم ڈاکٹر گوتم نے یہی کہا تھا۔ ایونیو مونٹے گن پر واقع ہوٹل پلازہ ایتھنز میں اُس کی رہائش کے انتظامات کر لیے گئے تھے۔ وہ اگر چاہتی تو کسی دوست یا ملازمہ کو اپنے ساتھ لاسکتی تھی۔ صرف یہی نہیں آدی نارائن کو شیتل سے شاہ کے لیے رضامندی بھی حاصل کرنی تھی۔ ناکامی کے امکانات صفر تھے۔ وہ شیتل اور ڈاکٹر گوتم کی ملاقات کرواتا اور پھر الگ ہٹ جاتا۔ ''رومانی مذاکرات'' خود ڈاکٹر گوتم کو کرنے تھے۔

پروگرام تو سارے طے پاگئے تھے لیکن آدی نارائن کو یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ آخر شیتل کو کہاں سے پیدا کرے؟ سوچ سوچ کر اُس نے اپنی بیوی کو فون کر کے صورت حال بتائی۔

''وہ آخر ہے کہاں؟'' پرکاشا بھی فکرمند ہوگئی۔

''کچھ پتا نہیں۔'' آدی نے زچ ہو کر کہا۔ ''بھارت اتنا بڑا ملک ہے، میں اُسے کہاں ڈھونڈوں، اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس وقت ملک میں ہی نہ ہو۔''

دہلی کے نواحی علاقے کی شاندار ترین کوٹھی کے موجودہ مالکان کا نام گیتا نیلامبر اور ڈاکٹر گوتم نیلامبر تھا۔ مُغلیہ طرزِ تعمیر کی شاہکار اس عمارت کی اصل مالک گیتا کی والدہ تھیں لیکن شومئی قسمت کہ گیتا اپنے امیر کبیر والدین کی واحد اولاد تھی اس لیے قدرتی طور پر تمام جائیداد کی حق دار وہی ٹھہری تھی۔

گیتا کا تعلق ایک سکھ خاندان سے تھا۔ اُس کے والد راج گوپال اپنے علاقے کے بڑے طاقتور زمین دار تھے۔ گیتا کی والدہ نرنجن کور اُس گاؤں میں اسکول ٹیچر کی حیثیت سے آئیں اور گاؤں کے چودھری کو بھا گئیں چنانچہ جلد ہی وہ نرنجن کور سے نرنجن گوپال بن گئیں۔ سالہا سال کی رفاقت نے انہیں ایک پھول سی بچّی کا تحفہ دیا تھا جس کا نام گیتا راج رکھا گیا۔

گیتا کانونٹ کی تعلیم یافتہ تھی اور نصف سے زیادہ تعلیم سوئٹزر لینڈ اور لندن کے اسکولوں میں حاصل کر کے آئی تھی۔ اسی لیے کچھ آزاد خیال بھی تھی۔ ڈاکٹر گوتم کو اُس نے ایک سرکاری تقریب میں وزیرِاعظم کے پہلو بہ پہلو دیکھا تو اُسی پر ریجھ گئی جس کا انجام شادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

شروع میں راج گوپال اور نرنجن گوپال کے دلوں میں کچھ کجی تھی لیکن پھر وہ بھی دُور ہو گئی اور انہوں نے دیش کے ایک طاقت ور شخص کو اپنے داماد کے طور پر قبول کر لیا۔ کچھ عرصے بعد راج گوپال چل بسے تو نرنجن گوپال اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ منتقل ہو گئیں۔ اور انہوں نے اپنی زندگی میں ہی ساری جائداد دونوں کے نام منتقل کر دی۔ اب وہ تینوں اسی عالی شان محل میں قیام پذیر تھے۔

نرنجن گوپال اُس وقت اپنے بیڈ روم میں ہی تھیں جب تقریباً بھاگتی ہوئی گیتا اندر داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا لفافہ تھا۔

''امّی۔'' اُس نے پُھولی ہوئی سانسوں کے درمیان پُکارا۔ جانے وہ کہاں سے چلی آ

رہی تھی ۔ ''شاہ بحریت اور اُس کی بھارتی ملکہ کا دعوت نامہ آیا ہے ۔ گوتم بہت دن سے اس بارے میں بتا رہا تھا۔''

نرنجن گوپال نے صرف مُسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اتنے بڑے آدمی کی بیوی ہونے کے باوجود گیتا ابھی بچّی کی بچّی ہی تھی۔

ایک زمانہ تھا کہ ہزاروں لوگوں کی قسمت گوتم کے قدموں کے ساتھ ڈوبتی اُبھرتی تھی۔ اُسے حکومت میں ایک ستون کی حیثیت دی جاتی تھی جو وزیرِ اعظم کے ہر اچھے بُرے فیصلے میں شریک ہوتا تھا۔ ملازمت کو خیر باد کہنے کے بعد اُس کی سرگرمیاں کچھ زیادہ ہی پُر اسرار ہوگئی تھیں ۔ اُس کی مشاورت اب دُور دُور کے ملکوں میں جا پہنچی تھی۔ صبح وہ ایک دارالحکومت میں ہوتا تو شام دوسرے دارالحکومت میں گزرتی تھی۔

''اِس وقت گوتم کہاں ہے؟'' نرنجن گوپال نے بدستور مُسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

''نصف گھنٹہ پیشتر وہ اسٹاک ہوم سے فلائی کر چکا ہے۔'' گیتا نے جواب دیا۔ ''کل اُس نے دہلی یونیورسٹی کے گریجویٹ سیمینار سے خطاب کرنا ہے، اُسے بین الاقوامی تعلقات اور طاقت کی موجودہ دوڑ کے بارے میں اپنا مقالہ پیش کرنا ہے۔'' گیتا کی آنکھوں کے چراغ جل اٹھے۔ ''لیکن آج رات وہ یہیں رُکے گا۔''

''مَیں نے بھی آج سہ پہر ایک سیمینار میں جانا ہے۔'' نرنجن گوپال نے اپنی بیٹی کو بتایا۔

''امی، مجھے بالکل یقین نہیں آتا کہ آپ اس عمر میں بھی اُستانی ہیں۔'' اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اب اس کا کیا فائدہ؟''

''ابھی تم سمجھ نہیں پاؤ گی بیٹی۔'' نرنجن گوپال نے پُر خیال انداز میں کہا۔ ''جب تم دونوں کے بچے ہو جائیں گے اُس وقت معلوم ہوگا تربیت کس کو کہتے ہیں؟ فی الحال جاؤ، گوتم کے استقبال کی تیاری کرو، وہ بہت دن بعد گھر لوٹ رہا ہے۔''

رات کو اپنی خواب گاہ میں گوتم اور گیتا کی بات چیت کا واحد موضوع شیتل کا دعوت نامہ تھا۔

''اگر تم اجازت دو گے تو مَیں ضرور جاؤں گی۔'' گیتا نے خالصتاً بچّوں کی طرح کہا۔

''کیوں نہیں؟'' گوتم نے اُس کی حوصلہ افزائی کی۔ ''تم انہیں اور اُن کے شہر کو پسند کرو گی، بھلا دہلی کا ریال سے کیا مقابلہ؟''

''شاہ کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن شیتل سے تو مجھے نفرت ہے۔'' گیتا نے ناک سکوڑی۔ ''شاہ کم از کم خاندانی آدمی تو ہے ملکہ تو گلیوں سے اُٹھ کر محل تک پہنچی ہے۔''

''مت بھولو کہ اُس کا خاندان بھی بہت اعلیٰ تھا۔ اور پھر وہ اپنے وقت کی نامور اداکارہ تھی جس کی چال پر زمانہ چلتا تھا۔''

''اچھا خاندان؟'' گیتا نے اُس کے الفاظ دُہرائے۔ ''بمبئی کا سوہن گُلکرنی؟ اُس کا خودساختہ باپ؟ جو پہلے ایک مزدور تھا۔''

''میرا باپ بھی تو ایک معمولی دُکاندار تھا۔'' ڈاکٹر گوتم نے اپنی بیوی کو یاد دلایا۔

''آئی ایم سوری، گوتم! تم مختلف ہو، تم تصنع پسند تو نہیں۔ وہ تو شروع سے خود کو ملکہ سمجھتی رہی ہے۔''

''وہ ہے، میری جان۔'' ڈاکٹر گوتم نے بیوی کے بال سہلائے۔ ''ذرا دعوت نامہ دیکھو، اُس کا خط پڑھو۔''

''گیتا نے دو انگلیوں کے بیچ خط یوں پکڑا جیسے اُسے زہر میں ڈبو کر نکالا گیا ہو۔

''ڈیئر گیتا و گوتم!

اس دعوت نامے پر یقیناً تم لوگوں کو کوئی حیرت نہ ہوگی۔ تم دونوں ہی جانتے ہو کہ ہماری نجی زندگی بالکل الگ تھلگ رہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس نجی محفل میں تم دونوں ہمارا ساتھ دو۔ مجھے اور رامیر کو احساس ہے کہ تمہاری زندگی کتنی مصروف ہے لیکن ساتھ ہی یہ اُمّید بھی ہے کہ تم کم از کم ایک ہفتہ ہمارے پاس ضرور گزارو گے میں نے بمبئی سے اپنے کچھ سابقہ دوستوں، سری نگر کے ایک پادری، آنٹی و انکل اور تم دونوں کو اس کی خصوصی دعوت دی ہے کیونکہ ان تمام کو مَیں اپنے خاندان کا فرد سمجھتی ہوں۔ آنا ضرور، ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔ محبتوں کے ساتھ۔

شیتل (اور رامیر)

OO

وسیع وعریض ڈبل بیڈ کے ایک کونے پر آڑی ترچھی پڑی گیتا باقاعدہ خراٹے نشر کر رہی تھی اور دوسرے کونے پر لیٹا ڈاکٹر گوتم نیلامبر چھت کو آسمان سمجھ کر تارے گننے میں مصروف تھا۔ یا شاید اپنے گزرے ہوئے ماضی کو کسی فلم کی طرح ذہن کے پردوں پر چلا رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ایک معمولی دُکاندار کا بیٹا اتنا بڑا آدمی کیسے بن گیا؟ لیکن اِس میں اُس کی کسی محنت کا دخل نہ تھا، وہ اپنے مقدر کو اس کا ذمّے دار سمجھتا تھا۔ باپ نے صرف اتنا کیا تھا کہ خود اَن پڑھ اور غریب ہونے کے باوجود اُسے ایک ایسے اسکول میں داخل کرایا جہاں ذریعہ تعلیم انگریزی تھا۔ بس یہ اسکول ہی گوتم کو اپنے پَروں پر بٹھا کر لے اُڑا۔ اس نے او لیول کا امتحان ریکارڈ نمبر لے کر پاس کیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں اتنے نمبر آج تک کسی نے نہ لیے تھے۔ گوتم کو وظیفے کے طور پر بیرونِ مُلک اعلیٰ تعلیم کی پیش کش کی گئی۔ بُوڑھا باپ، بیٹے کو جُدا کرنے کے حق میں نہ تھا لیکن گوتم نے یہ جھک، ٹافیاں اور آٹا دال بیچنے کے لیے نہیں ماری تھی۔ اُس نے کسی نہ کسی طرح باپ کو شیشے میں اُتارا اور برطانیہ پہنچ گیا۔

یوں شاید وہ ہارورڈ کی تاریخ کا پہلا طالب علم تھا جس کا باپ بھارت کا ایک معمولی اور کم حیثیت دُکاندار تھا۔

ہارورڈ کی دُنیا ہی اور تھی۔ بھارت میں گوتم کی انتہائی خواہش کسی مشہور اداکارہ یا اداکار کی ایک جھلک دیکھ لینا تھی لیکن اُس چکا چوند ماحول میں جا کر اُس کی خواہشوں کی چادر وسیع ہوتی چلی گئی۔ معاملہ اداکاراؤں سے بڑھ کر ملکاؤں اور شہزادیوں اور اداکاروں سے بڑھ کر شاہوں، صدور اور وزرائے اعظم تک جا پہنچا لیکن اب اُسے صرف انہیں دیکھنے کی خواہش نہ تھی بلکہ وہ ان کا سہارا بننا چاہتا تھا۔ انہیں اپنا محتاج بنانا چاہتا تھا، لیکن کس طرح؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب ابھی تک وہ تلاش نہ کر پایا تھا۔

ہارورڈ میں ہی اُس کی ملاقات بحریت کے شہزادے رامیر سے ہوئی۔ دونوں ہم جماعت تھے۔ گوتم ایک کٹر اور متعصب ہندو تھا لیکن پرنس رامیر پکا مسلمان۔ اس ایک بات کے علاوہ دونوں میں شاید کوئی خالص تفاوت نہ تھا۔ جلد ہی دونوں دوست بن گئے۔ اور لوگ ان کی مثالیں دینے لگے۔ جب شہزادہ رامیر کے والد کو جلا وطن کر کے اُسے شاہ بنایا گیا تو ڈاکٹر گوتم جشنِ تاج پوشی میں شریک ہونے والا شاہ کا واحد دوست تھا۔ یہی وہ دوستی تھی جس نے گوتم پر ترقی کے بے انتہا دروازے کھول دیے تھے۔

شیتل کُلکرنی کے معاملے میں بھی سب کچھ گوتم نے ہی کیا تھا۔ اُس نے اپنی ذہانت سے مذہب اور رسم و رواج میں زمین آسمان کا فرق ہونے کے باوجود دونوں کو یک جا کر دیا تھا۔ اُسے یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ رامیر اور شیتل کی پہلی ملاقات سے لے کر شادی تک اُن کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔

امورِ سلطنت کی طرح بعض اور معاملات بھی ایسے تھے جنہیں دوسروں سے چُھپانا گوتم اپنا فرض سمجھتا تھا رامیر اور شیتل کا معاملہ بھی انہی میں سے ایک تھا۔ گیتا گو اُس کی راز دار تھی اور اُس نے اُسے بہت کچھ بتا بھی دیا تھا لیکن شیتل اور رامیر کے بارے میں وہ بہت کچھ چُھپا گیا تھا۔

شاہی شادی کا یہ شاخسانہ جسے ڈاکٹر گوتم۔ ''بیسویں صدی کے معجزۂ محبت'' کا نام دیتا تھا، جنیوا میں واقع شاہ رامیر کے محل سے شروع ہوا جہاں گوتم ایک اہم کاروباری بات چیت کے بعد شاہ سے ملنے کے لیے گیا تھا۔ ظاہری طور پر وہ وزیرِ اعظم بھارت کا مشیر تھا لیکن اُس پر یہ پابندی نہ تھی کہ وہ کسی اور ملک کی نمائندگی نہ کر سکتا۔ رامیر کی بات تو ویسے بھی الگ تھی کیونکہ تمام دنیا انہیں اچھے اور قریبی دوستوں کی حیثیت سے جانتی تھی۔

گذشتہ پورا ہفتہ بڑا مصروف گزرا تھا۔ سب سے پہلے اُس نے سلطنتِ بحریت کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے اپنے ہی مُلک کے وزیرِ اعظم سے ایک باضابطہ اور رسمی ملاقات کی تھی جس کے بعد وہ جنرل اسمبلی کے اجلاس سے بھارتی مندوب کی حیثیت سے خطاب کرنے کے لیے نیویارک گیا۔ پھر وہ رُوم جا پہنچا جہاں پوپ پال نے بھارتی عیسائیوں کے بعض معاملات پر بات چیت کے لیے اُسے طلب کیا تھا۔ وہیں اُسے پیغام ملا تھا کہ شاہ رامیر، جنیوا

میں اُس کا منتظر ہے۔

''تم جانتے ہو کہ میرا اسٹاف تم پر کڑی نظر رکھتا ہے اور اُس نے تمہارے بارے میں باقاعدہ ایک فائل مرتب کر رکھی ہے۔'' شاہ رامیر نے ہنستے ہوئے اپنے حیران و پریشان دوست کا خیر مقدم کیا تھا۔

''مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔'' گوتم حیرت کے سمندر سے نکل آیا تھا۔

''کیسے ہو؟'' شاہ رامیر نے ایک دوست کی حیثیت سے اسے بے جا القاب و آداب کے جھنجٹ سے آزاد کر رکھا تھا۔

''تم سناؤ، میلان میں اطالوی محبوبہ کے ساتھ کیسی گزری؟'' رامیر نے دریافت کیا۔

گوتم بری طرح جھینپ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ خوبصورت اطالوی اداکارہ اینجلا کے ساتھ اُس کی مُلاقات کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔

''مَیں بے وقوف تھوڑی ہُوں کہ مجھے کوئی موقع ملے اور مَیں پہلوتہی کر جاؤں۔'' گوتم نے کھسیا کر جواب دیا۔

''اینجلا کی زلفوں میں کہیں تم میرا اہم ترین مشن تو نہیں کھو آئے۔'' رامیر نے پوچھا۔

''ہتھیاروں کی مجوزہ خریداری؟''

''ہاں۔'' رامیر نے جواب دیا۔ ''صورت حال تمہارے سامنے ہے۔ مجھے نئے جہاز، بندوقیں، ٹینک اور اُس اسلحے کے اسپئیر پارٹس درکار ہیں جو پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ مجھے مزید انسٹرکٹرز کی بھی ضرورت ہے جو میری فوجوں کو تربیت دے سکیں۔''

''مَیں جانتا ہوں۔''

''تو پھر تم یہ بھی جانتے ہوگے کہ میری پڑوسی ریاستیں مجھ پر دانت تیز کیے بیٹھی ہیں۔ اسلامی مُلکوں کی حمایت کرنے پر رُوسی بہت عرصہ پہلے میری امداد سے ہاتھ کھینچ چکے ہیں۔ لیبیا سے تعلقات کیا اُستوار ہوئے، امریکیوں نے بھی نگاہیں پھیر لیں۔ فرانس اور برطانیہ ویسے ہی ان کے دست نگر ہیں۔ بدقسمتی سے ہم مسلمانوں کے دُشمن بھی مسلمان ہیں اس لیے چین نے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ دو اسلامی ملکوں کے درمیان اسلحے کی دوڑ میں فریق نہیں بنے گا۔ اب میرے پاس لے دے کے صرف بھارت ہی رہ گیا ہے جس سے میں اسلحے کی درخواست

کر سکتا ہُوں کیونکہ وہ ہر اُس ملک کو امداد دینے کے لیے تیار ہے جو کسی دوسرے کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتا ہے اور جب دونوں لڑنے والے مسلمان ممالک ہوں تو بھارت کے لیے وہ عید کا مقام ہے۔"

اپنے ملک کی بُرائی سُن کر گوتم کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔

"بھارت تمہاری مدد ضرور کرے گا۔" اُس نے اپنے دوست کو یقین دلایا۔ "لیکن ایک بات ذہن میں رکھو، وہ تمہیں جو اسلحہ فراہم کرے گا وہ امریکہ اور رُوس سے ہی ہتھیا کر محفوظ کیا گیا ہوگا کیونکہ بھارت ابھی اس اسٹیج پر نہیں پہنچا کہ کسی مُلک کو اپنا تیار کردہ اسلحہ برآمد کر سکے۔ وہ بخوشی تمہارے لیے ڈاکیے کا کردار ادا کر سکتا ہے لیکن تمہیں اُسے اپنی ضرورتوں کا احساس دلانا ہوگا۔ تم ہر جگہ کامیاب ہو لیکن اپنی ضرورتوں کے پروپیگنڈے میں بری طرح ناکام ہو۔"

"بے وقوف، تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو؟ مَیں ایک عظیم مُلک کا سربراہ، اپنے لیے کوئی پریس ایجنٹ حاصل کروں ــــ کوئی فلمی طرز کا پریس ایجنٹ؟"

گوتم فوری طور پر کچھ نہیں بولا۔ اُس نے جیب سے کیوبن سگار نکال کر سُلگایا۔

"فلمی دُنیا ــــ؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "چلے گا۔" بالآخر اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "لیکن فلمی پریس ایجنٹ نہیں ــــ فلمی بیوی۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو!" رامیر کو بچھو نے کاٹ کھایا۔

"نہیں، یہ بڑا زبردست مشورہ ہے، ایک بھارتی لڑکی جو ازل سے قابلِ پرستش رہی ہو۔ کوئی ایسی لڑکی کہ لوگ جس کے اشارے پر ناچتے ہوں۔ رائے عامہ اُس کی مٹھی میں بند ہو، کوئی گلوکارہ، اداکارہ ــــ ان میں سے کوئی ایک ــــ آخر فلمی دنیا میں کوئی نہ کوئی لڑکی تو ایسی ہوگی جسے لوگ چاہتے ہوں، پیار کرتے ہوں، اس کا احترام کرتے ہوں۔" گوتم کُرسی سے اُٹھ کر رامیر کے قریب آ گیا۔ "تم اُس سے شادی کر لو گے تو دنیا اُسے اور تم دنیا کو اُس کی آنکھوں سے دیکھو گے۔"

"بکواس۔"

"میرے آئیڈیے کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک نہ کرو۔" گوتم بلبلا اٹھا۔ "ایسی سیاسی

شادیاں تو صدیوں سے ہوتی چلی آئی ہیں، خودتم نے دو کی ہیں۔''

''لیکن ایک ہندو بیوی؟ میں کٹر مسلمان، میرے عوام کیا سوچیں گے۔''

''مذاہب رُوحوں کے بَل بوتے پر چلا کرتے ہیں رامیر۔'' گوتم نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ''جسم اور جنس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ عورت مسلمان ہو یا ہندو، اللہ نے یا بھگوان نے اُس کی بناوٹ اور حُسن میں ذرا سا بھی فرق پیدا نہیں کیا۔ تم اُس سے اپنے مفاد کی شادی رچاؤ گے۔ تمھیں اس سے کیا غرض کہ اُس کی روح ہندو ہے یا مسلمان۔ تم وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کرنا۔ جہاں تک محبت اور مفاد اجازت دے، وہاں تک کا سفر طے کر لینا اور جونہی مذہب کی سرحد شُروع ہو لوٹ آنا۔''

''لیکن مَیں یہ سب نہیں کرسکتا۔'' رامیر نے اعلان کیا۔ ''مَیں ایک اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کو ہرگز ہرگز تیار نہیں۔ میں نے تمھیں اس لیے بلا بھیجا تھا کہ تم اپنی حکومت کو مجھے بھارتی اسلحہ فروخت کرنے پر رضامند کر سکو اور تم نے مجھے ایک ہندو ملکہ فروخت کرنی شروع کر دی۔''

''تمھیں دونوں چیزیں مل جائیں گی۔''

''کس طرح؟''

''دیکھو، ہندو لڑکی سے شادی کرنے کی صورت میں بھارتی حکومت اور عوام دونوں کے دِلوں میں تمہارے لیے پسندیدگی اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ باقی کام اُس لڑکی پر چھوڑ دو جو تمہاری بیوی بنے گی۔ لیکن یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمھیں ملکہ بھی ملے گی اور اسلحہ بھی۔۔۔''

اور پھر گوتم نے اپنے منصوبے پر کام شُروع کر دیا۔ اُس کی تحقیقات کے تمام ڈانڈے ایک ہی ہستی پر جا کر ملے۔ اور اُس ہستی کا نام تھا۔۔۔ شیتل کُلکرنی۔

اُسے اِس کے لیے کیا کیا پاپڑ نہ بیلنے پڑے یہ ایک علیحدہ کہانی تھی، جاں گداز اور جاں پرسوز لیکن بالآخر ڈاکٹر گوتم نیلامبر جیت ہی گیا۔ شیتل کلکرنی نے ہتھیار ڈال دیے اور اب پندرہ سال سے وہ بحریت کی ملکہ تھی۔

رامیر کو مطلوبہ اسلحہ بھی مل گیا تھا۔

کمرہ وال کلاک کے چمکتے ہوئے ڈائل کے سوا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ امیر قطر کی جانب سے تحفے میں دیا ہوا طلائی وال کلاک دن بھر میں چوبیس بار الارم بجا کر ملکہ کو بتاتا تھا کہ کیا وقت ہوا ہے اور اِس وقت اُس نے ملکہ کو آگاہ کیا تھا کہ صبح کے چھ بج گئے ہیں۔

ملکہ نے خمار میں ڈوبی آنکھوں سے کلاک کی طرف دیکھ کر وقت کی تصدیق کی، تو بہ شکن انگڑائی لی۔ دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں نے ایک دوسرے میں پیوست ہو کر کئی خوبصورت ساز بجائے اور ملکہ نے ہاتھ گرا کر دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

ریال کے پیراڈائز پیلس کے پُرتعیش بیڈ روم میں وسیع و عریض بیڈ پر وہ تنہا تھی جب کہ شاہ اُس وقت ہزاروں میل دُور لندن میں مصروف تھا۔

شادی کے پندرہ سالوں میں وہ کئی مرتبہ تنہا بیدار ہوئی تھی۔ اُس نے کئی تنہا اور سیاہ راتوں کے دکھ جھیلے تھے لیکن حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ آیا تھا کیونکہ اُس نے اور رامیر نے اپنے ذاتی اختلافات اور دُوریوں کو عوام اور بچّوں سے پوشیدہ رکھنے کا معاہدہ کیا تھا۔ برسرِ عام وہ اب بھی ایک خوش و خرم جوڑے کی حیثیت سے جانے جاتے تھے اور کوئی انہیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ محل کے نجی حصے میں جاتے ہی اُن کے راستے مختلف ہو جاتے ہوں گے۔

یہ دُوریاں پانچ سال قبل اُن کے تیسرے بچے، نریام نامی لڑکی کی پیدائش کے وقت سے شُروع ہوئی تھیں۔ یہ وہ موقع تھا جب شیتل نے پہلی مرتبہ اپنے شوہر کی بے وفائیوں اور دوسری لڑکیوں سے دوستی کی کہانیاں سُنی تھیں۔ شُروع میں وہ انہیں صرف افسانے سمجھی تھی چنانچہ اُس نے اپنی محبتوں اور وفاداریوں میں کوئی فرق نہیں آنے دیا لیکن جب سے سوئٹزرلینڈ میں عذرا کے ساتھ ایک مشکل آفریں لمحہ گزرا تو ملکہ کو یہ افسانے سچ تسلیم کرنے پڑے تھے۔

اروِن کپُور کے ساتھ خود اُس کا معاشقہ اُس وقت شروع ہوا تھا۔ جب نریام نرسری کی عمر تک پہنچی لیکن یہ بمبئی کی فلمی دنیا کی روایتوں کے عین مطابق کوئی انتقامی عمل نہ تھا بلکہ یہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہوا تھا اور اب چار سال ہو گئے کہ اروِن کپُور، بحریت کی ملکہ شیتل رامیر کا باقاعدہ محبوب تھا۔

ابھی بھی اروِن کپُور ذرا دیر پہلے ہی ملکہ کے پاس سے روانہ ہوا تھا لیکن کمرے کے در و دیوار ملکہ کے بچوں کے ٹیوٹر کی یہاں طویل موجودگی کی گواہی دے رہے تھے۔

یہ اُس وقت شروع ہوا جب ولی عہد شہزادہ کریم دس برس کا تھا۔ قطر کے دورے پر جاتے ہوئے رامیر اور شیتل، شہزادہ کریم اور دوسرے بچوں کو آیاؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تھے۔ امیر قطر کے مہمان کی حیثیت سے ان کی ملاقاتیں خلیج کے طاقت ور رہنماؤں سے ہوتیں جن میں اُس وقت، ایران کے بادشاہ شاہ محمد رضا پہلوی اور ملکہ فرح دیبا بھی شامل تھے۔ ملکہ فرح کے ساتھ اُس کی گاڑھی چھنتی تھی۔ اور جب جب مرد حضرات اجلاسوں میں شریک ہوتے، ملکہ فرح اور ملکہ شیتل، امیر قطر کے ائرکنڈیشنڈ سوئمنگ پول کے کنارے کُرسیاں ڈالے بات چیت میں مصروف رہتیں۔ مُوڈ ہوتا تو کبھی کبھار پیرا کی بھی ہو جاتی۔ ورنہ عموماً دُنیا جہان کے موضوعات پر ہلکی پُھلکی گفتگو ہی رہتی۔

ایک روز اس ہلکی پُھلکی بات چیت میں بچّوں کی تربیت کا معاملہ بھی زیرِ بحث آ گیا۔

"مَیں اور میرے شوہر چاہتے ہیں کہ ہم اپنے بچّوں کو تہران کے بہترین اسکولوں میں بھجوائیں۔" ملکہ فرح پہلوی نے ملکہ شیتل کو بتایا۔ "لیکن یہ ناممکن ہے۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ محل سے متصل اسکول ہاؤس قائم کریں جس میں ہمارے بچّوں کے ساتھ دوسروں کے بچّے پڑھیں۔"

"کن کے بچّے؟" ملکہ شیتل پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"بہت سے منتخب بچّے۔" ملکہ فرح نے جواب دیا۔ "بڑے بڑے تاجروں، صنعت کاروں، ماہرینِ تعمیرات، فوجی افسران اور سفارتی نمائندوں کے بچّے۔"

ملکہ شیتل کو یہ تجویز اس قدر بھائی کہ اُس نے واپس ریال پہنچنے کا انتظار بھی نہ کیا۔ بحریت ائرویز کے شاہی بوئنگ میں جب اُسے شاہ رامیر کے ساتھ تنہائی نصیب ہوئی تو اُس

نے فوراً ملکہ فرح کی تجویز اُس کے سامنے رکھ دی۔

پہلے تو شاہ نے کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن ملکہ کا اصرار جب حد سے بڑھا تو اسے ہاں کرتے ہی بنی۔ ملکہ کو اس کے لیے خاصے دلائل دینے پڑے تھے۔

''مَیں بھارتی ہوں، لیکن میں بحریت سے محبت کرتی ہوں۔'' شیتل نے شاہ کو بتایا۔ ''مگر اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ میرے بچّے، میرے وطن کے بارے میں بھی کچھ جانیں۔ مَیں اس بات پر اصرار کروں گی کہ اُن کی تعلیم کسی بھارتی کی زیرِ نگرانی ہو۔''

شاہ خاموشی سے ملکہ کی بات کی گہرائی ناپنے کی کوشش کرتا رہا۔ ''ٹھیک ہے مَیں گوتم سے بات کروں گا۔'' بالآخر شاہ نے جواب دیا۔

''پھر گوتم؟'' ملکہ چلّا اٹھی۔ ''وہ جہنّم کا باسی اِس سلسلے میں کیا کر سکتا ہے؟''

''کیا اُس سے بہتر کوئی شخص تمہاری نظر میں ہے؟ وہ بھارت کو تم سے یا مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔'' شاہ نے ملکہ کو سمجھایا۔ ''وہ ہمیں کوئی بہتر آدمی تلاش کر دے گا۔''

اور ڈاکٹر گوتم نیلامبر نے ایسا ہی کیا۔ اُس نے بہت سے امیدواروں میں سے ایک امیدوار کو ریال بھجوایا، جس کا نام تھا ارون کپور۔

OO

ریشمیں بستر پر آنکھیں موندے دراز ریشمی ملکہ نے کروٹ لی اور وہ دن یاد کرنے لگی جب سنہرے شیر والے کمرے میں پہلی باراُس کی مُلاقات ارون سے ہوئی تھی۔ ارون جونہی دروازے سے گزر کر شاہی جوڑے کی طرف بڑھا اُسی وقت ملکہ اُسے دل دے بیٹھی تھی۔ ذہن میں وہ بار بار ڈاکٹر گوتم نیلامبر کی فراہم کردہ معلومات دُہرا رہی تھی جو اُس نے امیدوار کے بارے میں فراہم کی تھیں۔

نام، ارون کپور، پیدائش لکھنؤ۔ بچپن سے ہی انگریزی میں تعلیم حاصل کی۔ عمر چھتیس سال۔ باپ یو پی کا معروف سرجن۔ ارون کی تربیت ہی بطور ماہر تعلیم ہوئی تھی۔ دو سال اُس نے بھارتی آرمی ایجوکیشن کور میں بطور کیپٹن گزارے۔ دہلی اور کلکتہ میں کئی پرائیویٹ انگریزی اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل کی حیثیت سے کام کر چکا تھا۔

نجی زندگی! دس سال پہلے بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ سابقہ بیوی جیہ نے طلاق کے بعد ایک بیٹے کو جنم دیا۔ شادی سے پہلے، بعد میں اور شادی شدہ ہونے کے دوران بے شمار معاشقے، اس وقت کوئی لڑکی زندگی میں نہ تھی۔ بیرونِ ملک ملازمت کا خواہاں۔ خاص طور پر بچوں کے تعلیمی شعبے میں۔ صرف ایک بات بے حد ضروری تھی، سال میں ایک بار امریکہ کا دورہ، جہاں وہ اپنے بیٹے کے ساتھ چھٹیاں گزارتا تھا۔ باقی وقت وہ شاہی جوڑے اور بچوں کی خدمت کرتا۔

جُوں جُوں ارون نزدیک آتا گیا، ملکہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی۔ اپنی نشست سے اُٹھے بغیر شاہ رامیر نے ارون سے اپنی بیوی کا تعارف کرایا اور میز کی دوسری جانب پڑی واحد کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ارون شُکریہ ادا کرتے ہوئے باادب بیٹھ گیا۔

انگلیاں چٹخاتے ہوئے رامیر نے انٹرویو شُروع کیا۔

''لکھنؤ میں پیدا ہوئے؟''

ارون نے اثبات میں سَر ہلایا۔ پھر رامیر سوال کرتا گیا اور ارون جواب دیتا گیا۔ اس دوران شیتل بڑے غور سے اُس کی صُورت اور اُس کے انداز و اطوار کا جائزہ لیتی رہی۔ جس طرح ارون نے رامیر کی باتوں کے سیدھے سادے جواب دیے، پہلے کسی نے یہ جرأت کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

''ٹھیک ہے مسٹر ارون، انٹرویو ختم ہوا۔'' بالآخر رامیر کی آواز سنائی دی۔ ''بچّوں کو آپ کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔ جتنی جلد ہو سکا، اسکول کا آغاز ہو جائے گا آپ باقاعدگی سے ملکہ کو رپورٹ دیا کریں گے۔''

ارون نے اُٹھ کر آداب کیا اور اجازت لے کر باہر چلا گیا۔ ملکہ کی نگاہوں نے دروازے تک ارون کا ساتھ دیا تھا۔

''مَیں اِس شخص پر اعتماد نہیں کر سکا۔'' رامیر نے دروازہ بند ہونے کے بعد شیتل کو مخاطب کیا۔

''گو تم تو کرتا ہے۔'' ملکہ نے شرارت سے آنکھیں نچائیں اور رامیر اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا۔

OO

ارون بھی اُس کی زندگی میں یونہی داخل ہوا تھا جیسے رامیر اور انیل داخل ہوئے تھے لیکن اس بار وہ نسبتاً زیادہ محتاط تھی۔ اسکول میں کام کے وقت اُس نے ارون سے مناسب فاصلہ رکھا اور ایک ملکہ کا سا رویہّ ظاہر کیا۔ وہ دوسری جانب سے پیش رفت چاہتی تھی لیکن مایوس کُن صورتِ حال یہ تھی کہ ارون نے اپنے جذبات کا اظہار کبھی نہ کیا۔ البتہ پوچھنے پر وہ ملکہ کو ریاں کی ''فارنرز کالونی'' میں مقیم غیر مُلکی لڑکیوں سے اپنے عشق کی داستانیں چٹخارے لے لے کر سُناتا۔ ملکہ کے ساتھ بچّوں کی پڑھائی کا ٹائم ٹیبل بناتے ہوئے وہ ایک باوقار فاصلہ رکھتا لیکن جُوں جُوں وقت گزرتا گیا ملکہ کو اُس کی آنکھوں میں اپنے لیے نرمی کے آثار پیدا ہوتے نظر آنے لگے۔ پھر وہ ملکہ پر توجہّ دینے لگا اور یہی تو ملکہ چاہتی تھی۔

ایک صبح ملکہ اپنے ارادوں میں کامیاب بھی ہوگئی۔ دونوں اب صبح سویرے محل کے قریبی جنگل میں گھڑ سواری کے عادی ہوگئے تھے کیونکہ اسی وقت وہ بچوں کی دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے تھے۔

''ارون۔'' واپس محل کے دروازے پر پہنچ کر شیتل نے اُسے مخاطب کیا۔ ''ناشتے کے بعد مجھ سے میرے اپارٹمنٹ میں ملو میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں جسے تم یقیناً پسند کرو گے۔''

اور جو تحفہ شیتل نے اُسے پیش کیا وہ بھگوان کو بھی دیا جاتا تو کبھی انکار نہ کرتا۔

''مَیں اب آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' ملکہ نے جمائی لیتے ہوئے ارون کپوُر کو بتایا۔

''گستاخی معاف، ملکہ مَیں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔'' ارون نے بصد ادب جواب دیا۔

''بولو؟''

''شاہ کے ساتھ آپ کی محبت کا آغاز کیسے ہوا؟''

''پھر کبھی۔'' اُس نے دوبارہ جمائی لی۔ ''اب میں سونا چاہتی ہوں۔''

''جو ملکہ کی خوشی۔'' ارون نے جواب دیا۔۔۔

لیکن ملکہ سونہ سکی۔ ارون نے اُس کے ماضی کے زخم تازہ کر دیے تھے۔ اُسے گزرے ہوئے لمحے ایک ایک کر کے یاد آنے لگے تھے۔۔۔

OO

انیل کمار کے ساتھ تعلقات ختم ہو جانے کے بعد وہ سلمٰی سمیت کسی کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی حالانکہ سلمٰی اُس کی واحد اور بہترین دوست تھی۔ اُس نے اپنی لمبی مرسیڈیز نکالی۔ ضرورت کے چند جوڑے اور سامان ڈکی میں بھرا اور تن تنہا شمال کی جانب چل دی۔ اُس نے شملہ جا کر سانس لی تھی۔

کئی دن تو سکون میں گزرے لیکن پھر ایک روز سلمٰی کا فون آ گیا۔

''کیسی ہو، شیتل؟'' سلمٰی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''گڑھوں میں گری ہوئی۔''

''اب بھی اُسی اداکار کے بارے۔۔۔''

''پلیز، سلمٰی، اُس کا نام نہ لو۔۔۔ یہ بتاؤ کیسے فون کیا؟''

''میرے پاس تمہارے لیے کچھ خبریں ہیں۔''

''کیا تم پارلیمنٹ کی رکن منتخب ہو گئی ہو؟''

''خبریں تمہارے بارے میں ہیں۔''

''اور میں خودکشی کے لیے شملہ کی سب سے اونچی پہاڑی پر چھلانگ لگانے کھڑی ہوں۔''

''بے شک کر لینا لیکن ڈاکٹر گوتم نیلامبر سے ملنے کے بعد۔''

''وہ ویسٹرن پلے بوائے؟'' شیتل نے سوالیہ انداز میں کہا۔ ''میں اس سے یا کسی اور سے نہیں ملنا چاہتی۔''

''گوتم کو اپنے لیے تم سے ڈیٹ نہیں چاہیے۔ وہ کسی بہت ہی اہم آدمی کا نمائندہ بن کر بات کرے گا۔''

''کیا وہ اب بھی وزیرِاعظم کا مشیر ہے؟''

''ہاں۔'' سلمیٰ نے جواب دیا۔ ''مسٹر آدی نارائن نے مجھے بتایا ہے کہ وہ کسی ایسی ہستی کا نمائندہ ہے جو ہماری وزیراعظم سے زیادہ اہم ہے۔۔۔اور جو تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔۔۔کنوارہ ہے۔۔۔اور تم سے ملنا چاہتا ہے۔۔۔وہ۔۔۔''

''بند کرو یہ بکواس۔'' شیتل نے اپنی بہترین سہیلی کو پیار بھرے انداز میں ڈانٹا۔ ''میں جا رہی ہوں۔''

''کیا خودکشی کرنے؟'' سلمیٰ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

لیکن بات چیت کے آخر میں سلمیٰ جیت گئی تھی۔ شیتل نے جمعرات کی شب نو بجے ڈاکٹر گوتم نیلا امبر سے ملنے کی حامی بھر لی تھی۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بدھ کی رات تک واپس بمبئی پہنچ جائے گی۔

جمعرات کو ٹھیک نو بجے گوتم نے تنہائی میں شیتل سے ملاقات کی۔ دو سیکرٹ ایجنٹ اس کے ہمراہ تھے جو دہلی سے اُس کے ساتھ آئے تھے لیکن گوتم نے انہیں باہر ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور شیتل کو ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔ سلمیٰ دوسرے کمرے میں ہی رک گئی تھی۔

وہاں، گوتم نے اسے بتایا کہ وہ بحریت کے شاہ رامیر کی نمائندگی کر رہا ہے۔ شیتل، رامیر کے بارے میں جانتی تھی کیونکہ وہ ایسی عالمی شخصیت تھا جس کی تصاویر آئے دن ٹی وی اور اخبارات کی زینت بنتی رہتی تھیں۔

''میں شاہ رامیر کی معزز مہمان کی حیثیت سے آپ کو پیرس کے پندرہ روزہ دورے کی دعوت دیتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔'' گوتم نے محتاط انداز میں کہا۔ ''وہ اپنے نیولی کے محل میں مقیم ہیں۔ آپ کی رہائش کا انتظام ہوٹل میں ہے۔ شاہ آپ کی آمد کے اگلے روز ایک ڈنر کا اہتمام کر رہے ہیں۔ وہاں دوسرے مہمان بھی ہوں گے لیکن یہ علم نہیں کہ کون کون؟ آپ جس طرح چاہیں لطف اندوز ہو سکتی ہیں۔''

گوتم بغیر فُل اسٹاپ، کومے کے گفتگو کر رہا تھا اور اس نے شیتل کے ردِعمل کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔

''میں چارلس ڈی گال ائرپورٹ پر آپ کا منتظر رہوں گا۔ ہوٹل پلازہ ایتھنز میں آپ کے لیے وی آئی پی سوئٹ بُک ہے۔ ایک کار معہ باوردی ڈرائیور آپ کی صوابدید پر ہوگی۔

آپ جب تک چاہیں، پیرس میں ٹھہر سکتی ہیں۔ اپنے لیے شام کے چند گاؤن اور کچھ عام پہننے کے کپڑے ساتھ لے جایئے گا باقی کسی شے کی ضرورت ہوگی تو ڈائر کی جانب سے بھجوا دی جائے گی۔''

''میں اپنی ایک سہیلی کو ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔'' شیتل کو اپنی آواز اجنبی سی لگی کیونکہ اب تک اس نے دعوت قبول نہ کی تھی۔

''میرا خیال ہے، آپ دوسرے کمرے میں موجود نوجوان لڑکی کے بارے میں بات کر رہی ہیں؟''

''سلمٰی میری واحد اور عزیز ترین دوست ہے۔'' شیتل نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔'' گوتم نے جواب دیا۔ اُس نے جھک کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چلا گیا۔

دو ہفتے بعد شیتل، سلمٰی کے ہمراہ پیرس میں اتری۔ ائر پورٹ پر اُن سے وی آئی پی مہمانوں کا سلوک ہوا اور اُن سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہوئی۔ ڈاکٹر گوتم، چار لیموزین کاروں کے ہمراہ اس کے استقبال کو آیا تھا۔

ہوٹل کے وی آئی پی سوئٹ میں انہیں دو طلائی پرس ملے جو شاہ رامیر نے ان کے لیے بھجوائے تھے۔ یہ دونوں کے لیے شاہ کا پہلا تحفہ تھا۔ جن پر ''خوش آمدید۔ رامیر'' کندہ تھا۔

ڈنر اگلی شب تھا۔ سلمٰی اپنی زندگی میں پہلی بار بھارت سے باہر نکلی تھی اس لیے وہ شیتل کی اتنی احسان مند تھی کہ جب اُسے خبر ملی کہ وہ رامیر کے ڈنر میں نہیں جائے گی تو اس نے بالکل بُرا نہ منایا بلکہ اس نے ڈنر پر جانے کے لیے خود شیتل کو اپنے ہاتھوں تیار کیا تھا۔

باوردی ڈرائیور، شیتل کو رامیر کے محل لے گیا جو پیرس کے انتہائی فیشن ایبل علاقے میں درختوں کے بیچوں بیچ واقع تھا۔ اندرونی رہائش قابل دید تھی۔ چاروں طرف ہیروں کے فانوس، سنگِ مَرمَر کے فرش، ایرانی قالین اور چینی کے ظروف بکھرے ہوئے تھے۔ محل کی زیبائش دیکھ کر شیتل کو بے اختیار فلم ''جہانگیر'' یاد آ گئی جسے دنیا کی چند مہنگی ترین فلموں میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل تھا اُس کے سیٹ اور ملبوسات قیمتی ترین تھے۔ شیتل نے اس میں ملکہ نور جہاں کا کردار ادا کیا تھا۔

ایک بٹلر نے آگے بڑھ کر شیتل کا سفید منک کوٹ تھام لیا جب کہ دوسرا اسے بالائی منزل پر لے گیا۔ اِنتہائی نفاست سے سجے ہوئے کمرے میں درجن بھر افراد جمع تھے۔ رامیر ایک چھوٹے سے گروپ سے الگ ہو کر شیتل کی طرف بڑھا۔

وہ خاصا حسین اور جاذب نظر تھا۔ عمر 35 سال قد اس کی توقع سے زیادہ تھا۔ اُس کا چہرہ جانا پہچانا دکھائی دیتا تھا کیونکہ شیتل اُسے بہت مرتبہ ٹی وی پر اور اخبارات میں دیکھ چکی تھی۔ لیکن اُس کا اصل حُسن اب تک کوئی پیش نہ کر پایا تھا۔ سیاہ رنگ کی آنکھیں اور نرم جلد، جس میں ہلکی سی کافی گھلی لگتی تھی، کھڑی ناک، ابھرے رخسار، بھرے بھرے گال، مضبوط بدن۔ شیتل نے نظر بھر کر اُس کا جائزہ لیا اور پھر خود ہی فیصلہ دے دیا۔۔۔ پریس والے غلط کہتے ہیں، رامیر بدصورت یا عفریت نما نہیں ہوسکتا لیکن پھر فوراً ہی دوسری سوچ نے غلبہ پا لیا۔ چند ہفتے پہلے ہی تو اس نے کبھی بُھول کر بھی مردوں کا نام نہ لینے کا عہد کیا تھا۔

گوتم نے دونوں کا تعارف کرایا اور رامیر نے جھک کر اس کا دایاں ہاتھ تھاما، اُس کی مخروطی انگلیوں کو ہونٹوں کے لمس سے آشنا کیا اور آمد پر اُس کا شکریہ ادا کیا۔

گوتم دوسرے مہمانوں میں گُم ہو گیا اور رامیر شیتل کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ گیا۔ سب سے پہلے رامیر نے اُسے اپنی والدہ سے متعارف کرایا۔ وہ بارعب خاتون واقعی کسی ملک کی ملکہ لگتی تھیں۔ رامیر کی بڑی بہن عذرا بھی وہاں موجود تھی وہ حال ہی میں پلاسٹک سرجری کروا کر امریکہ سے لوٹی تھی۔ اور اس وقت اپنے نوجوان محبوب ایلڈو کے ساتھ تھی۔ اخبارات میں شیتل نے پڑھا تھا کہ عذرا کی شادی ایک افریقی شہزادے سے ہوئی تھی لیکن یہ بندھن جلد ہی طلاق پر منتج ہوا۔ عذرا کے بعد رامیر نے دوسرے مہمانوں سے اُس کا تعارف کرایا جو اُس کے اسٹاف ممبرز اور اُن کی بیویاں تھیں۔

کھانے کے دوران وہ رامیر کے دائیں اور اُس کی والدہ بائیں جانب بیٹھیں۔ میز پر موجود تمام لوگ شیتل کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ نیلام کی میز پر رکھی کوئی بے جان شے ہو۔ رامیر کھانے کے دوران وقفے وقفے سے اُس کے کان میں سرگوشیاں کرتا رہا۔ اس نے بمبئی میں گوتم کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی کہ ہندی نہ سمجھنے کے باوجود اُس نے شیتل کی تمام فلمیں کئی کئی مرتبہ دیکھی ہیں۔ شیتل سر ہلانے کے سوا کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

ہوٹل پلازہ واپس آتے ہوئے گوتم نے شیتل کے ہاتھ پر تھپکی دی۔ ''آپ میرے دوست کی آخری اُمّید ہیں مِس۔''

''آپ کے دوست کو مجھ سے کیا اُمّیدیں ہیں دادا جان؟'' شیتل نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''برا ماننے کی ضرورت نہیں مس شیتل، رامیر دُنیا کا مستند اور امیر ترین کنوارہ ہے، اور آپ نے اُسے خوش کر دیا ہے۔''

''مَیں بھی کوئی کوئلے بیچنے والی نہیں مسٹر گو۔۔۔ تم۔'' شیتل نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ بھول گئے ہیں تو میں آپ کو یاد دلا دوں کہ پوری دُنیا میں نہ سہی لیکن کم از کم ایشیا میں، مَیں سب سے زیادہ چاہی جانے والی لڑکی ہوں۔''

''بے شک۔'' گوتم نے فوراً تائید کی۔ ''اس لیے تو کہتا ہوں کہ جوڑی خوب جچے گی۔''

''ادھر دیکھو گنجے کیوپڈ۔'' شیتل اُس کا کوئی لحاظ کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ ''مجھے تمہارے یا تمہارے دوست کے لیے نہیں بھیجا گیا۔''

''ہزار بار معذرت مس شیتل۔'' گوتم کا لہجہ کچھ اور نرم ہوگیا۔ ''میں آپ کے اور اپنے دوست کے درمیان کسی باعزّت رشتے کی بات کر رہا تھا۔ ہمیں لازمی طور پر اپنے آئندہ منصوبے ترتیب دینے ہوں گے۔''

''کیا دینے ہوں گے۔۔۔؟ تم میری توہین کر رہے ہو، بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا اسکول میٹ۔''

''وہ ایک ملک کا بادشاہ ہے۔ کسی کے بارے میں اس طرح بات نہیں کی جاتی۔''

''تو پھر میں اپنا تام جھام اٹھا کر گھر واپس جا رہی ہوں۔''

''آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ میری بات سنیں مِس شی۔۔''

''تم میری بات سنو۔'' شیتل نے اُسے ٹوک دیا۔ ''اگر ہم دونوں کے درمیان کوئی رشتہ استوار ہونے والا بھی ہے تو کیا تم ہمیں بیڈ روم کے دروازے تک پہنچا کر رخصت ہو گے؟''

گوتم کو اب اپنی عزّت خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ بھارت کی

نرم و نازک ٹاپ اسٹار اس قدر مُنہ پھٹ بھی ہو گی۔

''ٹھیک ہے شاہ آپ کو کل صبح خود فون کر لیں گے۔'' گوتم کا لہجہ اور انداز بدلا ہوا تھا۔

''اپنے شاہ کو بتا دینا کہ میں دو پہر تک سوتی ہوں۔''

گوتم نے مزید بولنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن محض ہوا نگل کر رہ گیا۔ مزید بے عزّتی کروانے کے بجائے اُس نے خاموش رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ہوٹل پہنچتے ہی سلمٰی نے اُسے گھیر لیا۔ اُس نے سانس لیے بغیر اسی پر تابڑ توڑ سوالات کیے تھے۔

''شاہ کو ولی عہد کی پیدائش کے لیے ملکہ کی ضرورت ہے۔'' شیتل نے ایک ہی جملے میں اس کے تمام سوالوں کا جواب دے دیا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے، شادی؟'' سلمٰی نے خوشی سے بے قابو ہو کر پوچھا لیکن فوراً ہی اس کا سارا جوش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ''اور اگر تم ولی عہد پیدا نہ کر سکیں تو تمہیں استعمال شُدہ نیپکن کی طرح کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے گا؟ کیا تم اسے ولی عہد کی منی بیک گارنٹی دو گی؟''

شیتل کے ہونٹوں پر زخمی مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

''میں چار بار ماں بننے کی سعادت سے محروم ہو چکی ہوں۔'' شیتل نے انکشاف کیا۔ ''لیکن اُس وقت میں اپنے کیریئر کے عروج پر تھی اور ماں بننے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی مگر اب بات دوسری ہو گی۔ میرے تین بھائی ہیں۔ بھگوان نے ان تینوں کو بیٹوں سے نوازا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ میں بھی بیٹوں کی ماں ضرور بنوں گی۔۔۔ لیکن ابھی تو شاہ نے مجھے شادی کی کوئی پیش کش نہیں کی۔''

اگلے روز دو پہر کو شاہ نے اُسے فون کیا۔ ایک گھنٹے بعد شیتل اُس کے محل کے سامنے موجود تھی۔ شاہ اپنی جیگوار میں تنہا اُس کا منتظر تھا۔ اس نے بتایا کہ گوتم اور خاندان کے دوسرے افراد واپس جا چکے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد دونوں لانگ ڈرائیو پر روانہ ہو گئے۔ شیتل کو یقین تھا کہ شاہ کے باڈی گارڈ ارد گرد ضرور موجود ہوں گے لیکن کوشش کے باوجود کسی شخص کو دیکھ نہیں پائی۔

دو دن وہ پیرس کے گردونواح میں گھومتے رہے۔ تیسرے روز ڈنر انہوں نے پیرس کے مشہور ترین لا ہوٹل میں کیا اور اس کے بعد شاہ معمول کے مطابق شیتل کو ہوٹل پلازہ چھوڑنے کے بجائے اپنے محل لے گیا۔ شیتل نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔

اُسی شب رامیر نے اُسے شادی کی پیش کش کی جسے شیتل نے جُملہ مکمّل ہونے سے پہلے ہی قبول کر لیا۔

ناشتا انہوں نے شادی کی منصوبہ بندی کے دوران کیا۔

''ڈاکٹر گوتم انتظامات کرے گا۔'' رامیر نے بات شروع کی لیکن جب اُس نے شیتل کے چہرے پر تناؤ محسوس کیا تو کرسی اُس کے نزدیک کھینچ لی۔ ''مائی ڈارلنگ'' اس نے پیار سے شیتل کے گال تھپتھپائے۔ ''ہم چار دیواری میں دُنیا کے دوسرے جوڑوں سے مختلف نہیں ہیں لیکن عوام کے سامنے ہمارے چہرے مختلف ہیں، میرے ملک کے لوگوں کے لیے، جواب تمہارے بھی ہوں گے، شادی اسی طرح کرنا ہوگی جس کی وہ کسی حکمران سے توقع کر سکتے ہیں۔ ان چیزوں میں گوتم ماہر ہے۔ وہ میرا دوست ہے اور یقیناً تمہارا بھی اچھا دوست ثابت ہوگا۔ میری پیاری شیتل! میری مجبوری ہے کہ میں خاموشی سے شادی نہیں کر سکتا جب ایک اسلامی ملک کا سربراہ شادی کرتا ہے تو بہت سی رسومات ادا کرنی ہوتی ہیں۔ ابھی تو تمہیں مسلمان کیے جانے کا مرحلہ۔۔۔''

''میرے کس کا مرحلہ!'' شیتل نے چونک کر پوچھا۔

''میری دلہن کو بہر صورت مسلمان ہونا چاہیے۔ اپنے عوام سے یہ میرا وعدہ ہے۔''

''لیکن میں تو مسلمان نہیں۔ بلکہ ہندو ہوں۔''

''کوئی مسئلہ نہیں، ایک مولانا صاحب تمہاری تربیت کریں گے پھر تمہیں مسلمان کیے جانے کی ایک سادہ سی تقریب ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ بحریت کے کُھلے دل و دماغ کے لوگ بھارت کی مسلمان دلہن کو بطور ملکہ قبول کر لیں گے۔''

''لیکن میرا نام؟''

''شیتل گلکرنی کے بجائے شیتل رامیر ہو جائے گا۔''

''آپ کا کیا خیال ہے کہ شیتل گلکرنی بس یہی ہے؟'' اُس نے نظریں جھکا کر دریافت

کیا۔ ''کیا آپ مجھے صرف فلموں اور رسالوں کی حد تک جانتے ہیں؟ مجھ سے میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گے؟''

''نہیں۔'' رامیر نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''میری شیتل! مجھے تمہارے بارے میں ایک ایک بات کی خبر ہے۔ تمہارے ٹیکسی ڈرائیور باپ، تمہاری والدہ کی خودکشی۔ تمہاری دہلی کی زندگی، بمبئی اسکول کی کارگزاریاں۔ حتیٰ کہ ماں نہ بن سکنے کے تمام واقعات میرے علم میں ہیں۔

''سب کچھ!'' شیتل نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، انیل کمار کے ساتھ تمہاری محبت کا شاخسانہ بھی میرے علم میں ہے۔'' شاہ نے اس کے سر کے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میں ان سب باتوں کے باوجود تمہاری پرستش کرتا ہوں، تم زمانے کے لیے کچھ بھی سہی، میرے لیے دیوی ہو۔''

''میں شادی سے پہلے فادر فلین سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''میں گوتم سے کہہ کر انتظام کروادوں گا۔''

''پھر گوتم۔۔۔؟'' شیتل نے ابرو چڑھائے تو رامیر نے کھینچ کر اُسے اپنے قریب کر لیا۔

سلمیٰ کو یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی کہ شیتل اپنا مذہب تبدیل کر رہی ہے۔ اُس نے دبے الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ اُسے، شیتل کے ملکہ بننے سے زیادہ اس کے مسلمان ہونے کی خبر پسند آئی ہے۔

پیرس سے دونوں بحریت ائرویز کے خصوصی شاہی طیارے سے دہلی پہنچیں اور اپنی آمد کے فوری بعد شیتل فادر فلین سے ملنے سری نگر روانہ ہوگئی۔ فادر فلین ایک کیتھولک پادری تھا اور خود شیتل کو اس بات پر حیرت تھی کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرنے کے لیے کسی ہندو سادھو سے اجازت لینے کے بجائے ایک ایسے شخص کے پاس جارہی ہے جو پہلے ہی اس کا ہم مذہب نہیں تھا، لیکن پھر اس نے اس خیال کو خود ہی مسترد کر دیا کیونکہ وہ فادر فلین سے ملنے مذہب کی ڈور میں بندھ کر نہیں بلکہ انسانیت کی ڈور میں بندھ کر جارہی تھی۔

فادر فلین نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اسے ملکہ بننے کی پیشگی مبارکباد دی۔ لیکن

جب وہ مطمئن مطمئن بمبئی پہنچی تو آدی نارائن ایک نئی خبر کے ساتھ اُس کا منتظر تھا۔ بقول اس کے، اپنے معاہدے کے تحت شیتل، آکاش اسٹوڈیوز کے لیے مزید دو فلمیں مکمل کرانے کی پابند تھی۔ آکاش کے مالکان کے وکلاء کا اصرار تھا کہ وہ ہر حال میں فلمیں مکمل کروائے کیونکہ اس وقت شیتل سونے کی کان تھی۔ آدی نارائن نے اُن کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی کہ سارے شاخسانے کی جڑ ڈاکٹر گوتم نیلامبر ہے اور اگر شیتل کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی ہوئی تو آکاش کی کسی فلم کو بھارت میں نمائش کا سرٹیفکیٹ تک نہ ملے گا چنانچہ وکلاء نے شیتل کو معاہدے کی پابندی سے آزاد کر دیا اور بین الاقوامی تعلقات کی خیر سگالی کے تحت اس آزادی کو اس کی شادی کا تحفہ قرار دیا۔

جُوہو میں اپنے بنگلے پر انیل کمار کا ایک خط بھی شیتل کے نام موجود تھا جو فرانس کے کسی مقام سے ارسال کیا گیا تھا۔ شیتل نے بند لفافہ سلمٰی کے حوالے کر دیا اور اس نے اسے اسی طرح پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

شیتل کو بمبئی میں اپنے معاملات نمٹانے میں کئی ہفتے لگ گئے۔ اس عرصے میں رامیر روزانہ درجنوں بار فون کرتا رہا۔ شادی کا معاملہ ہنوز خُفیہ تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس کا اعلان ریالِ کے شاہی دربار اور بمبئی سے نارائن کے دفتر سے بیک وقت ہو۔

اور جب یہ خبر ریلیز ہوئی تو جیسے پورے بھارت میں زلزلہ آ گیا۔ شیتل کے لاکھوں مداحوں نے اپنے اپنے طور پر جشن منائے اور ہزاروں دھاڑیں مار مار کر رو دیے۔ اخباری نمائندے شہد کی مکھیوں کی طرح شیتل سے چمٹ گئے۔ ہر جگہ اس کا تعاقب ہونے لگا۔ غیر ملکی صحافی بھی اس صف میں شامل ہو گئے کیونکہ یہ خبر دنیا بھر کے لیے یکساں اہم تھی۔ شیتل جب بمبئی سے رامیر کے خصوصی طیارے میں پیرس کے چارلس ڈی گال ائرپورٹ پہنچی تو سینکڑوں کیمرے اس کے منتظر تھے۔ جب رامیر کے ساتھ کرسٹائن ڈائر کی سیلون پر گئی، جہاں رامیر نے اُس کے لیے ایک سو سے زائد ملبوسات خریدے تو بھی اخباری نمائندے اُس کے تعاقب میں تھے۔ اپنے عروسی جوڑے کی خریداری البتہ شیتل نے انتہائی رازدارانہ طریقے سے کی اور اخباری نمائندے تو کُجا رامیر بھی اُس کے ہمراہ نہ تھا۔

ریال میں پہلے اُس کی ابتدائی تربیت ہوئی۔ اُس کے مسلمان ہونے کی تقریب محل کی

مسجد میں انجام پائی۔

اگلے روز شادی کی تقریب ہوئی جو بحریت کے لوگوں کو صدیوں یاد رہتی۔ شاہی شادی میں سربراہانِ مملکت اور دنیا بھر سے آئے ہوئے معزز مہمانوں نے شرکت کی، نو بیاہتا جوڑے نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اور ہونٹوں پر مسکراہٹوں کے پھول سجا کر سینکڑوں تصویریں بنوائیں۔ رائٹر نے باقاعدہ ایک عالمی سروے کیا۔ صرف مارلین منرو، جیکی اوناسس اور ماؤ، شاہی جوڑے سے آگے تھے لیکن شیتل کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ تو رامیر کے ساتھ خوش وخرم شادی شدہ زندگی کی خواہاں تھی۔

ہنی مون انہوں نے کیپیین میں شاہی بجرے پر منایا اور جب شیتل ریال لوٹی تو وہ ماں بننے والی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اب اس کے راستوں میں، اُس کے مستقبل میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

OO

ملکہ نے آنکھیں بند کیے کیے ہاتھ بڑھا کر وہ بٹن دبایا جو ناریت کے لیے اشارہ تھا کہ اس کا ناشتا لے آئے۔ ہاتھ واپس چہرے پر آنے کے بجائے اس تکیے پر پڑا جہاں کچھ دیر پہلے تک ارون کپوُر کا سر موجود تھا مگر اب وہاں اس کی خوشبو کے سوا کچھ نہ تھا۔

ناریت مسلے ہوئے تکیے اور شکن آلود چادر کو دیکھ کر سب کچھ سمجھ جاتی اور ایسا ہی ہوا۔ اس نے ذو معنی مسکراہٹ سے ملکہ کو دیکھا اور ناشتا سائیڈ ٹیبل پر سجا دیا۔ ملکہ نے ناریت کی مسکراہٹ کا جواب اپنے ہونٹوں پر مُسکان سجا کر دیا تھا۔

ناریت ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جس نے شیتل سے پہلے آنے والی دونوں ملکاؤں کی خدمت کی تھی۔ وہ عموماً بیڈروم کے باہر موجود رہتی لیکن اس نے کبھی رات کے وقت اٹھنے والی صداؤں اور سسکاریوں کی بابت اپنے دوسرے کان کو خبر تک نہ ہونے دی تھی۔ اس لیے کہ وہ شیتل کی وفادار تھی۔ وہ پورے محل کی واحد ہستی تھی جسے ارون کپوُر کے ملکہ کی خواب گاہ میں موجود ہونے کے دوران اندر آنے کی اجازت تھی۔

شیتل اور ارون کپوُر کا شاخسانہ جو صبح کی گھڑسواری سے شروع ہوا تھا اب پورے دن اور رات پر محیط ہو گیا تھا۔ کسی بھی لمحے ارون کپوُر ایک ہاتھ میں کتابوں اور پروگریس رپورٹوں کے بنڈل اور دوسرے ہاتھ میں بریف کیس تھامے آزادانہ طور پر ملکہ کے کمرۂ خاص میں آ جاتا۔ بہانہ ملکہ سے بچّوں کی تعلیم کے موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔ لیکن یہ الگ بات تھی کہ کبھی بریف کیس نہیں کُھلتا تھا البتہ ناریت کی یہ ذمہ داری تھی کہ ارون کپوُر کے جانے کے بعد وہ شکن آلود چادریں ضرور بدل دے۔

ناریت نے چائے بنا کر ملکہ کو پیش کی جو اب تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی۔ دونوں عورتوں نے آپس میں کسی جُملے کا تبادلہ نہیں کیا تھا۔ ناریت خاموشی سے باہر نکل گئی اور ملکہ کو ارون کی روانگی کے وقت ہونے والی بات چیت یاد آ گئی۔ آج وہ اپنے مستقبل کے بارے

میں بڑا پریشان تھا۔

''پورے محل کو میرے اور تمہارے تعلقات کا علم ہو چکا ہے۔شیتل۔'' تنہائی میں وہ ملکہ کو اس کے نام سے ہی مخاطب کرتا تھا۔''کسی دن بھی شاہ کی تلوار میرا سر قلم کر سکتی ہے لیکن اگر ایسا نہ بھی ہوا تو ہماری زندگیاں کب تک اس ڈگر پر چلتی رہیں گی۔تمہارا مستقبل کیا ہوگا؟ کریم، لی روزی جا چکا ہے۔اگلے چند سالوں میں باقی بچے بھی سوئس اسکولوں میں چلے جائیں گے۔پیلس اسکول بند ہو جائے گا اور میرا کام بھی ختم ہو جائے گا؟''

اُس نے کسی بلّی کی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے محبوب کو دیکھا تھا۔''ایک وقت میں ایک شے،ارون۔۔۔صبر کرو، کہتے ہیں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔''

اور ارون صبر کے میٹھے پھل کی آس لگائے، سر جھکا کر باہر نکل گیا تھا۔

OO

اُس نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھ کر دوبارہ گھڑی دیکھی ایک گھنٹے بعد اُسے بھارتی ٹیلی ویژن دُوردرشن کی ایک ٹیم سے ملاقات کرنی تھی۔

دُوردرشن کی ٹیم بحریت کی ملکہ کے ساتھ، جسے بھارت کے رہنے والے اب بھی ہندو ملکہ کے نام سے یاد کرتے تھے، کچھ وقت محل میں گزارنا چاہتی تھی تاکہ وہ اپنے نیٹ ورک پر بھارتی عوام کو اس کے رہن سہن سے آگاہ کر سکے۔ دُوردرشن کے ڈائریکٹر جنرل نے اس سلسلے میں محل کے پریس سیکرٹری حامد آجیل کو ایک خط تحریر کیا تھا۔

''دُوردرشن، رامیر اور شیتل کی شادی کی جوبلی تقریبات کے سلسلے میں ملکہ شیتل آف بحریت کا انٹرویو محل میں ریکارڈ کرنا چاہتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ملکہ محل کے بارے میں عام لوگوں کو تفصیلات بتائیں تاکہ انہیں شاہی زندگی اور شاہی رہن سہن سے آگاہی ہو سکے۔ اس طرح کے دوروں کا اہتمام جیکولین کنیڈی نے وائٹ ہاؤس اور پرنسس گریس کیلی نے منا کو کے شاہی محل کے لیے بھی کیا تھا۔''

ملکہ کو تجویز پسند آئی اور اُس نے فوراً اس کی منظوری دے دی تھی چنانچہ آج دُوردرشن کی ٹیم اسی سلسلے میں محل میں موجود تھی۔

ملکہ نے کرسی سے اُٹھ کر کسل مندی دور کی اور تیار ہونے کے لیے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ ایک گھنٹے بعد وہ سیب جیسی ہری رنگت کا اسکرٹ اور اسی سے ملتا جلتا بلاؤز پہنے سیڑھیاں اُتر کر نچلی منزل پر جا رہی تھی جہاں دوردرشن کی ٹیم اس کی منتظر تھی۔

اُس نے ہلکا پھلکا میک اپ کیا تھا اور کسی قسم کی جیولری استعمال نہیں کی تھی۔ یہ اس کا اپنا اسٹائل تھا جو بحریت کی عورتوں میں بے حد مقبول ہوا تھا وہ بہت ہی خاص تقریبات کے علاوہ سادے لباس میں عوام کے سامنے جایا کرتی تھی۔

ٹیلی ویژن آلات ایک ہال نما کمرے میں فِٹ کیے گئے تھے۔ پورا کمرہ تیز روشنیوں

سے جگمگا رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تمام افراد نے اُٹھ کر اُسے تعظیم پیش کی۔ انٹرویو ٹیم کے سربراہ سبھاش گائیکوں سے اُس کا تعارف کرایا گیا اور شیتل قدم بہ قدم چلتی اپنے لیے مخصوص طلائی کُرسی پر جا بیٹھی۔

''پندرہ سال، یور میجسٹی۔ اتنا لمبا عرصہ گزار کر کیسا لگتا ہے؟'' سبھاش نے بات چیت کا آغاز کیا۔

''کل کی بات لگتی ہے۔'' شیتل کے سیب کی قاشوں جیسے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ ''پندرہ سال ایک خواب کی طرح گزر گئے ہیں۔''

''بے شک یہ خوبصورت خواب ہی ہوگا، یور میجسٹی، اور ہم شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں بھی اس خوبصورت خواب کا ایک حصّہ بنایا ہے، آپ کی اور شاہ کی کامیاب ترین ازدواجی زندگی میں محبتوں کے تین پھول بھی کھلے ہیں، اُن کی عمر کتنی ہے یور میجسٹی؟''

''ولی عہد کریم چودہ سال کا ہے وہ سوئٹزرلینڈ کے ایک اسکول میں زیرِ تعلیم ہے وہ ہمیں بے حد یاد آتا ہے۔ پرنس جنید گیارہ سال کا ہے جب کہ ہماری بیٹی شہزادی نریام ابھی آٹھ سال کی ہوئی ہے۔''

''ہم نے سُنا ہے کہ آپ بحریت کے لوگوں کی معاشی ترقی کے لیے محنت کر رہی ہیں۔ کیا اس بارے میں ہمیں کچھ بتائیں گی؟''

''کیوں نہیں؟'' شیتل نے خالص پیشہ ورانہ انداز اختیار کیا۔ ''پہلے تو میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ بحریت ہنوز ایک ترقی پذیر ملک ہے اور ابھی ہمیں مغرب کا ہم پلّہ ہونے کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔ تعلیم، صحتِ عامہ اور رہائشی سہولتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ میں اور میرے شوہر ان علاقوں کا تعیّن کرتے ہیں جنہیں ہماری توجہ کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ وہ چونکہ امورِ سلطنت میں بُری طرح اُلجھے رہتے ہیں اس لیے میں ہی اُن کے کان اور آنکھیں ہوں۔ میں ملک کا دورہ کر کے لوگوں کی ضروریات اور مسائل کا جائزہ لیتی ہوں پھر ان کی سفارشات مرتب کرتی ہوں اور بعد ازاں ان پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

''کیا شاہ آپ سے سفارتی معاملات پر بھی مشورے لیتے ہیں؟''

''شاذو نادر۔'' شیتل نے اپنے سبز اسکرپٹ کی فال درست کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھ سے زیادہ قابل مشیر اُن کے پاس ہیں۔''

''کوئی اور بات جو آپ نے ہمیں نہ بتائی ہو؟''

''میرا تعلق بنیادی طور پر ایک ایسے مُلک سے ہے جہاں بہت سی آزادیاں حاصل ہیں لیکن عورت کے معاملے میں ہندو معاشرہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلمان، البتہ مسلمانوں میں سختیاں کچھ زیادہ ہیں۔ قیود کی نوعیت کچھ سخت ہے۔ اس لیے ہماری عورتیں صدیوں سے مردوں کی غلامی کرتی چلی آئی ہیں۔ بحریت میں بھی صورت حال یہی تھی لیکن اب کچھ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ میں نے بہت سی تجاویز مرتب کر کے اپنے شوہر کو پیش کیں اور انہوں نے ان کی منظوری بھی دی۔ ان کے اثرات بھی بہت بہتر مرتب ہوئے ہیں۔''

''مثال کے طور پر؟''

''اپنی طویل ترین تاریخ میں پہلی مرتبہ بحریت کی خواتین، ڈاکٹرز، وکلاء، پروفیسرز اور ماہرین معاشیات حتیٰ کہ ٹی وی اناؤنسرز اور کمنٹیٹرز تک بن رہی ہیں۔''

''شکریہ، یور میجسٹی'' سبھاش نے انٹرویو ختم کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ ہمیں اور ہمارے ناظرین کو محل کی سیر نہیں کرائیں گی؟''

''کیوں نہیں؟'' شیتل کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آیئے؟'' کیمرا کریو اپنے آلات سمیٹنے میں لگ گیا اور سبھاش گا ئیکوں ملکہ کے ذرا قریب ہو گیا۔

''پرانے دن کتنے اچھے تھے مِس شیتل؟'' اس نے اچانک سرگوشی کی۔ ''کیا میں آپ کو یاد ہوں۔''

شیتل نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''آپ کو یقیناً یاد ہوگا۔'' سبھاش نے خود ہی بات جاری رکھی۔ ''میں آکاش اسٹوڈیوز میں کام کرتا تھا۔ پبلسٹی ڈپارٹمنٹ میں، کیا آپ کو راہول یاد ہے؟ میں اس کا اسسٹنٹ تھا آپ کی آخری فلم 'سائے' جس میں آپ نے انیل کمار کے ساتھ کام کیا تھا۔ اُس کی ساری پبلسٹی فلمیں میں نے تیار کی تھیں۔ کیا آپ کو وہ پرانے دن یاد آتے ہیں؟''

''آپ کا سوال اسکرپٹ میں تو شامل نہیں تھا مسٹر سبھاش۔'' شیتل نے کڑے

تیوروں سے اُسے گھورا۔

''معافی چاہتا ہوں، یور میجسٹی۔''

''اور میری لغت میں معافی کا لفظ نہیں ہے مسٹر!'' شیتل غرّائی۔ ''مجرم اگر غلطی کرنا اپنا حق سمجھتا ہے تو میں اُسے سزا دینا اپنا حق تصوّر کرتی ہوں، ذہن میں رکھئے گا کہ میں پرانے دنوں کو ایسے بھول چکی ہوں جیسے آپ لوگ شمشان گھاٹ میں چِتا جلا کر مُردے کو بھول جاتے ہیں۔''

شیتل ٹِک ٹِک کرتی چل دی۔ سبھاش اور ٹی وی کریو اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ شیتل نے انہیں اسٹیٹ ڈرائنگ روم، کچن، چھوٹے اور بڑے بال روم، جمنازیم، انڈور سوئمنگ پول شاہی اسپتال، عجائب گھر، چڑیا گھر اور شاہی خواب گاہ کی سیر کرائی لیکن اُس کا موڈ آخر وقت تک آف رہا۔

OO

ملکہ شیتل رامیر ہواؤں کے دوش پر تھی۔

بحریت ائرویز کا شاہی طیارہ ریال سے پیرس کی جانب محوِ پرواز تھا۔اس بار وہ کسی سرکاری مشن پر نہیں بلکہ انتہائی نجی دورے پر پیرس جا رہی تھی۔ یوں تو ملکہ کی حیثیت سے اسے بہت سی تقریبات میں جانا پڑتا تھا لیکن اکثر و بیشتر وہ بور ہوا کرتی تھی جیسے گذشتہ دِنوں اس نے ایک برطانوی شہزادے کی شادی میں رامیر کی نمائندگی کی اور ایک ایسے وزیراعظم کی آخری رسومات میں شریک ہوئی جس سے وہ زندگی میں کبھی نہیں ملی تھی۔ ایک بار رامیر نے اسے جنوبی افریقہ کے انتہائی پسماندہ ملک کے مطالعاتی دورے پر بھیج دیا تھا۔اور وہ پورے دورے کے دوران اُسے کوستی رہی تھی۔

آج کی پرواز مختلف تھی۔اسے اس بار کوئی شاہی فرض ادا نہیں کرنا تھا۔ بلکہ وہ ذاتی دورے پر پیرس جارہی تھی اور خوش قسمتی سے رامیر نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا تھا کیونکہ اُسے علم تھا کہ جانے سے پہلے یا آنے کے بعد شیتل کسی قسم کے غیر معمولی مطالبات نہیں کرے گی۔ پھر اُسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اُس کی بیٹی اور شیتل میں بڑے گہرے مراسم قائم ہوگئے تھے۔

شہزادی اریبہ زاہدی، شاہ رامیر کی پہلی بیوی کے بطن سے تھی۔ وہ انیس سال کی تھی اور سار بون میں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔اریبہ بہت سے مسائل میں گھری رہتی تھی۔ کیونکہ اس کے باپ کو یہ مسائل حل کرنے کی فرصت نہیں تھی لیکن اس کے مسائل کو شیتل نے اپنے مسائل سمجھ لیا تھا اور اب وہ اُسی سے ملنے پیرس جارہی تھی۔

شیتل اس وقت شاہی جیٹ کے لاؤنج ایریا میں ریشم سے ڈھکی ایک کرسی پر براجمان تھی۔ سفید کپڑوں میں ملبوس اسٹیورڈ فریڈی نے مارٹینی کا گلاس لاکر اسے تھمایا اور وہ اُس کی چسکیاں لیتی ہوئی فریڈی کے بارے میں سوچنے لگی۔

سرخ بالوں والے فریڈی کا اپنے کریو ممبر کی حیثیت سے تقرر شیتل نے ہی کیا تھا۔ جہاز سے باہر وہ مالک اور ملازم نہیں بلکہ دوست ہوتے تھے۔ اور یہ فریڈی تھا جو خود شیتل کے علاوہ یہ بات جانتا تھا کہ وہ پیرس کیوں جاتی ہے؟

''ائرپورٹ پر کون مل رہا ہے، یور میجسٹی؟'' فریڈی نے دریافت کیا۔

''شہزادی اریبہ۔''

''خوشی ہوئی سُن کر، یقیناً آپ کا وقت اچھا گزرے گا۔''

''شاید نہیں۔'' شیتل نے مارٹینی کی چُسکی لی۔ ''وہ اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ کل ہم دونوں قومی بجٹ خرچ کرنے جوبلی تقریبات میں جائیں گے، وکلا تیار رکھنا۔''

''اور اگلے روز؟''

''ڈاکٹر لیز کس، پرانا وقت۔''

''میں انتظار کروں گا۔'' فریڈی نے جواب دیا۔

OO

شیتل جب پہلی مرتبہ بحریت گئی۔ اریبہ اُس وقت چار سال کی تھی اس کے باوجود کہ شادی میں کئی ماہ تھے رامیر کا اصرار تھا کہ وہ بحریت کا دورہ کرے۔

''اپنے نئے گھر کو اچھی طرح دیکھو شیتل۔'' رامیر نے کہا تھا۔ ''اور پھر میری بیٹی سے بھی ملنا، جواب تمہاری بھی ہوگی۔''

اور جب رامیر نے اریبہ کا تعارف شیتل سے کرایا تو وہ پلٹ کر اپنے باپ کے بازوؤں میں چھپ گئی تھی۔ شادی کے ہنگاموں اور ہنی مون کی خرمستیوں کے بعد شیتل نے اریبہ پر توجہ دینی شروع کی اور پھر دونوں میں دوستی مضبوط ہوتی چلی گئی۔ شہزادہ کریم کی پیدائش کے بعد رامیر کی جو تھوڑی بہت توجہ اریبہ پر تھی وہ بھی ختم ہوگئی لیکن شیتل نے اپنی توجہ دُگنی کردی۔

پہلے شہزادہ کریم نے جنم لیا۔ پھر شہزادہ جنید اور تیسری بیٹی شہزادی نریام تھی۔ شیتل کو پورے ملک میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا لیکن مادرِ بادشاہ کا اب بھی یہی خیال تھا کہ رامیر نے ایک ہندو لڑکی کو ملکہ بنا کر اچھا نہیں کیا۔

رامیر کی بڑی بہن عذرا البتہ غیر جانبدار تھی اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سوئٹزر لینڈ اور فرانس میں رہتی تھی۔ اِسے اپنے نوجوان دوستوں اور محبوبوں سے ہی اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ بحریت کے معاملات میں دخل دیتی لیکن اس کے باوجود اُس نے شیتل کی زندگی بدل دی تھی۔ پانی کا وہ بلبلا اُسی نے پھوڑا تھا جسے شیتل اپنے سر کی چھت سمجھے بیٹھی تھی۔

OO

سوئٹزر لینڈ دنیا کا خوب صورت ترین ملک ہی نہیں ہے بلکہ یہاں ایسے مہنگے ہوٹل، نائٹ کلب اور دوسری تفریح گاہیں بھی ہیں جہاں ایک عام امیر آدمی جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔کوہ الپس کی حسین وادیاں جنہیں ''اسکائنگ کی جنت'' کہا جاسکتا ہے ایسے ہوٹلوں کلبوں اور تفریح گاہوں سے اٹی پڑی ہیں۔شاہ رامیر، الپس کی ان جنت نظیر وادیوں میں وسیع وعریض جائیداد کا مالک تھا جس میں خوبصورت محل کے علاوہ کئی ہوٹل، کلب اور جوئے خانے شامل تھے۔

شیتل شادی کے بعد جب پہلی بار سوئٹزر لینڈ گئی تو حیران رہ گئی۔وہ خود بھی پہلی مرتبہ یہاں آئی تھی۔سردیوں کا موسم تھا اور دُور دُور تک برف کی چادر تنی ہوئی تھی۔شیتل خوبصورتی دیکھ کر پلکیں جھپکانی بھول گئی تھی۔شاہی جوڑا چھٹیاں گزارنے یہاں آیا تھا۔سینٹ موریز کی باقی خوبصورتی تو اپنی جگہ، شاہی محل ہی اتنا دیدہ زیب تھا کہ شیتل کے پاس اُس کی تعریف کے الفاظ نہیں تھے۔

''لیکن یہ اتنے بہت سے تاروں اور انٹینا کا یہاں کیا کام؟'' شیتل نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ریال سے رابطے کے لیے شارٹ ویو انٹینا ہے۔'' رامیر نے جواب دیا۔''وہ مجھ سے کسی بھی وقت رابطہ کرسکتے ہیں۔''

''لیکن ہم تو چھٹیوں پر ہیں؟'' شیتل نے اسے یاد دلایا۔

''ہم ہیں۔اور چھٹیاں ہی گزاریں گے، سوائے دوپہر کے چند گھنٹوں کے۔''

''اس کا کیا مصرف ہوگا؟''

''میں سوور یٹا ہاؤس جایا کروں گا۔''

''سوور یٹا ہاؤس۔۔۔یہ کیا ہے؟''

''ہم اُسے پیچھے سڑک کے کنارے چھوڑ آئے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا ہوٹل ہے لیکن ہم جیسے بڑے لوگوں کے لیے نہیں۔''

''آپ یہاں کام کیوں نہیں کر سکتے؟'' شیتل نے احتجاج کیا۔

''چھٹی کے دن میں وہاں کام نہیں کرتا جہاں سوتا ہوں۔ یہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوگی۔ لوگوں کا آنا جانا، ٹیلی فون کی گھنٹیاں، احکامات کا شور۔۔۔ تم پریشان ہو جاؤ گی۔ پھر سوو ریتا میں میرا پورا اسٹاف موجود ہے اور وہاں محل سے زیادہ جدید ترین ہائی فریکوئنسی ایکوپمنٹ نصب ہیں۔''

اس نے دونوں ہاتھوں میں شیتل کا چہرہ تھام لیا۔

''تم نے کسی تاجر سے شادی نہیں کی، جان، ایک بادشاہ اپنی دکان مہینے بھر کے لیے بند کر کے چابی کنویں میں نہیں پھینک سکتا۔ دن بھر میں چند گھنٹوں کی تو بات ہے پھر میں ہوں گا، تم ہوگی اور۔۔۔ اور۔۔۔''

شاہ کا جُملہ پورا نہیں ہوا۔ شیتل نے اُس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مُہر ثبت کر دی۔

''میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔'' وہ گنگنائی۔

''اور میں پرستش، میری دیوی۔'' شاہ نے جواب دیا اور شیتل سب شکوے بھول گئی۔ اُس نے شاہ کے معمولات کو قبول کر لیا تھا۔

OO

پھر ملکہ اور شاہ ہر سال یہاں آنے لگے۔ سینٹ موریز اب شیتل کے لیے دوسرا گھر بن گیا تھا۔ بچّوں کی پیدائش سے بھی اس کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ جونہی چھٹیاں شروع ہوتیں شیتل، جہاز کا رُخ سوئٹزر لینڈ کی طرف موڑنے کی ہدایت کر دیتی۔

سوئٹزر لینڈ میں اُن کے معمولات اب مخصوص ہو چکے تھے۔ صبح سویرے شاہ اور ملکہ بچّوں کے ہمراہ ناشتا کرتے جس کے بعد بچے برفانی سوٹ اور پارکا پہن کر اپنے انسٹرکٹرز کے ہمراہ اسکائنگ کے لیے نکل جاتے۔ اگر شاہ اور ملکہ رات کو دیر تک کسی کلب یا تقریب میں مصروف رہتے تو وہ ناشتے کے بعد اپنی نیند پوری کرتے ورنہ وہ بھی اپنے انسٹرکٹر کے ہمراہ اسکائنگ کرتے، دوستوں سے گپ شپ ہوتی اور دوپہر کے کھانے کے بعد شاہ، سوور یتا ہاؤس چلا جاتا۔

شیتل نے سوئٹزر لینڈ میں بڑے حسین دن گزارے۔ کئی جگہوں کے ساتھ اس کی بڑی انوکھی اور ناقابل فراموش یادیں وابستہ تھیں۔ وہ لمحات جو اس نے رامیر کے سنگ گزارے تھے اس کی زندگی کا سرمایہ تھے۔ کبھی کبھار تو رامیر، تیار ہونے کے باوجود شیتل کو اسکائنگ کے لیے نہیں جانے دیتا تھا۔ بقول اس کے پیار کے لمحات، اسکائنگ کے لمحات سے زیادہ قیمتی اور رنگین ہوتے ہیں۔

لیکن پیار کے انہی سرور بخش اور رنگین لمحات نے شیتل کو ڈس لیا۔ شیتل کو وہ صبح آج تک نہیں بھولی تھی جب رامیر نے شدت جذبات سے بے اختیار ہو کر مدہوشی کی حالت میں کسی اور عورت کا نام لیا تھا۔ شیتل خود بھی ایسی کیفیت سے دوچار تھی۔ لیکن اس کا پورا بدن کھنچاؤ کا شکار ہو گیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہیں کیا پریشان کر رہا ہے۔'' رامیر نے بعد میں اس سے کہا تھا۔ ''اسے بھول جاؤ۔''

''میں نہیں سمجھ سکی کہ۔۔۔۔''

''یہ پیار کرنے والوں کے خیالی پلاؤ ہوتے ہیں، اس کا کوئی مطلب نہیں، دُنیا میں میرے لیے بس ایک ہی شیتل ہے۔''

لیکن شیتل کو یہ خیالی پلاؤ ہضم نہ ہوسکا۔ اچانک ہی وہ ایسی محبوبہ بن گئی تھی جو اپنے محبوب سے پہلی مرتبہ ملی ہو۔

OO

غیر محسوس طریقے سے دونوں کی راہیں جدا ہوگئی تھیں رامیر معمول کے مطابق سوور یٹا ہاؤس میں امور سلطنت کی انجام دہی کو چلا جاتا جب کہ وہ محل میں رہتی ۔ سوتی، پڑھتی اور بچوں کے ساتھ مصروف رہ کر وقت گزارا کرتی ۔ اس کے باوجود وہ یہی کوشش کرتی کہ رامیر اُس پر توجہ دے یا نہ دے اس کے اپنے پیار میں کوئی فرق نہ آنے پائے ۔ رامیر کی واپسی سے پہلے وہ تیار ہوتی اور گزشتہ روز سے زیادہ خوبصورت لباس زیب تن کرتی تا کہ رامیر زیادہ سے زیادہ متاثر ہو۔

رامیر بھی شام کو سوور یٹا ہاؤس سے واپسی پر زیادہ وقت اُسی کی معیت میں گزارتا لیکن شیتل کے سینے پر پتھر کی سل، جو اس رات رکھی گئی تھی وہ کبھی نہ ہٹ سکی۔

اُس شب رامیر اپنی اسٹڈی میں موجود تھا۔ شیتل نے معمول کے مطابق بچوں کو دودھ کے گلاس دیے اور انہیں شب بخیر کہتی ہوئی رامیر کے پاس جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسٹڈی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی بعض آوازوں نے اس کے قدم پکڑ لیے۔

پہلی آواز رامیر کی تھی جو اسٹڈی کے بند دروازے کے پیچھے سے ہی آئی تھی ۔ رامیر کا لہجہ غصے سے بھر پور تھا۔

''تم نے ایسا کام کیا ہے کہ میں کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گیا۔''

''میرے پیارے بھائی۔'' دوسری آواز ابھری۔ شیتل نے فوراً پہچان لیا وہ شہزادی عذرا تھی۔ ''تم اس صورت حال سے بہ آسانی نمٹ سکتے ہو۔''

''مگر تم نے ایسا کیوں کیا۔''

''اس لیے کہ مجھے رقم کی ضرورت تھی۔'' شہزادی عذرا نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اور میں جو تمہیں شاہی الاؤنس دیتا۔۔۔''

''وہ میری ضروریات کے لیے ناکافی ہے۔'' شہزادی نے اپنے بھائی کی بات کاٹ دی۔

''تمہارے یا تمہارے نئے نئے دوستوں کے لیے؟'' رامیر بُری طرح دہاڑ رہا تھا۔ ''تم میری بڑی بہن ہو۔تم نے مجھے کہیں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔''

''کیا اس سے پہلے تم مُنہ دکھانے کے قابل تھے۔'' شہزادی عذرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''میں تو صرف ہیروئن اسمگل کرتے پکڑی گئی ہوں تم تو اس سے بدتر کاموں میں ملّوث رہے ہو۔تم کہتے ہو میرے دوست قیمتی ہیں، بے شک وہ ہیں لیکن تمہاری دوستوں سے زیادہ نہیں۔''

شیتل کو شہزادی کے جملے کے جواب میں کسی کے رُخسار پر ایک زوردار تھپڑ لگنے کی آواز سنائی دی جس کے فوراً بعد شہزادی کی سِسکیاں ابھرنے لگیں۔شیتل نے فوراً ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولنا چاہا لیکن اگلی آواز نے دوبارہ اس کے قدم جکڑ لیے۔

''تم سمجھتے ہو کہ تمہارے معاشقے کسی سے مخفی ہیں۔'' شہزادی عذرا کی سِسکیاں لیتی آواز پھر ابھری۔ ''تم امورِ سلطنت کی آڑ میں سوور یتا ہاؤس میں دُنیا کی جن مہنگی ترین عورتوں سے ملتے ہو، زمانہ اُن کے بارے میں جانتا ہے۔جنرل مجیب اور اس کے ماتحت کُتّے تمہاری جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ بھی میرے علم میں ہیں۔۔۔''

''خاموش رہو!'' رامیر حلق کے بَل دہاڑا۔

''ابھی سے؟'' شہزادی عذرا نے متعجبانہ انداز میں کہا۔ ''ہمبرگ کی مارتھا اور گزشتہ ہفتے اُس کی بہن ہیلگا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اور وہ ڈینش لڑکی، جس کی عمر ابھی سولہ سال بھی نہ تھی؟ کیا تم نے انہیں رولیکس طلائی گھڑیاں نہیں دلوائیں؟ پیرس میں جنرل مجیب کے اکاؤنٹ سے یہ ادائیگیاں کی گئی ہیں۔۔۔''

''خاموش۔'' شیتل کو دوبارہ رامیر کی غصے میں ڈوبی آواز سُنائی دی۔ ''شیتل اور بچے گھر پر موجود ہیں تمہاری آواز اُن تک بھی پہنچ سکتی ہے۔''

''صرف ایک شرط پر، سوئس پولیس سے میری جان چھُڑوادو۔''

''میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا، یہاں میں بادشاہ نہیں ہوں، سوئٹزرلینڈ میں منشیات کی نقل

دحمل موت سے زیادہ بڑا جرم ہے اگر میں انہیں تمہارے خلاف الزامات واپس لینے کو کہوں گا تو وہ تمہیں دوبارہ کبھی سوئٹزر لینڈ میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گے۔''

''وہ بعد کی بات ہے۔ فی الحال میری جان چھڑاؤ، میں یہاں سے چلی جاؤں گی اور میرا آخری مطالبہ۔۔۔''

''اب میں کوئی بکواس نہیں سنوں گا۔''

''میرے سابقہ الاؤنس بحال کردو۔'' شہزادی نے بھائی کے جُملے پر کوئی توجہ نہیں دی تھی ''اگر نہیں تو میں بحریت سے لے کر امریکہ تک تمہارے کردار کا پول کھول دوں گی۔''

شیتل نے ایک اور تھپّڑ کی آواز سنی۔

''میری نظروں سے دُور ہو جاؤ عذرا۔'' وہ غرّایا۔ ''تمہارا الاؤنس تمہیں مل جائے گا لیکن میں اب تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''تھینک یُو، یور میجسٹی، میرا اکاؤنٹ کریڈٹ سوئس ہے۔'' شہزادی عذرا کا جواب سنائی دیا۔

اس کے ساتھ ہی دروازہ غیر مقفل ہوا اور اچانک کُھل گیا۔ شیتل کو اپنے سامنے دیکھ کر شہزادی کا سانس حلق میں اٹک گیا۔

''تو تم نے سب سُن لیا بھابی۔'' اس نے ایک لمبی سانس لی اور کندھے اُچکا دیے۔ ''ویسے اچھا ہوا، دُنیا میں تم اکیلی ہی تھیں جسے ان باتوں کا علم نہیں تھا۔''

شیتل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں ساکت تھیں۔ اس کا بدن لڑکھڑایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس ہوتی، رامیر نے بڑھ کر اُسے تھام لیا۔

OO

شیتل بیڈ پر کشن کے سہارے نیم دراز تھی۔ رامیر ڈریسنگ گاؤن پہنے آرام کرسی پر بیٹھا اُس کے سامنے تھا۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ رات کتنی بیت چکی ہے اور وہ کتنی دیر بے ہوش رہی تھی۔

''شیتل۔'' رامیر نے آگے بڑھ کر اس کے نخ ہاتھوں کو تھام لیا۔''عذرا ہمیشہ اسی طرح لڑتی ہے، بچوں کی طرح، وہ مجھ سے جیلس ہے کیونکہ لوگ اس کی نسبت مجھے زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

''جو کچھ شہزادی نے کہا، وہ صحیح تھا۔''شیتل نے ہچکیاں لیتی آواز میں دریافت کیا۔

''ہاں!'' رامیر نے اس کے ہاتھ سہلاتے ہوئے جواب دیا۔''ایک ایک لفظ سچ تھا۔ اب جھوٹ بولنے کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے تم غلط سمجھ جاؤ یا تمہیں دکھ ہو؟''

''ہوسکتا ہے، کا کیا سوال ہے؟''شیتل کو اپنی آواز بھی اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

''بالکل کیونکہ تمھارے خیال میں میری نظر میں اُن عورتوں کی بڑی اہمیت ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں۔''

''مگر ایسا بھی کیوں؟''شیتل کی آواز بلند ہوگئی۔''سوتن صرف سوتن ہوتی ہے اس میں اہم اور غیر اہم کا کوئی خانہ نہیں ہوتا۔''

''اُن میں کوئی اتنی اہم نہیں کہ تم اسے اپنے برابر کھڑا کرو۔'' رامیر اپنی بات پر قائم تھا۔

''میرا تعلق ایک مختلف ثقافت سے ہے اور ہمارے ہاں مردوں کے معاملات خاص طور پر شاہوں کے معاملات ذرا مختلف ہیں۔''

''میں تو سمجھتی تھی کہ میں نے آپ کو بدل دیا ہے۔''

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے اور بچوں نے مجھے اتنی خوشی دی ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔ تم میری ملکہ ہو، میری بیوی ہو اور ہم زندگی بھر کے ساتھی ہیں۔''

''اور دوسری عورتیں؟''

''میں نے کہا انہیں بھول جاؤ۔'' رامیر نے زچ ہو کر کہا۔ ''تمہارا اُن سے کوئی واسطہ نہیں۔''

شیتل خاموش ہو گئی لیکن خوشی سے نہیں بلکہ سینے پر مجبوریوں کی بھاری سل رکھ کر۔ شہزادی عذرا چلی گئی اور رامیر نے اس کا باب ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ خود شیتل سے اس موضوع پر اُس کی مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس کے معمولات میں کوئی فرق آیا تھا۔

ہر روز اپنے محافظوں کے ہمراہ وہ لمبی چوڑی سیاہ لیموزین میں سلطنت کے نام نہاد امور نمٹانے سوور یٹا ہاؤس جاتا اور شیتل محل کی کسی کھڑکی کی آڑ میں کھڑی نمناک آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہتی۔

کبھی کبھی تنہائی میں بیٹھ کر وہ آنسو بھی بہاتی۔ خود کو کوستی اور لعنت ملامت کرتی۔ اُسے شک تھا کہ سارا سینٹ موریز اس کا دشمن ہو گیا ہے۔ اور اس کی پیٹھ پیچھے برائیاں کرتا ہے۔ اُسے اپنے قریبی دوستوں کی آنکھوں میں بھی شک وشبے کی پرچھائیاں رقص کرتی دکھائی دیتیں۔

بسا اوقات وہ خود کو یاد دلاتی کہ وہ ایک اداکارہ تھی، اُسے ہر طرح کے ماحول سے عہدہ برآ ہونے کی تربیت ملی تھی۔ یہ سوچ کر اس کا سر بلند ہو جاتا۔ اس کی زندگی میں پہلے بھی ایسے لوگ آئے تھے جنہیں اُس نے دھتکارا تھا، اسکول کے دن، پھر فلمی دنیا۔۔۔۔ اور اب رامیر ۔۔۔۔ ہاں رامیر نے بھی تو اس کے ساتھ زیادتی کی تھی لیکن یہ جسمانی نہیں تھی۔ یہ زیادتی ذہنی تھی۔ اُس نے اُس کے دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ سوچتی کہ اُس نے اپنا سب کچھ رامیر کو سونپ دیا تھا۔ اپنی پرانی راہیں اور پرانی سرگرمیاں چھوڑ کر دل وجان سے اس کی ہو گئی تھی لیکن غداری خود رامیر نے کی، اس کی ذات میں نقب لگانے کی کوشش کی تھی۔

اب وہ ایک کھوکھلی عورت تھی۔ اسے رامیر نے کھوکھلا کیا تھا۔ وہ اُس کا مجرم تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ اس کے لیے وہ رامیر کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

OO

''آپ ڈاکٹر لیزکس سے اپنا معائنہ کرائیں، یور میجسٹی۔'' ایلیڈا ہمیرڈ نے شیتل کو مشورہ دیا۔ ایلیڈا، کوروبجیلیا ریسٹورنٹ کی مالکہ تھی اور شیتل اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے اکثر کوروبجیلیا کے پُرسکون گوشوں میں پناہ لیا کرتی تھی۔ تنہائی کے ایسے ہی لمحات نے ایلیڈا کو شیتل سے قریب کر دیا تھا۔

''ڈاکٹر لیزکس؟'' شیتل نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''پیرس کی مشہور و معروف سائیکاٹریسٹ۔'' ایلیڈا نے جواب دیا۔ ''وہ عورتوں کو جینے کا ڈھنگ سکھاتی ہے۔ میں خود بھی کبھی مایوسیوں اور محرومیوں کے اندھے گڑھوں میں مقید تھی لیکن پھر میری ملاقات ڈاکٹر لیزکس سے ہوئی اور اُس نے میری کایا پلٹ ڈالی۔۔۔''

ایلیڈا، شیتل کو اپنے تجربات بتاتی رہی کہ کس طرح وہ شوہر کی محکوم ہوا کرتی تھی اور کس طرح ڈاکٹر لیزکس نے اُس کے اندر یہ احساس اُجاگر کیا کہ عورت کی اپنی ایک حیثیت ہے۔ شیتل، ایلیڈا کی کہانی غور سے سنتی رہی۔ جب اُس نے کہانی ختم کی تو شیتل بھی اپنے تئیں ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

''کیا تم ڈاکٹر لیزکس سے میری ملاقات کا اہتمام کر سکتی ہو؟'' شیتل نے سوال کیا۔ ''میں اکثر پیرس جاتی رہتی ہوں۔''

''بسر و چشم ملکۂ عالیہ!'' ایلیڈا نے سر خم کرتے ہوئے جواب دیا۔

اور ڈاکٹر لیزکس کی معیت نے واقعی شیتل کو جینے کا نیا ڈھنگ سکھایا تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے احساس دلایا تھا کہ اب وہ سری نگر کی شتیلا کملاوتی موہن نہیں بلکہ دنیا کے ایک طاقت ور ملک کی ملکہ شیتل رامیر ہے۔ اب شیتل، اس قابل ہو گئی تھی کہ اپنے طور پر کوئی اہم فیصلہ کر سکے لیکن اس نے اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کرنے کا پروگرام جوبلی تقریب کے بعد کا بنایا تھا جب کم از کم اُس کا اپنا مستقبل تابناک ہو سکتا تھا۔

''ہم فرنچ الپس پر محوِ پرواز ہیں ملکۂ عالیہ۔'' فریڈی کی آواز اُسے ماضی سے حال میں کھینچ لائی۔ ''اور اگلے ایک گھنٹے میں پیرس کے لی بورگٹ ائرپورٹ پر لینڈ کرنے والے ہیں۔کیا آپ سینڈوچ پسند کریں گی؟''

''نہیں میں اریبہ کے ساتھ لنچ کروں گی۔'' شیتل نے جواب دیا اور فریڈی سرخم کر کے واپس مڑ گیا۔

اگلا ایک گھنٹہ شیتل نے خود کو اریبہ سے ملاقات کے لیے تیار کرنے میں گزارا۔انیس سالہ اریبہ اس کے بے حد قریب تھی لیکن اس نے اب تک ڈاکٹر لیزکس کے معاملے میں اُسے اعتماد میں نہیں لیا تھا، شاہی اسٹاف میں سے صرف فریڈی جانتا تھا کہ ملکہ شیتل پیرس میں اپنا وقت کہاں گزارتی ہے؟

یہ ڈاکٹر لیزکس کی مہربانیاں ہی تھیں جنہوں نے شیتل کو ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ اصل راستے کے بارے میں جانتی تھی کہ اُسے کس کا انتخاب کرنا ہے۔رامیر کے ساتھ اُس کے تعلقات برائے نام رہ گئے تھے اور بظاہر اب دونوں کو ہی اس بات سے غرض نہیں تھی کہ کون اپنا وقت کہاں گزارتا ہے لیکن ابھی شیتل کو اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے کچھ مہلت درکار تھی۔

شیتل نے سر جھٹکا۔ذہنی رَو، اریبہ سے ہوتی ہوئی رامیر تک جا پہنچی تھی۔اس نے پھر اریبہ اور اُس کے موجودہ دوست ریکس کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔گزشتہ بار جب اریبہ نے پیرس سے فون کیا تو شیتل کو اس کی آواز میں خوف اور غیر یقینی کی کیفیت محسوس ہوئی تھی۔

شیتل نے دل ہی دل میں اریبہ کی دوستی کے انداز اور اس کے دوستوں کے بارے میں غور شروع کیا۔پہلے اس کی دوستی ایک شادی شدہ جوکی سے تھی جس سے اُس کی مُلاقات

اوٹیلی میں ہوئی تھی۔ پھر وہ ایک مکینک کو دل دے بیٹھی جس کے بارے میں اس بے وقوف کو یقین تھا کہ وہ اُسے بدل لے گی۔ بعد میں ایک برطانوی راک موسیقار اس کی زندگی میں داخل ہوا جس نے پہلی مرتبہ اسے کوکین کے ذائقے سے آشنا کیا۔ ایک برطانوی کاؤنٹ بھی اریبہ کے دوستوں میں شامل رہا تھا جو اس سے محض اس لیے تعلق رکھنا پسند کرتا تھا کہ وہ ایک شاہ کی بیٹی ہے۔

شیتل کو حیرت تھی کہ آخر جلدی جلدی دوست بدلنے کی وجہ کیا تھی۔ وہ بنیادی طور پر اریبہ کو بے وقوف سمجھتی تھی جو ہر کسی سے پلک جھپکنے میں متاثر ہو جایا کرتی تھی۔ اب اسی ریکس ہولڈن کی مثال شیتل کے سامنے تھی۔ اریبہ کا خیال تھا کہ یہ باقی تمام لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ اس سے پیار کرتی تھی لیکن اس میں بہت سے مسائل اور خطرات تھے۔ اریبہ کے لیے نہیں، ریکس کے لیے۔ وہ اپنے لیے کسی قسم کے محافظ نہیں چاہتی تھی۔ اس نے سختی سے اس کے لیے انکار کر دیا تھا۔ سالوں پہلے اپنے والد سے اُس نے اسی نکتے پر لڑائی مول لی تھی جسے اس نے جیت لیا تھا اب وہ ساربون کی ایک آزاد طالبہ تھی جو لاطینی کوارٹرز میں ریوڈی لا یونیورسٹی پر اپنے فلیٹ پر رہتی تھی۔ وہ یہ چاہتی تھی کہ تمام لوگ اس سے ایک عام طالبہ کا سا سلوک کریں۔

''آپ نے آنٹی کے ساتھ بھی تو ایک قسم کا معاہدہ کر رکھا ہے نا؟'' اس نے اپنے باپ کو اپنی سوتیلی ماں کی مثال دی تھی۔ ''ان پر پابندی صرف امورِ سلطنت کے بارے میں ہے جب کہ نجی زندگی میں وہ آزاد ہیں۔ میرا مطالبہ بھی یہی ہے۔''

''تمہارا مطالبہ۔۔۔؟''

''ہاں۔'' اس نے اپنے باپ کی بات کاٹی۔ ''میں نہ آپ کی جائداد منقولہ ہوں نہ وارث، مجھے سانس لینے دیجیے۔'' اپنی مرضی سے، مجھ پر اپنے احکامات نہ تھوپیں۔''

''تب پھر جہاں ہو، وہیں رہو۔'' رامیر نے پیر پٹختے ہوئے جواب دیا۔ ''تم پرلے درجے کی ضدی اور بے وقوف لڑکی ہو۔ اگر تم ڈولتی کشتی پر ہی سوار رہنا چاہتی ہو تو میری بلا سے۔''

''تھینک یو، فادر۔'' اریبہ نے خوفزدہ ہونے کے بجائے نہایت اطمینان سے جواب دیا تھا۔

OO

شاہی طیارے کولی بورگٹ کی بے نمبر فور پر ٹھہرایا گیا۔ دروازہ کھلنے پر سب سے پہلے شیتل پر نمودار ہوئی۔

''شہزادی وی آئی پی لاؤنج میں ہوں گی، ملکہ عالیہ۔'' فریڈی نے احترام سے آگاہ کیا۔ ''آپ کا سامان نیو یلی پہنچا دیا جائے گا۔ گستاخی معاف یور میجسٹی، وہ پیرس کی ڈبل روٹی بھی وہیں ہوگی؟''

''موریا؟'' شیتل نے حیرت سے کہا۔ ''فریڈی! مت بھولو کہ وہ ایسی آنٹی ہے جس کی مجھے ہمیشہ ضرورت رہی ہے۔''

موریا کیمپ بیل، ادھیڑ عمر کی ایک بیوہ اسکاٹش عورت تھی۔ جب شیتل نے ملکۂ بحریت کی حیثیت سے امریکہ کا پہلا سرکاری دورہ کیا تھا اس وقت موریا۔۔۔ واشنگٹن ڈی سی کے بلیئر ہاؤس کی ہاؤس کیپر تھی۔

شاہ رامیر اور ملکۂ شیتل کی رہائش کا بندوبست میسا چوسٹس پر بحریتی سفارتخانے میں کیا گیا تھا۔ جونہی شاہ کی سواری سفارت خانے پہنچی نوجوانوں کے ایک گروہ نے سفارت خانے پر حملہ بول دیا۔ ان میں امریکی، بھارتی اور بحریتی طلبہ شامل تھے۔ امریکی محکمہ داخلہ نے شاہی جوڑے کی جانوں کو درپیش خطرے کے پیش نظر متبادل رہائش کی تجویز پیش کی لیکن رامیر نے سفارت خانے میں ہی ٹھہرنے پر اصرار کیا۔ البتہ محکمہ داخلہ کے چیخنے چنگھاڑنے پر اس نے شیتل کو سرکاری مہمان خانے بلیئر ہاؤس منتقل کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

پنسلوینیا ایونیو پر واقع بلیئر ہاؤس میں شیتل کا استقبال مسز موریا کیمپ بیل نے کیا تھا۔ جونہی ملکہ اندر داخل ہوئی اس نے بھاگ کر اس کے اپارٹمنٹ کی تمام کھڑکیاں بند کر دیں تاکہ باہر سے آنے والے نعروں کی آوازیں ملکہ کو سنائی نہ دے سکیں لیکن نعرے بدستور گونج رہے تھے۔

''قاتل کی سزا، موت ہے ۔۔۔شاہ کی موت ہمارا مقصد ہے۔۔۔ قاتل کو واپس بھیجو۔''

''اس کا کیا مطلب ہوا؟'' شیتل نے نہایت معصومیت سے لیکن خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

''انہیں پتا چل گیا ہے کہ تم یہاں آ چکی ہو۔'' مسز موریا نے اسے بتایا۔ ''یہاں تمہارے خلاف نعرے لگائے جا رہے ہیں اور ان کے ساتھیوں نے سفارتخانے پر دھاوا بول رکھا ہے۔''

''لیکن کیوں؟''

''وہ شاہ سے نفرت کرتے ہیں، اس کا تختہ اُلٹنا چاہتے ہیں۔''

''انہیں یہاں سے نکال کیوں نہیں دیا جاتا؟''

''یہ ایک آزاد مُلک ہے، ملکہ۔'' مسز موریا نے جواب دیا۔

''لیکن یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ بحریت میں حکومتی ڈھانچہ امریکہ سے قطعی مختلف ہے۔ شاہ تنہا حکمران ضرور ہیں لیکن قانونی تنقید اور مشوروں کو قطعی نظر انداز نہیں کرتے۔''

''اور پھر۔۔۔؟''

''اور۔۔۔اور پھر وہ اپنے لوگوں کی بہتری کے لیے ہر ممکن کام کرتے ہیں۔''

''لیکن مظاہرہ کرنے والے امریکی نہیں ہیں ملکۂ عالیہ۔'' مسز موریا نے کہا۔ ''زیادہ تر لوگ تو تمہارے سابق وطن بھارت اور تمہاری موجودہ رعایا ہیں۔''

''مگر میرے شوہر قاتل نہیں۔'' شیتل ہسٹیریائی انداز میں چلاّئی تھی۔

''آپ امورِ مملکت کو نہیں سمجھتیں ملکہ، آیئے میرے ساتھ کمرے میں چلیں۔'' مسز موریا، شیتل کو نرمی سے ہٹا لے گئیں اور پھر اس بوڑھی عورت نے اس پر کچھ ایسا جادو جگایا کہ واشنگٹن چھوڑنے سے قبل شیتل نے اسے ملازمت کی پیش کش کر دی۔ بحریت جیسے مُلک میں رہائش اختیار کرنے سے خوفزدہ مسز موریا نے پیرس میں بولیوارڈ میورس بیرز پر واقع ٹاؤن ہاؤس میں ہاؤس کیپر کی حیثیت سے ملازمت قبول کر لی۔ اُس کے علاوہ پورے ٹاؤن ہاؤس کا تمام اسٹاف فرانسیسی تھا۔ لیکن ان کی زبان نہ جاننے کے باوجود اس نے ہاؤس کا بہترین

انتظام کر رکھا تھا۔

دوسروں کے لیے وہ کچھ بھی تھی۔ لیکن شیتل کے لیے اس کی ذات ایک محفوظ چیز سے کم نہ تھی جو اپنی مالکن اور اس کے بچوں کی بے تحاشا وفادار تھی۔ اس لیے جب کوئی شخص بھی اس کے بارے میں کوئی غلط تبصرہ کرتا، شیتل کو غصہ آ جاتا تھا۔

شاید اس بار بھی وہ فریڈی کو کوئی جواب دیتی یا اسے بُری طرح ڈانٹ دیتی لیکن اسے اریبہ وی آئی پی لاؤنج سے نکل کر اپنی طرف بھاگتی ہوئی نظر آ ئی تھی۔

اریبہ آتے ہی اپنی سوتیلی ماں کے گلے میں جھول گئی اور فریڈی اپنی جان بچ جانے پر شکر ادا کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

''کیسی ہو جان؟'' شیتل نے رسانیت سے پوچھا۔

''کیا ہم فوری طور پر کہیں چل سکتے ہیں، آنٹی؟''

''ابھی؟ گھر کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' شیتل نے کلائی کی طلائی اور ہیرے جڑی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''نہیں، وہاں موریا موجود ہے۔'' اریبہ نے نفی میں جواب دیا۔ ''وہ ہماری باتیں سُن لے گی۔''

''تو پھر تمہارے اپارٹمنٹ پر چلتے ہیں۔''

''نہیں نہیں وہ اس سے بھی زیادہ غلط جگہ ہے۔''

''اچھا یہاں سے تو چلو۔'' شیتل نے اسے اس کی پیلی پیگوٹ کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''ہم وائنری ڈسٹرکٹ چل رہے ہیں۔'' اریبہ نے کار پارکنگ لاٹ سے نکالتے ہوئے کہا۔ ''وہاں ایک ریسٹورنٹ میں آرام سے بات ہو سکتی ہے۔ مالک مجھے جانتا ہے۔''

شیتل خاموش رہی تھی۔ ریسٹورنٹ کا مالک واقعی اریبہ کو جانتا تھا۔ اس نے دونوں کے لیے ایک الگ جگہ میز ڈلوا دی۔ جب ویٹر آرڈر سرو کر کے چلا گیا تو شیتل اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ہاں، اب بولو کیا مسئلہ ہے؟''

''ریکس ہولڈن!'' شیتل کی توقعات کے عین مطابق اریبہ نے اپنے محبوب کی بات ہی شروع کی تھی۔ ''میں آپ کو اس کے بارے میں بتا چکی ہوں آنٹی، ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ کو صدمہ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ آخر آپ نے بھی غیر مذہب ہونے کے باوجود پپا سے شادی کی تھی نا؟۔۔۔ وہ دوسروں سے بہت زیادہ مختلف ہے، آپ اسے پسند کریں گی۔''

''تو پھر تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟'' شیتل نے بدقت تمام پوچھا۔

''پپا!'' اریبہ نے جواب دیا۔ ''میں پریشان ہوں کہ جب انہیں ریکس کے بارے میں معلوم ہوا تو ان کا ردعمل کیا ہوگا؟ بشرطیکہ ابھی تک انہیں اس کی اصلیت معلوم نہیں ہے تو۔۔۔ وہ کم از کم شوہر کی حیثیت سے میرے لیے ریکس کا انتخاب نہیں کریں گے۔''

''ایزی، بے بی۔'' شیتل نے حیرت سے اپنی سوتیلی بیٹی کو دیکھا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تمہاری آزادی کے باعث وہ تمہارے لیے شوہر منتخب کرنے کی غلطی نہیں کریں گے بلکہ اس کے بجائے وہ کریم کے لیے دلہن ضرور تلاش۔۔۔''

''وہ امریکی ہے۔'' اریبہ نے شیتل کی بات کاٹی۔

''میں بھی تو بھارتی ہوں۔''

''آپ کی بات اور تھی آنٹی۔'' اریبہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ ساربون میں اکنامکس کا طالب علم ہے لیکن اس کا جرم یہ ہے کہ وہ سیاہ فام ہے۔''

''تمہارے والد کی تمام غلطیاں اپنی جگہ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ متعصب ہرگز نہیں۔''

''یہاں تک تو صحیح ہے۔'' اریبہ نے اپنی سوتیلی ماں سے اتفاق کیا۔ ''ریکس ایک انقلابی ہے اور حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتا ہے۔''

شیتل نے کافی کا مگ اٹھا کر اسے ہاتھ میں تھام لیا اور کئی لمحے اسے تکتی رہی۔ اب اس بات چیت سے وہ تھکنے لگی تھی۔ ''تو کیا ہوا؟'' بالآخر اس نے کہا۔ ''میں نے بہت سے نوجوان انقلابی دیکھے ہیں لیکن امریکہ اب بھی زندہ ہے۔''

''آپ سمجھ نہیں رہیں آنٹی۔'' اریبہ نے خالص سمجھانے والے لہجے میں کہا۔ ''وہ امریکی حکومت کا نہیں بحرینی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتا ہے۔ پپا کی خفیہ پولیس اور فوجی

ادارے اس کے تعاقب میں ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو، اریبہ۔" شیتل تقریباً چیخ اٹھی۔ "کیا وہ تنہا ہے یا کسی تنظیم کا رکن ہے؟"

"اس میں کئی قومیتوں کے سینکڑوں طلبا ملوث ہیں۔ وہ عموماً ایک مؤقف پر رضا مند نہیں ہوتے، لیکن اس ایک بات پر وہ سب متفق ہیں کہ پپّا اور ان کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔"

"اور تم جانتی ہو کہ وہ اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔" شیتل نے کہا۔

"وہ کوئی دہشت گرد نہیں۔" اریبہ نے اپنے محبوب کی حمایت کی۔ "وہ سیاسی دباؤ کے ذریعے حکومت کی تبدیلی کا خواہاں ہے۔ کیونکہ وہ پپا کی طاقت سے بخوبی واقف ہے۔"

"تو اس میں تمہاری پریشانی کہاں سے ٹپک پڑی اگر ایسی بات ہے تو ریکس واپس امریکہ چلا جائے۔ تم پہلے ہی اپنے والد سے بغاوت کر چکی ہو۔ تم بھی اس کے ساتھ سدھارو اور خوش خوش زندگی گزارو۔ تمہارے والد۔۔۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ پپا کی چہیتی بیوی ہو کر یہ کہہ رہی ہیں۔" اریبہ نے شیتل کی بات کاٹ دی۔ "اگر آپ ان کی قوت سے واقف نہیں تو پھر میں یہی کہوں گی کہ آپ نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ گذشتہ چند سالوں کے دوران آپ لوگوں میں جو خلیج حائل ہے اس کے بارے میں کم از کم میں تو بڑی اچھی طرح جانتی ہوں اور آپ اب بھی ان کی حمایت میں بیان داغ رہی ہیں۔"

"میرے اور شاہ کے تعلقات اب اتنے خفیہ نہیں رہ گئے کہ میں ان کی وجہ سے بلیک میل ہو جاؤں۔ ان دُوریوں کے باوجود کم از کم میری ذات اور آزادی پر کوئی حرف نہیں آیا۔"

"تو کیا میں سمجھ لوں کہ ریکس بھی آپ کی طرح محفوظ رہے گا؟" اریبہ نے پوچھا۔

"اس کا انحصار تم دونوں پر ہے۔" شیتل نے کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "گڑھے تم دونوں کے سامنے ہیں۔ چاہو تو ان میں چھلانگ لگا دو، چاہو تو کترا کے گزر جاؤ۔"

اریبہ نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن شیتل پلٹ کر خارجی دروازے کی طرف بڑھ چکی تھی۔

سالوں کی رفاقت سے شیتل اور ڈاکٹر روز لیزکس کے درمیان پیشہ ورانہ تعلق، دوستی میں بدل چکا تھا اب شیتل جب بھی پیرس آتی ڈاکٹر لیزکس سے ضرور ملتی بلکہ بسا اوقات تو وہ صرف ڈاکٹر سے ملنے ہی پیرس آتی تھی۔

جو بلی سے پہلے موجودہ ملاقات کے لیے شیتل نے بڑے سرسری سے لہجے میں رامیر سے پیرس میں رک کر کچھ شاپنگ کرنے کا بہانہ بنایا تھا کہ اس میں اریبہ اس کے ہمراہ ہو گی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جوبلی تقریبات کے لیے مختلف اقسام کے کم و بیش ساٹھ نئے لباس خریدنا چاہتی ہے۔

''خریداری کے بعد میں لباسوں میں ضروری تبدیلیوں اور فٹنگ کے لیے وہاں رکوں گی۔'' شیتل نے ڈنر پر اپنے شوہر کو آگاہ کیا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب تک چاہو رُکو۔'' رامیر کا جواب شیتل کے لیے غیر متوقع نہیں تھا۔

بعد میں ان دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب دونوں اپنے الگ الگ اپارٹمنٹس میں جانے کے لیے اٹھے تو شاہ نے اس کی راہ روک لی۔

''تم اب بھی ایک خوبصورت عورت ہو شیتل۔'' رامیر نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔'' کاش زندگی یوں تباہ نہ ہوئی ہوتی۔''

''میری یا آپ کی؟'' شیتل نے ہولے سے دریافت کیا۔

''دونوں کی۔''

''آپ کو اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ ہم نے ایک اچھا وقت گزارا ہے اور اب بھی ہمارا بہت اچھا خاندان ہے، ہمیں اُس کے لیے ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔''

''درست کہتی ہو۔'' رامیر نے اس سے اتفاق کیا۔'' میں آج بھی کریم کی پیدائش کا

دن نہیں بھولا ۔ وہ مستقبل کا اچھا بادشاہ ثابت ہوگا ۔ کیا تم پیرس سے واپسی پر اس سے ملاقات کروگی ۔''

''ہاں ۔'' شیتل نے جواب دیا۔'' اس کا انتظام ہو چکا ہے ۔ ارون، ریال سے آ کر جنیوا میں مجھ سے ملے گا اور پھر ہم دونوں کریم کے انسٹرکٹرز سے ملنے لی روزی جائیں گے۔''

رامیر کا چہرہ تن گیا۔

''مت بھولیں کہ ارون کا انتخاب اس وقت تک کے لیے کیا گیا ہے جب تک کریم کالج میں داخلہ نہیں لے لیتا۔'' شیتل نے فوراً صفائی پیش کی ۔'' اور وہ ابھی اسکول میں ہی ہے۔''

رامیر نے نظر بھر کر اپنی بیوی کو دیکھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

OO

پیرس سے جنیوا کی پرواز کے دوران فریڈی نے معمول کے مطابق مارٹینی کا پہلا گلاس شیتل کو پیش کیا تو وہ خاصی مضمحل سی تھی۔ پیرس میں اس کے دن بڑے بور گزرے تھے۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو محبتوں کا خراج وصول کرنا اور ادا کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن پیرس میں اس خراج کی ادائیگی یا وصولی کے لیے کوئی اس کے ہمراہ نہ تھا۔ ڈاکٹر لیز کس نے بھی اُس کی اس کمزوری کو ڈھونڈ نکالا تھا۔

''تم محبتوں کے معاملے میں ابنارمل ہو۔'' ڈاکٹر نے فتویٰ دیا تھا۔ ''تم لوگوں کو ان کی اوقات سے بڑھ کر نوازنا چاہتی ہو۔''

''لیکن ارون تو دوسرے مردوں جیسا نہیں۔'' اس کے دل کا چور بول اٹھا۔

''شاید نہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''میں غیب کا علم تو نہیں رکھتی لیکن جب تم خود کو مکمل طور پر بدلو گی پھر پتا چلے گا وہ کس شے کا بنا ہوا ہے؟''

اور اب ارون اور جنیوا سے کچھ ہی دیر کی مسافت پر وہ ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ ارون کے بارے میں اس کا اعتماد کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ جلد ہی ارون کا امتحان ہونے والا تھا۔

لیکن سوال یہ نہیں تھا کہ وہ پہلے ہی ارون کو اتنا کچھ دے چکی تھی جتنا کبھی اس کے خواب وخیال میں بھی نہ رہا ہوگا۔ اصل سوال یہ تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں ارون اُس کا ساتھ دے گا؟ مستقبل قریب میں وہ جو فیصلہ کرنے جا رہی تھی کیا ارون اس فیصلے کی روشنی میں اس کی زندگی میں شامل رہے گا یا نہیں؟

سوچنے کا مقام یہ تھا کہ خود شیتل کو کیا کرنا چاہیے۔ اریبہ نے رامیر کی خفیہ پولیس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کے پیش نظر شیتل کو ارون کی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ اسے یاد تھا کہ سینٹ موریز میں دونوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے بعد رامیر نے اس سے کہا تھا کہ وہ دوست بنانے کے شاہی حق کو کبھی اپنی ملکہ کے لیے پسند نہیں کرے گا اور اب اگر اسے

ارون کے ساتھ شیتل کی دوستی ۔۔۔جس کے بارے میں اُسے یقین تھا کہ رامیر جانتا ہے ۔۔۔کا علم ہُوا تو وہ اس کے خاتمے کے لیے کیا اقدامات کرے گا۔ ممکن تھا کہ جب رامیر کو اپنی بیوی کے مستقبل کے منصوبوں کی بھنک پڑتی تو وہ ارون کے قتل کے احکامات صادر کر دیتا۔

شیتل نے گھبرا کر اپنا کوٹ جسم کے گرد کس لیا۔ لیکن یہ حرکت سردی کے باعث نہیں، اضطرار کے باعث تھی ۔ اگر اریبہ کے خدشات درست تھے تو ارون کو مستقبل کے خطرات سے ہوشیار کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ اس پر زور دیتی کہ وہ بحریت چھوڑ دے۔ بعد میں کسی مناسب وقت پر وہ اس سے دوبارہ مل سکتی تھی ۔ بشرطیکہ وہ رامیر کا ساتھ دینے کا فیصلہ نہ کرے۔۔۔۔

OO

''کریم بہت پریشان ہے یورمیجسٹی۔'' ارون کپور نے ڈرائیور کی موجودگی کے باعث نہایت احترام سے شیتل کو مخاطب کیا تھا۔ وہ دونوں سیاہ رنگ کی لیموزین کی پچھلی نشست پر براجمان تھے۔

ارون کپور نے جنیوا ائرپورٹ پر شیتل کا استقبال کیا تھا۔ اور اب دونوں شہزادہ کریم سے ملنے لی روزی جارہے تھے۔

''کیوں؟'' شیتل نے دریافت کیا۔

''میں نے پوچھنے کی کوشش کی تھی۔'' ارون نے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مگر وہ چھپا رہا ہے۔''

شیتل نے جواب دینے سے پہلے بٹن دبا کر اپنے اور ڈرائیور کے درمیان ساؤنڈ پروف شیشہ چڑھا دیا تھا۔

''پریشانی کی وجہ کوئی لڑکی تو نہیں؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم اُس سے بات کر کے دیکھو، تمہیں یقیناً بتا دے گا۔'' شیشہ چڑھتے ہی ارون کا لہجہ بدل گیا تھا۔

شیتل نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ کریم سے پوچھنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ وہ بار بار سوچتی رہی کہ ارون کو رامیر کی خفیہ پولیس کے بارے میں آگاہ کرے، لیکن کوئی فیصلہ نہ کر پائی اور اسی شش و پنج میں کریم کا اسکول آ گیا۔

کریم نے گرم جوشی سے گلے مل کر اپنی ماں کا استقبال کیا۔ اور پھر اسے کھینچتا ہوا لان کے ایک تنہا گوشے میں لے گیا۔ اُس نے جو راز کی بات شیتل کو بتائی اسے سُن کر وہ سناٹے میں آ گئی تھی۔

''ایسی باتیں تمہیں کون بتاتا ہے۔'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''جیسپر ممی۔'' کریم نے مسمی صورت بنا کر جواب دیا۔ ''وہ امریکی میرا کلاس میٹ ہے۔ گزشتہ ہفتے ہی وہ سویڈن سے آیا ہے۔ اس نے یہ بات اپنے ماں باپ سے سُنی تھی۔''

''کیا؟''

''کہ۔۔۔کہ۔۔۔ پپّا کی کسی اور عورت سے دوستی ہے۔'' کریم نے اٹکتے ہوئے کہا۔

شیتل نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ ''دیکھو کریم؟'' اس نے بیٹے کے رخسار کو بوسہ دیا۔ ''ہماری شادی کو پندرہ سال ہو گئے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض مرد کسی دوسری عورت سے دوستی۔۔۔''

''لیکن۔۔۔''

''خاموش رہو۔'' شیتل نے اسے ڈانٹا۔ ''اگر یہ بات درست بھی ہے تب بھی وہ عورت میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ جس طرح میں نے اپنی آنکھیں اور کان بند کر رکھے ہیں، تم بھی کر لو۔''

''ممی!'' کریم کی آنکھیں بھر آئیں۔ ''وہ عورت، پپّا لارسن یہاں سوئٹزرلینڈ میں موجود ہے۔ پپّا نے اسے لاوسن میں الگ مکان لے کر دیا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور پپّا اور اس عورت کا ایک بیٹا بھی ہے۔۔۔ پپّا گزشتہ ہفتے بھی اسی کے ساتھ تھے۔''

''ناممکن۔'' شیتل لرزتی آواز میں بولی۔ ''تمہارے پپّا گزشتہ ہفتے برسلز میں تھے۔ کیا تم نے اخباروں میں ان کی خبریں اور تصویریں نہیں دیکھیں؟''

''میں جانتا ہوں ممی، پپّا گزشتہ ہفتے برسلز میں تھے۔ اس سے پہلے لندن اور بون اور اس سے بھی پہلے روم میں تھے۔ لیکن ہر بار وہ سوئٹزرلینڈ بھی رکے تھے۔ اپنے بیٹے اور دوسری بیوی سے ملنے۔۔۔''

شیتل نے کریم کو تو جیسے تیسے مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن خود وہ طوفان میں گھری کشتی کی طرح واپس آئی تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی گر پڑے گی۔ ارون نے بڑھ کر اسے سہارا دینا چاہا لیکن وہ اسے جھٹک کر عقبی سیٹ پر گر گئی۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ ارون کو سب احوال کہہ سنایا تھا۔

''تم غلطی کر رہی ہو جان۔'' ارون نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''جو کچھ کریم نے

سُنا، وہ غلط بھی تو ہوسکتا ہے۔''

''نہیں۔'' شیتل نے زور دے کر کہا۔'' رامیر کی دوستیوں کی کہانیاں میں پہلے بھی سن چکی ہوں لیکن اس بار صُورتِ حال مختلف ہے۔ اس نے اس عورت کے لیے الگ گھر لیا ہے۔۔۔ دونوں کا ایک بچّہ بھی ہے مجھے یہ کوئی اخلاقی اور جذباتی بندھن لگتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو بلکہ۔۔۔''

''ایسا ہی ہے، میں اس کا پتا چلاؤں گی۔'' شیتل نے پُرعزم لہجے میں کہا۔'' اگر رامیر دُنیا میں کسی عورت سے پیار کرسکتا ہے تو وہ صرف میں ہوں، اگر دنیا میں اس کا کوئی بچّہ ہوسکتا ہے تو وہ صرف میرا ہوگا۔''

''مگر تم تو اس سے پیار نہیں کرتیں۔''

''کرتی تھی۔۔۔ بہت زیادہ کرتی تھی۔۔۔ میں نے اُس کے ہوتے ہوئے کسی اور کا تصوّر بھی نہیں کیا تھا۔ میرے اعتماد کو پہلے اس نے ٹھیس پہنچائی تھی۔ زخمی کرنے میں اُس نے پہل کی تھی اور تم جانتے ہو نا کہ زخمی عورت، ناگن سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔''

شیتل نے ڈرائیور کو وہ پتا بتا دیا تھا، جو کریم نے اسے دیا تھا۔ جونہی کار اس کے مطلوبہ مکان کے سامنے رکی وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔

''میں بھی تمہارے ساتھ آرہا ہوں۔''

''یہ تمہارا نہیں، میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں اپنی ذات کے مسائل خود حل کرنا پسند کرتی ہوں۔''

OO

سادے سے انداز میں سجے ہوئے کمرے میں وہ تنہا تھی۔ سفید کپڑوں میں ملبوس ملازمہ جس نے اسے اندر آنے کی دعوت دی تھی کئی منٹ پہلے گھر کے مکینوں کو خبر دینے اندر چلی گئی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے دریافت کیا تھا۔

''کیا بتاؤں کہ کون ملنے آیا ہے؟''

''شیتلا کملاوتی موہن۔''

ملازمہ کے جانے کے بعد شیتل نے ایک کرسی پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ انتہائی سادہ چیزیں اور سادہ آرائش تھی۔ وہ کسی طور بھی کسی بادشاہ کی رہائش گاہ کا حصہ نہیں لگتا تھا۔ شیتل اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دیتی رہی، دعائیں مانگتی رہی کہ کریم کی بات غلط ہو۔ وہ اطمینان کے قریب تھی کہ اس کی نگاہ کارنس پر رکھی ایک تصویر پر ٹک گئی اور اس پر جیسے بجلی گر پڑی تھی۔ رامیر ایک بچے کے ہمراہ قہقہہ لگا رہا تھا۔ شیتل کی نظروں کے سامنے دُھند چھا گئی۔ شاید وہ رو دیتی لیکن ایک نسوانی آواز نے اسے مڑنے پر مجبور کر دیا۔

''مسز کملاوتی؟'' آواز عقب سے آئی تھی۔ شیتل نے کرسی کا سہارا لے کر مڑنے کی کوشش کی۔

''یور میجسٹی!'' اس عورت کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ شیتل نے ایک طویل قامت سفید فام عورت کو دروازے میں کھڑے دیکھا۔ ''اوہ مائی گاڈ! پلیز۔۔۔ یور میجسٹی ۔۔۔ ملازمہ نے مجھے نہیں۔۔۔ بتایا تھا۔۔۔'' جملے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ اور شیتل بڑے غور سے پیا لارسن نامی اس عورت کو دیکھ رہی تھی جس نے اس کے حقوق پر پہلا باضابطہ ڈاکا ڈالا تھا۔

''ہماری خواہش تھی کہ آپ کبھی ہمارے بارے میں نہ جان سکیں۔'' بالآخر پیا لارسن نے اپنی حالت پر قابو پا کر کہا۔

''لیکن میں دوسروں کے بارے میں ضرور جاننا چاہتی ہوں۔'' شیتل نے روکھے پن سے جواب دیا۔ ''تم کون ہو؟''

''کوئی خاص شے نہیں۔'' پیا لارسن کی خود اعتمادی لوٹ آئی تھی۔ ''میں خوبصورت ہوں نہ جوان۔ آپ کو یہاں شاہی دبدبے اور دولت کی ایک جھلک بھی نظر نہ آئے گی۔ میں اور ایرک ایک تنہا اور پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی لیے جب انہوں نے مجھے آپ اور دوسری دوستوں کے بارے میں بتایا تو کوئی دکھ نہ ہوا۔''

''ایرک؟'' شیتل کی ڈوبتی آواز ابھری۔

''ہمارا بیٹا، وہ اس وقت سو رہا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ اس سے نہ ملیں۔'' پیا لارسن نے عجیب سے انداز سے کہا۔ ''میں پیشہ ور اکنامسٹ ہوں، شاہ ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے اسٹاک ہالم آئے تھے۔ مجھے ان کی رابطہ آفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ آپ اُن دِنوں افریقہ کے جنوبی علاقے کے دورے پر تھیں لیکن وہ آپ کا ذکر بڑے فخریہ انداز میں کرتے تھے۔۔۔ مگر آپ کو ہمارے بارے میں بتایا کس نے؟''

''میرے بیٹے نے۔'' شیتل نے ناگواری سے کہا۔ ''یہ فسانے اُس کے ہم جماعتوں کی زبان پر ہیں، مجھے بتاؤ کہ۔۔۔''

''میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' پیا لارسن نے حتمی انداز میں کہا۔ ''انہیں خبر ہوئی تو وہ بے حد ناراض ہوں گے اور میں اور ایرک ان کی ناراضی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔''

''تب پھر میں اس سے سب کچھ پوچھ لوں گی۔'' شیتل نے جھٹکے کے ساتھ کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ایک بات یاد رکھنا پیا! میری یہاں آمد کے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیے کسی کو۔ میں اپنے بیٹے کو سمجھا دوں گی کہ اس نے جو کچھ سنا وہ محض ایک جھوٹ تھا۔ میں خود کیا کرنا چاہتی ہوں یہ آنے والا وقت بتائے گا۔''

پیا لارسن اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور کھٹ کھٹ کرتی کار کی جانب چل دی۔ اروِن اس کا منتظر تھا۔

OO

''مجھے پیا کو دیکھ کر بے حد افسوس ہوا ہے۔'' شیتل نے اروِن کو بتایا۔ دونوں اس وقت ریال واپسی کے لیے جہاز پر سوار تھے۔ اور کھانا دونوں کے درمیان میز پر پڑا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ محبوب پہلے سے شادی شدہ اور مفرور باپ ہو، وہ ایک اچھی خاتون ہے، لیکن اس کے ساتھ سلوک بہت بُرا ہو رہا ہے۔''

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''پیا اور ہز میجسٹی ایک قیدی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ''کم از کم میں قیدی تو نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے کسی مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور اب بھی کیا جا رہا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کیوں اور کیسے اور مجھے اسی کا پتا چلانا ہے۔''

''کیا تم نے کوئی خاص پروگرام ترتیب دیا ہے؟'' اروِن نے دریافت کیا۔

''ہاں، لیکن میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پیا کا راز آشکار ہونے سے حکمت عملی ذرا تبدیل ہو گی اور اب میں رامیر کو تکلیف پہنچاؤں گی۔ اسے پریشان کروں گی۔ اُسے۔۔۔''

''شش۔۔۔'' اروِن نے اسے خاموش کرا دیا۔ ''فریڈی تمہارے عقب میں موجود ہے۔ ہم رات کو تنہائی میں اس پر بات کریں گے۔''

رات کو انہیں تنہائی ضرور ملی لیکن دونوں میں سے کسی نے منصوبے پر کوئی بات نہیں کی۔

OO

فاروق مُردوں کی طرح بستر پر پڑا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا اور سلمٰی قاہرہ کے شیرٹن ہوٹل کی کھڑکیوں سے شہر کا نظارہ کر رہی تھی۔

وہ بمبئی سے ریال جاتے ہوئے قاہرہ میں رُکی تھی۔ اس پروگرام کا پہلے سے کوئی شیڈول نہیں تھا۔ اس کے باوجود کہ وہ اور فاروق گزشتہ دو ماہ سے ایک دوسرے سے دُور تھے، اس کی کوئی خواہش نہیں تھی کہ وہ اسے ڈسٹرب کرے۔ ان دونوں کے درمیان یہ معاہدہ موجود تھا کہ فاروق جب بھی کسی لوکیشن پر ہوگا، وہ اسے پریشان نہیں کرے گی۔

فاروق دو ماہ سے قاہرہ میں ''خودسر'' نامی فِلم کی شوٹنگ کر رہا تھا جو آکاش اسٹوڈیوز اور ایک مصری فلم ساز کی مشترکہ پروڈکشن تھی۔ شروع میں تو فلم ٹھیک ٹھاک رہی لیکن بعد میں اطلاعات ملنی شروع ہوئیں کہ فاروق فلم کے نام پر گل چھرے اڑا رہا ہے اور آکاش اسٹوڈیوز کا پیسہ اس مصری حسینہ پر لٹا رہا ہے جو ''خودسر'' کی ہیروئن تھی۔

اسٹوڈیوز کے مالکان نے سلمٰی فاروق کو ہدایت کی تھی کہ وہ ریال جاتے ہوئے کچھ دن قاہرہ میں رک کر اپنے شوہر کے کام کا جائزہ لے اور انہیں مکمل رپورٹ فراہم کرے کہ کیوں نہ اس فضول خرچی کی پاداش میں اسے فلم سے الگ کر دیا جائے۔

سلمٰی نے گزشتہ تین دنوں میں مختلف لوکیشنز پر جا کر اپنے شوہر کی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ مالکان کی اطلاع غلط نہیں۔ فاروق واقعی ان کی دولت بے دردی سے لٹا رہا تھا۔ جب اس نے فاروق سے اس مسئلے پر بات کی تو اس نے اسے غلط رنگ میں لیا تھا۔

''مجھے اپنی بیوی کے مُنہ سے یہ سب سن کر حیرت ہوئی ہے۔'' گزشتہ شب اس نے سلمٰی کے الزامات کے جواب میں کہا تھا۔

''فاروق۔'' سلمٰی نے اس کے لہجے پر حیرت کا اظہار کیا ''میں تمہاری بیوی ہوں، لیکن

آ کاش اسٹوڈیوز کی چیف ایگزیکٹو بھی ہوں اور تم جانتے ہو کہ یہ فلم آ کاش اسٹوڈیوز کے بینر تلے بن رہی ہے۔اس لیے میں مجاز ہوں کہ۔۔۔''

''تمہیں تو میری طرف سے لڑنا چاہیے۔'' فاروق نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔'' پیسے کے ان خداؤں کو سمجھاؤ کہ میں فن کار ہوں، گوشت پوست کا اور یہ فلم انڈسٹری ہے۔ جُوتوں کا کاروبار یا اسٹاک مارکیٹ نہیں۔''

''میں ہمیشہ تمہارے حقوق کے لیے لڑی ہوں۔'' سلمیٰ نے جواب دیا۔'' اب بھی لڑ رہی ہوں اور آئندہ بھی لڑوں گی لیکن خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔''

''میں تھک گیا ہوں ڈارلنگ۔'' فاروق نے ایک بدلے ہوئے انداز میں کہا۔'' میں چاہتا ہوں کہ ایک ہفتے کے لیے پروڈکشن بند کر کے تمہارے ساتھ ریال چلوں۔ آرام کے بعد واپس آؤں گا تو مجھ میں نئی توانائیاں ہوں گی اور پھر میں بہتر انداز میں کام کر سکوں گا۔ اور تم جب واپس اسٹوڈیوز جاؤ تو اپنے ناخُداؤں کو بتا دینا کہ میں کوئی عام آدمی نہیں جسے اتنی آسانی سے تبدیل کر دیا جائے۔''

سلمیٰ فوری پر خاموش ہو گئی تھی۔

''جو کچھ میں نے کہا ہے شاید تم اسے سمجھ نہیں سکے۔'' اُس نے ذرا سے توقف کے بعد کہا۔'' ہم 'خودسر' کے اخراجات کم کرنے کی بات کر رہے ہیں، کسی سمر کیمپ پر جانے کی نہیں۔''

''تو پھر تم فیصلہ کر لو کہ کس کا ساتھ دو گی؟''

''تمہارا اور کس کا؟'' سلمیٰ چیخ اٹھی تھی۔'' آخر میں تمہاری بیوی ہوں۔''

''تو پھر اپنے آقاؤں کو بتا دو کہ تم میرے کام سے مطمئن ہو، انہیں یقین دلاؤ کہ 'خودسر' بھارتی فِلم انڈسٹری میں نئے ریکارڈ قائم کرے گی۔''

''فاروق! کیا کہہ رہے ہو تم؟'' سلمیٰ نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔'' مم۔۔۔ میں ۔۔۔ اتنا بڑا جھوٹ کس طرح بول سکتی ہوں؟''

''نہیں بول سکتیں تو جہنّم میں جاؤ۔'' فاروق نے چڑ کر کہا اور سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

اب سلمٰی جانے کو تیار تھی لیکن جہنم میں نہیں، ریال جانے کے لیے۔شہر کا نظارہ کرتے ہوئے اس نے نیچے پارکنگ لاٹ میں دیکھا۔ پورٹر ہوٹل کی گاڑی میں اُس کا سامان رکھ رہا تھا۔اس نے گھڑی دیکھی۔صبح کے ساڑھے چھ بجے تھے۔سلمٰی نے سوئے ہوئے فاروق پر الوداعی نگاہ ڈالی اور اپنا پرس اُٹھا کر خارجی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ایک گھنٹے بعد کویت ائر ویز کا طیارہ دوسرے مسافروں کے ساتھ آ کاش اسٹوڈیوز کی پروڈکشن ہیڈ سلمٰی فاروق کو لے کر ریال پرواز کر چکا تھا۔ جہاں وہ اپنی بہترین سہیلی ملکۂ بحریت شیتل رامیر سے ملنے جا رہی تھی۔

OO

سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تھا۔ فلائٹ میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا تھا۔ لیکن وجیتا کا میک اَپ تھا کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ اس عمر میں بھی وہ یوں بن ٹھن کر نکلا کرتی تھی جیسے ابھی سولہویں سال میں قدم رکھا ہو۔

''وجیتا۔'' سوہن کلکرنی نے کوئی دسویں مرتبہ اسے پکارا۔ ''اب آ بھی چکو، تمہیں علم ہے کہ ہم نے فادر فلین کو بھی گرجے سے پک کرنا ہے۔ فلائٹ اگر مس ہوگئی تو پھر تین روز مزید انتظار کرنا پڑے گا۔''

''آ رہی ہوں۔'' وجیتا نے جواب دیا اور بالوں میں کلپ لگاتی باہر نکل آئی۔ ''کیوں بلاوجہ شور مچا رکھا ہے۔''

سوہن نے جلدی جلدی نوکر کو ضروری ہدایات دیں اور گاڑی میں آ بیٹھا۔ وجیتا کو اس نے دوسری سمت سے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔

یہ شیتل کی خواہش تھی کہ وجیتا اور سوہن کلکرنی، فادر فلین کو اپنے ہمراہ ریال لے کر آئیں۔ وجیتا بہت سی وجوہات کے باعث فادر فلین کو ناپسند کرنے لگی تھی لیکن شیتل نے حالیہ خط میں انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ تینوں اکٹھے سفر کریں۔

فادر فلین، روانگی سے ایک روز قبل سری نگر سے دہلی آ گئے تھے۔ اور پارش ہاؤس نامی یتیم خانے میں مقیم تھے جو ایک مقامی گرجے کے زیرِ انتظام چل رہا تھا۔

فادر فلین انہیں تیار ملے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وجیتا کلکرنی، ائر انڈیا کے طیارے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے پیچھے رہنے کا ہرگز تکلف نہیں کیا تھا جو 65 سالہ فادر فلین کو سہارا دے کر اوپر لا رہا تھا۔

OO

ہوٹل تاج محل کے جگمگاتے ڈائننگ ہال میں جھلملاتے لباسوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ فِلم انڈسٹری کے تمام بڑے نام اور معروف چہرے وہاں جمع تھے۔تقریب، آدی نارائن کا لنچ تھا جو اُس نے ماضی کے سُپر اسٹار انیل کمار کے اعزاز میں دیا تھا۔اس کے باوجود کہ میزبان آدی نارائن تھا، انیل پہلے ہی آ کر ایک کارنر ٹیبل سنبھال چکا تھا چنانچہ خود آدی جب ہال میں داخل ہوا تو انیل نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔

''کیسے ہو، اولڈ بوائے؟'' آدی نارائن نے خوش دلی سے ہاتھ ملایا۔

''اولڈ بوائے؟'' انیل نے جواب میں قہقہہ لگایا۔''ویسے یہ بھی شکر ہے کہ تم نے مجھے لڑکوں کی فہرست میں تو شامل رکھا۔''

''دنیا جانتی ہے انیل۔'' آدی نارائن نے اس کا ساتھ دیا''تم اب بھی کسی جوان سے کم نہیں۔اسی لیے تو ملکہ نے تمہیں بھی دعوت دی ہے۔''

''فکر نہ کرو میں لڑائی کے لیے تیار ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' آدی نارائن نے حیرت سے پوچھا۔

''چھوڑ و یار، کیوں بے وقوف بناتے ہو؟'' انیل نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔''ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ہم دونوں ہی شیتل سے کچھ نہ کچھ چاہتے ہیں لیکن حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ ہم اس کی کیا ضرورت پوری کر سکتے ہیں؟''

''تم نے کس بات سے اندازہ لگایا کہ وہ ہم سے کچھ چاہتی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے اس نے ہمیں شکلیں دیکھنے کے لیے بلایا ہے۔'' انیل نے جواب دیا۔''پندرہ سال بعد اس نے ہمیں فرسٹ کلاس کے ٹکٹ محض اس لیے بھجوائے ہیں کہ ائر انڈیا اور بحریت ائرویز کے بزنس میں اضافہ ہو سکے؟ نہیں۔۔۔یہ بات نہیں۔۔۔میں نے اُن کے شاہانہ جاہ و جلال میں بہت سی دراڑوں کی خبریں سُنی ہیں۔ہو سکتا ہے ایسی ہی

کوئی دراڑ بھرنے کے لیے ہمیں بلایا جا رہا ہو۔"

"تمہارا ذہن بہت گندا ہے، انیل۔" آدی نارائن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے دعوت نامے کے بارے میں کیا کہو گے؟"

"اس پر مجھے حیرت ہے، تم اسے کیا دے سکتے ہو؟ اب تو تمہارے پاس دیوی کے قدموں پر نچھاور کرنے کو کوئی بادشاہت نہیں، لیکن ۔۔۔" انیل چند ثانیے رُکا اور پھر گویا ہوا "۔۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں پسند کرتی ہو۔"

"شکریہ۔" آدی نارائن نے اپنے اور انیل کے گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ جو کچھ مانگے گی میں اُسے دینے کو تیار ہوں۔"

"تم نے خواب دیکھنے شروع کر دیے ہیں۔" آدی نارائن نے اسے چڑایا۔

"لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔" انیل کمار نے جام اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ریال کے نام! تم بے شک کھڑکی والی سیٹ پر بیٹھے رہنا لیکن جہاز سے اترنے والا میں پہلا مسافر ہوں گا۔"

OO

نیو یارک کے ہوٹل روز ویلٹ کے بارہویں فلور کا کوریڈور خالی پڑا تھا۔ ایلیویٹر کا دروازہ کھلا اور تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک باوقار شخص باہر آ کر کمرہ نمبر 1215 کی بڑھا جو آخری سرے پر واقع تھا۔

دروازے کے سامنے رُک کر آنے والے نے گھڑی دیکھی۔ سہ پہر کے ٹھیک تین بجے تھے۔ اس نے دستک دی اور چند ثانیوں میں ہی دروازہ کھل گیا۔

''آؤ میرے دوست، میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' دروازے پر نمودار ہونے والے شخص جو ڈاکٹر گوتم نیلا مبر کے علاوہ کوئی اور نہ تھا، نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری حیثیت کے آدمی کو دروازے پر کھڑے ہو کر انتظار کی زحمت اٹھاتے زیب نہیں دیتا۔''

آنے والا ورما چند تھا۔ جسے دُنیا بھارت کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے جانتی تھی۔ وہ جنرل اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے ان دنوں نیو یارک میں تھا۔ کل رات ہی اسے نئی دہلی سے بھارتی وزیر اعظم کا ایک فون موصول ہوا تھا جس میں اسے وزیر اعظم کا خصوصی پیغام لے کر ڈاکٹر گوتم نیلا مبر کے پاس جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ڈاکٹر گوتم اقوامِ متحدہ کی سائنٹیفک کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے نیو یارک آیا ہوا تھا اور ہوٹل روز ویلٹ کے کمرہ نمبر 1215 میں مقیم تھا۔ بھارتی وزیر اعظم نے ملاقات کو خفیہ ترین رکھنے کی ہدایت بھی کی تھی۔

''کیا پیو گے، دوست؟'' گوتم نے ورما چند کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''کچھ نہیں، پیارے میں تمہارا تھوڑا سا وقت لوں گا۔'' ورما چند نے صوفے میں دھنستے ہوئے جواب دیا۔

گوتم اس کے پاس بیٹھنے کے بجائے ملحقہ بیڈ روم میں گھس گیا۔ ورما چند کچھ دیر تو انتظار کرتا رہا لیکن پھر وہ بولے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''گوتم!'' اُس نے بلند آواز میں اُسے پکارا۔ ''اگر تم چند منٹ مجھے دے دو تو بھارتی صدر، وزیراعظم، ان کی کابینہ، پارلیمنٹ کے دونوں ایوان اور پوری بھارتی قوم تمہاری ممنون ہوگی۔ میں ایک اہم موضوع پر تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ایک منٹ ٹھہرو، ورما۔'' گوتم نے وہیں سے آواز لگائی۔ ''مجھے پیرس سے گیتا کو پک کرنا ہے۔ اس کی کوئی چیز یہیں رہ گئی تو وہ مجھے کچا چبا جائے گی۔''

ظاہر ہے، ورما کے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن یہ بھی شکر ہوا کہ وہ چند ہی منٹ میں باہر نکل آیا تھا۔

''ہاں اب بولو کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے ورما چند کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''تم جانتے ہو کہ شاہ رامیر نے بھارت سے نئے فوجی ہتھیار فراہم کرنے کو کہا ہے۔'' ورما چند نے کسی تمہید کا تکلف نہیں کیا تھا۔ ''امریکہ اور روس کو تو اس نے جوتے کی نوک پر رکھا ہوا ہے۔ اب اس کا سہارا ہم ہی ہیں، جن سے وہ اسلحہ خریدتا ہے اور ہم بھی اسے صرف پندرہ فیصد اسلحہ اپنے ملک کا ساختہ دیتے ہیں۔ باقی سارا امریکی اور روسی اسلحہ ہی فراہم کیا جاتا ہے۔ اب شاہ نے شور مچانا شروع کر دیا ہے کہ اسے اپنے بعض پڑوسی ممالک سے خطرہ ہے حالانکہ اصل خطرہ اس کی اپنی سرحدوں کے اندر پل رہا ہے۔ اس وقت اُس کے پاس دنیا کے مہلک ترین ہتھیار موجود ہیں لیکن وہ روز بہ روز ہتھیاروں کے معاملے میں لالچی ہوتا جا رہا ہے۔

گوتم نے دو تین بار اثبات میں سر ہلایا لیکن زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

''۔۔۔ پہلے تو ہم اس کے مطالبے بلا حیل و حجت پورے کرتے رہے ہیں، لیکن اب صورت حال ذرا مختلف ہے۔۔۔'' ورما چند نے اپنی بات جاری رکھی ''بھارت اندرونی طور پر خانہ جنگی کا شکار ہے لیکن اس سے زیادہ خطرناک صورت حال بھارت کی مغربی سرحدوں پر رونما ہو رہی ہے۔ پڑوسی ملک نے روس کی دھمکیوں کو بنیاد بنا کر امریکہ سے بے تحاشا اسلحہ خریدا ہے۔ اور وہ بحیرۂ عرب کے ساتھ ساتھ خلیج کے علاقے میں ایک طاقت ور

حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ بھارت اس صورت حال میں خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا۔ دوسری جانب ہماری نوجوان پود ہے۔ انتخابات سر پر ہیں اگر ہم بحریت کو اسلحہ فراہم کر دیتے ہیں تو وہ یقینی طور پر اسے ہمارے خلاف انتخابی اسٹنٹ کے طور پر استعمال کرے گی۔ حزب اختلاف کی ساری جماعتیں اس مخالفت میں نوجوانوں کا ساتھ ہی نہیں دیں گی بلکہ رہنمائی بھی کریں گی۔ اور ہم اس مخالفت کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، کیونکہ آخر وہ بھی انسان ہیں۔''

''اگر تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔'' ڈاکٹر گوتم نے ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ورماچند نے اس کی مسکراہٹ پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

''پندرہ سال پہلے شاہ نے بھارتی ہیروئن سے شادی کر کے بے شک ہمارے عوام کے دل جیت لیے تھے۔ اُس وقت اسلحے کی فروخت کا جواز بھی شیتل کلکرنی بن گئی تھی۔ لیکن اب لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم ایک ڈکٹیٹر کی مدد کر کے جواب میں کیا حاصل کر رہے ہیں۔''

''وہ کیا لینا پسند کرتے ہیں؟'' گوتم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ بھارت خلیج کے علاقے میں پولیس مین کا کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس علاقے میں اپنے قدم مضبوط کریں۔ ہمارے پاس صرف ایک طیارہ بردار جہاز ہے جس سے اتنے بڑے سمندر کی نگرانی ممکن نہیں۔ لیکن اگر بحریت کے ساحلوں پر بھارت کو کوئی فوجی اڈہ مل جائے تو ہمارا مقصد حل ہو جائے گا۔''

''اوہ۔'' گوتم نے حیرت سے کہا۔ ''بھارت اس قابل ہو گیا کہ دوسروں کی سرزمین پر اڈے قائم کر سکے۔ اپنے ملک سے تو خانہ جنگی اور علیحدگی پسند تحریکوں کا خاتمہ نہیں کر سکے اور چلے ہو بحریت پر ترنگا لہرانے۔''

''غلط سمجھے۔'' ورماچند نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا ''میں بحریت میں بھارتی فوجی اڈے کی بات کر رہا ہوں جہاں بھارتی فوجی اور بھارتی آلات، بھارتی کنٹرول میں کام کریں اس طرح ہم اپنے لوگوں کو بھی مطمئن کر لیں گے۔''

''تو اس سلسلے میں، مَیں کیا کر سکتا ہوں؟'' گوتم نے رُکھائی سے کہا۔ ''کیا امیر اور اس کے مشیروں کو کہوں کہ بحریت کے ایک ٹکڑے کے حقوق تمہارے نام منتقل کر دیں؟''

''بات کو مذاق میں مت اُڑاؤ، گوتم۔''

''تم سب لوگوں کا دماغ خراب ہوگیا ہے؟'' گوتم ہتھے سے اکھڑ گیا۔ ''تم لوگوں کو قوم کا اتنا ہی درد ہے تو ملک سے غربت ختم کرو، خانہ جنگی ختم کرو، علیحدگی پسندوں کے ساتھ مل کر کوئی درمیانی راہ تلاش کرو، اپنے پھٹے ہوئے گریبان کو سینے کے بجائے دوسروں کے گریبان مت کھولو۔ تمہارے اپنے گھر میں کھانے کو اناج نہیں اور چلے ہو دوسرے ملکوں کی سرزمین پر بھارتی فوجی اڈے قائم کرنے ۔۔۔ تم اور تمہارے اعلیٰ افسران احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔''

''پلیز، گوتم!'' ورما چند باقاعدہ التجاؤں پر اُتر آیا۔ ''اگر تم ناکام ہوگئے یا میری مدد سے مُنکر رہے تو میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو جائے گا اور اس مرحلے پر اگر میرا سیاسی بُت ٹوٹا تو ذاتی طور پر میں ایسے بحران کا شکار ہو جاؤں گا کہ مجھے سزائے موت بھی ہوسکتی ہے۔''

''تو یوں کہو، تم اپنا سر بچانے کے لیے، دوسرے کا سر کچلنا چاہتے ہو۔'' گوتم نے طنزاً کہا۔

''جو بھی سمجھ لو، گوتم۔'' ورما چند نے اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''صورتِ حال میں نے تمہیں بتا دی اب میری عزّت تمھارے ہاتھ میں ہے۔''

OO

بحریت کی حدود میں ملکہ کی نگرانی پر متعین دو سادہ لباس آفیسرز اپنے شاہی چارج سے چند قدم دور ٹہل رہے تھے۔ احمد نامی آفیسر کی داڑھی تھی جب کہ مونی کلین شیو تھا۔

ریال ائر پورٹ کی رصدگاہ کے بڑے بڑے شیشوں سے ان کی نگاہیں ٹکرا کر واپس ملکہ پر آ ٹھہرتیں۔ وہ اردگرد کے ماحول پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھے۔ ملکہ کی پشت ان کی جانب تھی۔ جب کہ ملکہ خود رصدگاہ کے شیشوں سے مُنہ لگائے ائرفیلڈ کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے خود کو چھپانے کی ہلکی سی کوشش کے طور پر کالے شیشوں کا چشمہ پہن رکھا تھا۔ اور اپنے سنہرے بالوں پر ریشمی اسکارف باندھا ہوا تھا۔

عموماً اُس کے محافظ اس سے نالاں ہی رہتے تھے۔ وہ حفاظتی انتظامات کو اتنی اہمیت نہیں دیتی تھی۔ اب بھی انہیں یقین تھا کہ جونہی ملکہ کی متعلقہ فلائٹ کا اعلان ہوگا وہ فوراً ٹارمک کی طرف بھاگے گی۔

آج کا دن احمد اور مونی کے لیے تھکا دینے والا تھا۔ صبح کے وقت بھی وہ ملکہ کے ہمراہ ائر پورٹ آئے تھے۔ ملکہ کو قاہرہ سے کویت ائرویز کے ذریعے آنے والے اپنے کسی مہمان کا استقبال کرنا تھا۔ جونہی کویت ائرویز کی فلائٹ کا اعلان ہوا۔ ملکہ غائب ہوگئی۔ اُس کے اوجھل ہونے سے ہراساں ہو کر شاہی محافظ جب بھاگتے ہوئے ٹارمک پر پہنچے تو وہ گوشت کے ایک پہاڑ سے گلے مل رہی تھی، جسے وہ سلمیٰ کہہ کر پکار رہی تھی۔ بعد میں ملکہ نے شاہی محل میں احمد اور مونی کو آگاہ کیا کہ مس سلمیٰ اپنی تھکن دُور کرنے کے لیے آرام کریں گی۔

''اور یہ بھی یاد رکھنا۔'' ملکہ نے احمد کو بتایا تھا۔ ''دو گھنٹے بعد ہمیں نئی دہلی سے آنے والی ائر انڈیا کی فلائٹ کے لیے پھر ائر پورٹ جانا ہے۔''

OO

جونہی لاؤڈ اسپیکر سے ائر انڈیا کی فلائٹ نمبر 203 کا اعلان ہوا شینل تیزی سے ٹارمک کی طرف بڑھی۔ دونوں محافظوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

مسافر ایک ایک کر کے جہاز سے اتر رہے تھے۔ ہر شخص دروازے سے نکل کر ایک لمحے کے لیے سیڑھیوں پر ٹھٹکتا اور پھر اپنے استقبال کے لیے آنے والوں کی طرف بڑھ جاتا۔ شینل خود بھی جہاز سے ذرا فاصلے پر کھڑی ہر اُترنے والے کا جائزہ لے رہی تھی۔

اور پھر اس کے مطلوبہ افراد اسے نظر آ گئے۔ سب سے پہلے موہن کلکرنی جہاز سے باہر آیا۔ وہ پہلے سے موٹا ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے وجیتا تھی جس نے اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس سنبھال رکھا تھا۔ دونوں کے عقب میں فادر فلین تھے۔ پادری کچھ بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ شینل نے فادر کو سیڑھیاں اُترتے ہوئے دو تین بار رک کر سانس لیتے دیکھا۔

سب سے پہلے شینل، سوہن کے گلے لگی پھر اس نے وجیتا اور فادر کو گلے لگا کر پیار کیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ مختصر سا قافلہ محل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

OO

وقت ایک کتیا کی مانند تھا۔

شیتل ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے بیٹھی غور کر رہی تھی۔ کہ اس کتیا نے کس طرح اس سے بے وفائی کی تھی۔ خوبصورتی کی پرچھائیاں اب بھی چہرے پر سایہ فگن تھیں۔ اور شیتل کو یقین تھا کہ اسّی سال کی ہونے کے باوجود بھی وہ خوبصورت رہے گی لیکن وقت اپنے گزرنے کے نشان چھوڑے جا رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے گرد ہلکے ہلکے سے حلقے پڑنے لگے تھے۔ گالوں کے گڑھے کچھ زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔ ناک کا گوشت بھی کچھ ڈھلک گیا تھا۔ بالوں میں چاندی کا ایک آدھ تار بھی جھلملانے لگا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اب بھی خوبصورت تھی۔

ابھی کچھ ہی دن پہلے ایک برطانوی میگزین نے ایک مقابلۂ حُسن میں اسے دنیا کی دوسری خوبصورت ترین خاتون قرار دیا تھا۔ وفادار انگریزوں نے پہلا ایوارڈ اپنی ملکہ ایلزبتھ کو دیا تھا جسے شاید خود بھی یہ احساس ہوگا کہ ایسا نہیں ہے۔

لیکن وقت اپنے اثرات صرف عورتوں پر ہی نہیں چھوڑتا تھا۔ مرد بھی اس کی دست بُرد سے محفوظ نہیں تھے۔ اس نے کئی فلمی رسالوں میں آدی نارائن اور انیل کمار کی تصویریں بھی دیکھی تھیں۔ وقت نے انہیں بھی بدل کر رکھ دیا تھا۔ ابھی حال ہی میں کینز فلم فیسٹیول کی ایک تصویر شیتل کی نظروں سے گزری تھی۔ جس میں انیل کی تھوڑی سی توند نکلی دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے دل ہی دل میں اپنے فیصلے کو سراہا کہ آدی نارائن اور انیل کمار کے استقبال کو وہ خود نہیں گئی بلکہ اس نے اپنا نمائندہ بھیجا تھا۔ اس نے ان سے فوری ملاقات بھی ملتوی کر دی تھی۔ اس نے ہدایات جاری کی تھیں کہ ان کی آمد پر اُسے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

''انہیں کہنا کہ میں کل ان سے ملاقات کروں گی۔'' اُس نے اپنے سیکرٹری سے کہا

تھا۔

وہ جانتی تھی کہ آدی نارائن اور انیل کمار کو اس کا نہ آنا یقیناً ناگوار گزرا ہوگا لیکن وہ ملکہ تھی اور ملکہ سے اس قسم کا سلوک کوئی غیر متوقع بات نہ تھی۔

OO

''تم اُس کی غیر حاضری پر کیا محسوس کر رہے ہو؟'' انیل کمار نے آدی نارائن سے کہا تھا۔ ''مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے ہم بس اسٹاپ پر کھڑے کوئی مزدور ہوں۔''

''بھول جاؤ انیل، تم فرسٹ کلاس پسنجر ہوں جس کا کرایہ شیتل نے دیا ہے۔ باہر ایک رولز رائس، باوردی ڈرائیور کے ساتھ موجود ہے۔ رہائش کے لیے محل کا ایک شاندار حصّہ ہوگا پھر بھی تم خود کو مزدور سمجھ رہے ہو؟''

''اس نے جان بوجھ کر ہماری عزّتی کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''تم بالکل بچوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔'' آدی نارائن نے جواب دیا۔ ''وہ ایک ملکہ ہے اور ہماری حیثیت مٹر کے دانوں سے زیادہ نہیں۔ بہتر ہے کہ تم اس وقت تک اداکارانہ مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائے رکھو جب تک ہم واپس بمبئی نہیں پہنچ جاتے۔''

رولز رائس میں بھی انیل کمار منہ پھلائے بیٹھا رہا۔ جب کہ آدی نارائن باہر سے گزرنے والے مناظر کا جائزہ لیتا رہا۔

''پچاس برس پہلے یہاں ریت اور جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں تھا'' شیتل کے بھیجے ہوئے ''وزیرِ مہمانداری'' کرنل بدر نُوری نے آدی نارائن کو بتایا۔ ''موجودہ شاہ اور ان کے والد نے صحرا کو گلدستہ بنا دیا ہے۔''

آدی نارائن نے تو مسکرا کر حقیقت قبول کر لی لیکن انیل کمار نے جو ہُنکارا بھرا وہ کسی طور بھی خیر سگالی کے زُمرے میں نہیں آتا تھا۔

''ملکہ شیتل نے بھی ہماری ضروریات اپنے دل سے پوری کی ہیں۔'' کرنل نوری نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔ ''جب سے وہ دلہن بن کر یہاں آئی ہیں اس وقت سے بحریت کے لوگوں کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کر رہی ہیں۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اتنی پیاری ملکہ ملی ہیں۔ کیا آپ ملکہ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''شاہ سے ملنے سے قبل ہم دونوں اچھے دوست تھے۔'' آدی نارائن نے کرنل کو بتایا ''لیکن شادی کے بعد ہم لوگ کبھی نہیں ملے۔ اُس وقت وہ بے حد خوبصورت ہوا کرتی تھی۔''

''اب وہ آپ کو پہلے سے اچھی نظر آئیں گی۔''

''ہم محل کب پہنچیں گے؟ کیا ملکہ کو معلوم ہے کہ ہم آچکے ہیں؟'' اس بار انیل کمار نے سوال کیا تھا۔

''بالکل مسٹر انیل، لیکن وہ آج آپ سے ملاقات نہیں کر پائیں گی۔ شاہ، یورپ میں ہیں اور کئی کام ایسے ہیں جو اُن کی غیر موجودگی میں ملکہ عالیہ کو نمٹانے ہیں۔ مجھے ان کی طرف سے معذرت کرنے اور یہ پیغام دینے کے لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ آپ سے کل ملاقات کریں گی۔''

انیل کمار نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''ہم محل کب تک پہنچیں گے؟ میں تھکن اتارنے کے لیے شاور لینا چاہتا ہوں۔''

''سامنے دیکھیں مسٹر انیل، ہم پارک تک پہنچ چکے ہیں۔ محل یہاں سے زیادہ دور نہیں۔''

''لیکن محل تو نظر نہیں آرہا۔'' آدی نارائن نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم مرکزی دروازے سے کم از کم تین کلو میٹر اندر آچکے ہیں۔''

اُسی وقت کار ایک موڑ مڑی اور درختوں میں گھرا ہوا سُرخ پتھر سے تعمیر شدہ محل انہیں نظر آگیا۔

''مائی گاڈ۔'' انیل کمار بولے بغیر نہ رہ سکا۔ ''دُنیا کا دوسرا تاج محل۔۔۔''

کرنل نُوری کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ وہ یقیناً تاج محل کی خوبصورتی کا شہرہ سُن چکا تھا۔

محل کے داخلی کمرے میں پہنچتے ہی کرنل نوری نے ایڑیاں بجا کر انہیں سیلوٹ کیا۔

''مجھے اب اجازت دیں، معزز مہمانو! آپ دونوں کے الگ الگ سوئٹ ہیں۔ آپ کا سامان بھی وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ آپ نہا دھو کر چاہیں تو اپنے کمرے میں کھانا منگوا سکتے ہیں یا پھر دوسرے مہمانوں کے ساتھ فیملی ڈائننگ روم میں شریک ہو سکتے ہیں۔''

''دوسرے مہمان؟'' انیل کمار نے حیرت سے پوچھا۔

''ملکہ عالیہ کے والدین، مسٹر اینڈ مسز کلکرنی اور ایک فادر فلپین وہاں ہوں گے اور مس سلمیٰ آج رات نیچے نہیں آئیں گی۔''

''مس سلمیٰ۔۔۔''

''مس سلمیٰ فاروق آف آ کاش اسٹوڈیوز، بمبئی۔''

''شکریہ'' انیل کمار کے منہ کا مزا کرکرا ہو گیا۔ ''ہم دونوں اپنے کمرے میں ہی کھانا کھائیں گے۔ ہمیں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

OO

پیرس میں شام ڈھل رہی تھی ۔ لیکن ٹریفک کا شور ایسا تھا جیسے کئی ٹرک بیک وقت کمرے میں آ گھسے ہوں ۔ڈاکٹر گوتم نیلامبر اور اس کی بیوی گیتا نیلامبر ہوٹل پلازہ ایتھنز کے آرام دہ کمرے میں موجود تھے۔ جہاں ایک رات قیام کے بعد اگلی صبح انہیں ریال روانہ ہونا تھا۔

اچانک ہی ٹریفک کے شور کے ساتھ فون کی گھنٹی کا شور کمرے میں گونجنے لگا۔گوتم نے چونک کر قدرے حیرت سے فون کی طرف دیکھا۔

''میں نے ہدایت کی تھی کہ صرف اہم ترین فون کی اطلاع ہی مجھے دی جائے۔'' گوتم نے زیرلب کہا۔

''ایسی کون سی اہم بات ہوسکتی ہے۔'' گیتا نے کہا اور فون اٹھانے کے لیے بڑھی لیکن گوتم نے اسے روک کر خود ریسیور اٹھالیا۔

''یس گوتم نیلامبر۔''

''سوری ٹو ڈسٹرب یُو سر!'' دوسری جانب سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ ''ڈاکٹر فیرڈ بول رہا ہوں۔شاہ رامیر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

گوتم نے چونک کر اپنی بیوی کو دیکھا اور پھر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔اس کی تمام حسیّں ایک دم بیدار ہوگئی تھیں۔

''گوتم!'' ٹیلی فون پر رامیر کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں پریشان کیا۔''

''کہاں سے بول رہے ہو؟''

''برسلز سے۔''

''میں کل ریال میں تم سے ملاقات کروں گا۔ کیوں ۔۔؟''

''میں برسلز میں مزید کئی دن ٹھہروں گا۔''

''کیوں۔''

''ایک دوست کی وجہ سے، اُس کی ایک سہیلی بھی ہے تم یہیں چلے آؤ۔''

''میں نہیں آسکوں گا، گیتا میرے ساتھ۔۔۔''

''میں شیتل کی پارٹی میں شرکت کے لیے ریال نہیں جا رہا۔'' رامیر نے دھماکا کیا۔

''اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے بغیر تم اور گیتا بھی وہاں بور ہی ہو گے۔ تم شیتل کو ٹیلی گرام دے دو کہ تمہارا اور گیتا کا آنا کسی ناگزیر کام کی وجہ سے ناممکن ہے۔ اُسے اپنے بھارتی دوستوں کے ساتھ انجوائے کرنے دو اور تم اپنی بیوی کے ساتھ چھٹیاں مناؤ، میں دوبارہ پریشان نہیں کروں گا۔''

''رامیر!'' گوتم نے حیرت سے دریافت کیا۔ ''تم سوئٹزرلینڈ میں چھٹیاں کیوں نہیں گزار رہے؟''

جواب میں رامیر کا قہقہہ سنائی دیا۔

''میری محبوب پیا کے والدین نے اُس گھر میں میرے داخلے پر پابندی لگا دی ہے۔'' رامیر نے جواب دیا۔ ''وہ ان دنوں اُسی کے پاس ہیں۔ پیا میری وجہ سے پہلے ہی بہت کچھ قربان کر چکی ہے، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ اُسے مزید پریشان کروں۔۔۔ اور ہاں، گوتم۔۔۔ ایک کام اور، تم اریبہ سے ملو، پھر تم جو دیکھو اور سُنو، مجھے بتانا۔''

گوتم نے ریسیور رکھنے سے پہلے رامیر کو خدا حافظ کہا اور پھر گیتا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس عرصے میں بڑے غور سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اُس نے مختصراً اُسے رامیر سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ رامیر نے اُسے اریبہ سے ملنے کے لیے بھی کہا ہے۔

OO

اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں گوتم بہت گندا آدمی تھا۔ اُس نے اپنے دماغ کے خلیوں کو ایک کمپیوٹر میں تبدیل کرر کھا تھا جس میں با قاعدہ فولڈر، سلاٹ، کیبنٹ اور باکس موجود تھے اور ان میں دُنیا بھر کے حقائق اور افواہیں جمع کرر کھی تھیں۔ اُسے اپنے دماغ پر فخر تھا کہ اُسے ذرا ذرا سی تفصیلات از بر تھیں۔ وہ جب چاہتا اپنے دماغ پر زور دے کر پورے واقعے کو ذہن کی اسکرین پر دیکھ لیتا۔

شہزادی اریبہ زاہدی کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتا تھا۔ وہ اُس کے دوست کی سب سے بڑی بیٹی تھی اور اِس ناتے اُسے عزیز بھی تھی لیکن مصیبت یہ تھی کہ گیتا قطعی طور پر اریبہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔ گوتم نے ایک بار دونوں کو ملوانے کی غلطی کی تھی لیکن یہ ملاقات جس طریقے سے اختتام پذیر ہوئی اس سے گوتم کو اُمّید نہیں تھی کہ گیتا دوبارہ کبھی اُس کی صورت بھی دیکھنا پسند کرے گی۔

اِس وقت اُس نے اپنے دوست سے وعدہ تو کرلیا تھا کہ وہ اُس کی بیٹی سے ملے گا لیکن قباحت یہ تھی کہ وہ تعطیلات پر تھا اور اُس نے اپنے دن رات گیتا کو دینے کا وعدہ کرر کھا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ گیتا کی موجودگی میں اریبہ کے ساتھ ڈنر، لنچ، بریک فاسٹ یا سرراہے ملاقات ناممکن تھی۔

لے دے کر ایک ہی صورت باقی رہ جاتی تھی کہ وہ اریبہ سے فون پر بات کرے۔ وہ ریکس کے ساتھ ریوڈی یونیورسٹی پر رہتی تھی۔ اُس نے اپنے بھگوان سے پرارتھنا کی کہ کسی طرح گیتا چند منٹ کے لیے اِدھر اُدھر ہو جائے تو وہ اریبہ سے بات کرلے۔ دوسری دُعا اُس نے یہ مانگی کہ اریبہ یا ریکس میں سے کوئی فلیٹ پر موجود نہ ہوتا کہ اُسے عدم موجودگی کا بہانہ مل جائے۔

گوتم نے یہ افواہ سن رکھی تھی کہ اریبہ اپنے والد کے خلاف بعض اقدامات میں ملوّث

ہے لیکن جانے کیوں اُسے اب تک ان باتوں پر یقین نہ آیا تھا مگر سیاسی طور پر تھوڑا سا عقل مند شخص بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اگر ایسا ہے تو پھر اس کے محبوب ریکس کی سرگرمیاں، پیرس میں شاہ رامیر کی خفیہ پولیس سے پوشیدہ نہ ہوں گی۔

بالآخر گوتم کو ایک بہانہ سوجھ ہی گیا جس سے وہ کچھ دیر کے لیے گیتا سے جان چھڑا سکتا تھا۔ اس وقت وہ اسی بہانے کی تکمیل کے لیے گیتا کے ساتھ ایک ٹیکسی کی عقبی نشست پر براجمان تھا۔ دونوں کی منزل فیبرگ سینٹ ہینور پر واقع الیگزینڈر شاپ تھی ۔ گیتا، الیگزینڈر پر مصروف رہتی اور گوتم اس عرصے میں اپنی چند بہت ہی ضروری کالیں نمٹا لیتا۔

''میرا اُن سے وقت طے نہیں۔'' گیتا نے اُسے بتایا تھا۔

''انہیں بتانا کہ تم مسز گوتم نیلامبر ہو، پھر وقت طے ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ درپیش نہیں ہوگا۔'' گوتم نے اپنی بیوی کو جواب دیا ''اور الیگزینڈر سے کہنا کہ تمہارے شوہر کی خواہش ہے کہ بالوں کا اسٹائل ڈھیلا ڈھالا ہو تا کہ میں سے آسانی سے بگاڑ سکوں۔'' وہ چند ثانیے رُکا۔ ''کئی بار۔''

گیتا کو الیگزینڈر چھوڑنے کے بعد گوتم واپس ہوٹل پلازہ ایتھنز آ گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اُس نے اریبہ کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا۔

قسمت اُس کے ساتھ نہیں تھی، اریبہ گھر پر موجود تھی۔

''گوتم بول رہا ہوں بے بی، میں اور گیتا دونوں پیرس آئے ہوئے ہیں۔''

''کیا پھر ڈنر کی دعوت دے رہے ہیں، انکل؟'' اریبہ نے ہنستے ہوئے کہا کیونکہ پچھلی بار اریبہ اور گیتا کے درمیان گڑبڑ ایک ڈنر سے ہی شروع ہوئی تھی۔

''نہیں، بے بی۔'' گوتم شرمندہ سا ہو گیا۔ ''تمہارے والد نے برسلز سے مجھے فون کیا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ تمہاری بحریت روانگی سے قبل اگر تمہارا کوئی مسئلہ ہو تو حل کر دوں، لیکن میں ملنے کی بات نہیں کر رہا، گیتا کے ساتھ تمہارا پچھلا ڈنر مجھے اب تک یاد ہے۔''

''کوئی سفارتی خیر سگالی؟''

''مشکل ہے، گیتا کو میں الیگزینڈر چھوڑ کر آیا ہوں اور اُس سے چوری بات کر رہا ہوں۔''

''تو پھر آپ نے زحمت کیوں کی؟ پپّا کی خفیہ پولیس میرے اور ریکس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔''

''یہ سب بے وقوفی کی باتیں ہیں، اریبہ، تم ریال جا رہی ہو؟'' گوتم نے بظاہر ناراضی سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اریبہ نے جواب دیا۔ ''اور یہ بھی سُن لیں کہ تنہا جا رہی ہوں، ریکس میرے ساتھ نہیں ہوگا۔''

اُسی لمحے کمرے کے دروازے میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی۔ ''میرا خیال ہے دروازے پر کوئی ہے۔'' گوتم نے گھبرا کر کہا۔

''کیا آنٹی، الیگزینڈر سے واپس آ گئیں۔''

''شاید۔''

''اور آپ خوفزدہ ہیں کہ کہیں وہ آپ کو مجھ سے باتیں کرتے نہ دیکھ لے۔''

''ہاں، یہ کوئی اچھی بات نہ ہوگی، خدا حافظ۔'' گوتم نے جواب دیا اور ریسیور رکھ دیا۔

اُسی لمحے گیتا دروازے پر نمودار ہوئی، اُس کے بال نئے انداز میں بنے ہوئے تھے اور وہ انہیں بگاڑے جانے کی منتظر تھی۔ گوتم اٹھ کر اُس کی جانب بڑھ گیا۔ اُسے اپنا وعدہ یاد تھا۔

OO

دروازے پر ہونے والی دستک دھیمی مگر مسلسل تھی۔ وہاں جو بھی موجود تھا اُسے کوریڈور میں محافظوں کی موجودگی کے بارے میں علم تھا۔

شیتل نے کسمسا کر کروٹ لی، اُٹھ کر گاؤن پہنا اور ننگے پیر بیڈروم سے اپارٹمنٹ کے بیرونی دروازے تک آ گئی۔ اُسے یقین تھا کہ آنے والا ارون نہیں ہوگا۔ اُس کے پاس اپنی چابی تھی اور وہ فون کیے بغیر کبھی نصف شب کو نہیں آتا تھا۔ نہ ہی بچوں میں سے کوئی ہوسکتا تھا کیونکہ رامیر کی سخت ہدایت تھی کہ وہ رات کے وقت اپنے کمروں سے نہ نکلیں۔ اُن کا رہائشی حصّہ بالکل الگ تھا اور وہاں ایسے انتظامات کیے گئے تھے کہ وہ اپنے طور پر ہی اپنی ضروریات پوری کرلیں اور انہیں ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہو۔ یہ سب سوچتے ہوئے شیتل نے دروازہ کھول دیا۔

سلمیٰ دروازے کے باہر کھڑی تھی۔

''رات تین بجے کیا گڑبڑ ہوگئی؟'' شیتل کے چہرے پر آنے والی کوفت کی پرچھائیاں معدوم ہوگئیں۔

''کوئی خاص نہیں۔'' سلمیٰ نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ''تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''تو کرلو۔'' شیتل نے مسکرا کر دروازہ بند کیا اور اُسے لے کر بیڈروم میں چلی آئی۔

سلمیٰ نے صوفے پر پیر پسارے اور کسی دوسری بات کا انتظار کیے بغیر اُس نے اپنی کتھا شروع کردی جو ساری کی ساری قاہرہ میں فاروق کے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر مشتمل تھی۔

''دیکھو سلمیٰ!'' اُس کی بات ختم ہونے پر شیتل نے اُسے مخاطب کیا۔ ''ہم سہیلیاں ضرور ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہماری قسمت اور عادتیں ایک جیسی ہوں۔ تم دُکھ برداشت کر

لیتی ہو کہ دُکھ ملنے پر تمہیں خوشی محسوس ہوتی ہے لیکن دکھ مجھے کوئی خوشی نہیں دیتے۔ میری حالت تم سے مختلف نہیں لیکن میں تمہاری طرح خاموش گھوڑی نہیں ہوں، میری لگام کسی فاروق یا رامیر کے ہاتھوں میں نہیں، اسی لیے میں نے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔''

سلمٰی نے پلکیں جھپکائیں۔ ''جانے کا فیصلہ کیا ہے؟ لیکن کہاں۔۔۔؟''

''میں بحریت چھوڑ رہی ہوں۔'' شیتل نے انکشاف کیا۔ ''لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں، طویل عرصے کے لیے، میں بمبئی واپس جانا چاہتی ہوں، ایک یا ایک سے زیادہ فلموں میں کام کرنے کے لیے۔'' اُس کی آواز بتدریج بلند ہوگئی۔ ''میں وہ کرنے جارہی ہوں، جو میں کرنا چاہتی ہوں اور میرا دل چاہتا ہے، میں دوبارہ اپنی زندگی کی مالک بننا چاہتی ہوں۔''

''اوہ، اسی لیے تم نے ان بدمعاشوں کو یہاں بُلا رکھا ہے۔'' سلمٰی نے حیرت سے کہا۔

''میں نے آدی نارائن اور انیل کمار کی جھلک دیکھی ہے، ایسا نہ ہو وہ تمہیں بے وقوف بنا دیں۔''

''اُنھیں ابھی تک میرے منصوبے کا علم نہیں۔''

''لیکن وہی کیوں؟ تم اگر کسی فلم میں کام کرنا چاہتی تھیں تو میرے پاس کیوں نہیں آئیں؟ تم جانتی ہو کہ میں آ کاش اسٹوڈیوز کی۔۔۔''

''تمہارے لیے فاروق ہی کافی ہے۔'' شیتل نے اُس کی بات کاٹی۔ ''میں نہیں چاہتی کہ تم مالکوں سے ایک کے بجائے دو دو کی سفارشیں کرتی پھرو۔''

''سفارشیں؟ تمہیں واپس آ کاش لانا تو میری کامیابی تصور کیا جاتا۔''

''کیا تمہیں واقعی اس بات کا یقین ہے؟ یاد رکھو، شیتل مُلکرنی عرصہ ہوا اسکرین سے غائب ہوچکی ہے۔ وہ پرانے وقتوں کا فسانہ ہے۔ بے شک فلم بین اُس وقت اُس کی پرستش کرتے تھے۔ لیکن اب میری پہچان صرف یہ ہے کہ میں ایک بادشاہ کی بیوی ہوں۔ کیا میں واقعی ایک اسٹار ہوں یا لوگوں کے دلوں سے محو ہوچکی ہوں؟''

''تم پوری دُنیا میں جانی پہچانی جاتی ہو۔''

''وہ تو گریس کیلی بھی جانی پہچانی جاتی ہے، کیا تمہیں یقین ہے کہ اگر آج وہ ہالی وڈ واپس چلی جائے تو آج کے بچے اسے قبول کرلیں گے؟ ملکہ ثریا کے بارے میں کیا خیال

ہے؟ اُس نے بھی ایک بادشاہ سے شادی کی تھی، اُس کے فلمی کیریئر کا کیا بنا؟ یا ریٹا ہیورتھ کو لے لو، علی خان کی شہزادی یاسمین بن کر اُس کے پاس کیا بچا؟ فطری طور پر میری سوچ سب سے پہلے تمہاری طرف ہی گئی تھی لیکن میں نہیں چاہتی کہ میری خاطر تم کوئی خطرہ مول لو۔"

"تمہارا خیال ہے کہ اُن دونوں کو کوئی خطرہ نہیں؟"

"آدی نارائن کو کوئی اور فنانسر مل سکتا ہے، کوئی ایسا بے وقوف صنعت کار جو اسکرین سے ہٹ کر میرا اپجاری ہو اور جو باکس آفس کو میری اور تمہاری طرح نہ جانتا ہو، لیکن آدی نارائن بھی تنہا کچھ نہیں، میرا اور انیل کمار کا نام پندرہ سال بعد جب دوبارہ سامنے آئے گا تو ہوسکتا ہے، ہم کلک کر جائیں۔"

"اور رامیر کیا سوچے گا؟"

"اسے ابھی اس کا پتا ہی نہیں۔" شیتل نے جواب دیا۔ "خوش قسمتی سے وہ بلجیئم میں رک گیا ہے، اور جب تک وہ ریال پہنچے گا میں آدی اور انیل کو جیت چکی ہوں گی۔ میرا فیصلہ رامیر کے لیے حیران کن ہوگا لیکن اُس نے مجھے بُری طرح کچلا ہے اور اب میری باری ہے۔"

OO

سلمیٰ جب اُس کے کمرے سے نکلی تو صبح کا اُجالا پھیلنے میں کچھ ہی وقت باقی تھا۔

شیتل اُس کے جانے کے بعد بھی بے خواب لیٹی رہی۔ وہ سونا چاہتی تھی لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس وقت وہ نیند کی گولی نہیں لینا چاہتی تھی۔ بہت سوچ سمجھ کر اُس نے اپنی پرائیویٹ ٹیلی فون لائن پر ارون کو کال کی جو اسکول ہاؤس کے برابر اپنے کاٹیج میں موجود تھا۔

''پروفیسر!'' اُس نے ڈوبتی اُبھرتی آواز میں کہا۔ ''مجھے نیند نہیں آ رہی، کوئی ایسی مصروفیت جس سے وقت گزرنے کا احساس مٹ جائے۔''

''جہاں ہو، وہیں رہو، ہلنا مت، میں آ رہا ہوں۔'' نیند کے خمار میں ڈوبی ارون کی آواز آئی۔

''نہیں، چریسی! وہ نہیں، نصف گھنٹے بعد مجھے درختوں کے جُھنڈ میں ملو۔'' شیتل نے ہنستے ہوئے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

درختوں کے جُھنڈ اُن کی محبتوں کے امین تھے۔ رامیر جب محل میں ہوتا تب بھی اُن کے معمول میں فرق نہ آتا تھا۔ ایک بار انہوں نے اپنے جذبوں کے فسانے ان درختوں کی چھاؤں چھاؤں رقم کیے تھے لیکن شیتل اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ درختوں کے سائے، کمروں کی دیواروں کی طرح اچھے راز دار نہ تھے۔ چنانچہ دونوں ہی اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ 'آؤٹ ڈور محبت، اُن کے لیے نہیں تھی۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ یہاں صرف باتیں ہوا کریں گی۔ محبتوں کی کہانیاں رقم کرنے کے لیے محل بہت بڑا ہے۔

نصف گھنٹے بعد شیتل، انہی درختوں کے سائے تلے ارون کو اپنی بمبئی واپسی کے منصوبے سے آگاہ کر رہی تھی۔

''تم کتنے عرصے کے لیے جانا چاہتی ہو؟''

''چھ یا سات ماہ کے لیے۔''شیتل نے جواب دیا۔

''تو میں اتنا عرصہ دیواروں سے سر کھپاؤں گا؟''

''تم ہر سال امریکہ تو جاتے ہو، اس بار جاؤ تو بمبئی کے راستے چلے جانا اور بیٹے کے نام کی آدھی چھٹیاں میرے نام کر دینا۔''

ارون نے فوراً حامی بھر لی۔

سورج اُبھر کر سامنے آیا تو دونوں واپس روانہ ہوئے۔ بحریت کی مسلح افواج کا کمانڈر انچیف جنرل شاہد مجیب محل کی سیڑھیوں پر شیتل کا منتظر تھا۔ وہ اُسے دیکھتے ہی اُس کی طرف بڑھا۔

''ویلکم ہوم، جنرل۔''شیتل نے خوش دلی سے اُسے مخاطب کیا۔''شاہ فہد کے ساتھ مذاکرات کیسے رہے؟''

''کامیاب، ملکۂ عالیہ۔''جنرل شاہد نے بصد احترام کہا۔''انہوں نے جوبلی تقریبات کے بعد بحریت کے نجی دورے کی دعوت قبول کر لی ہے۔''جنرل نے ذرا توقف کیا پھر اپنی بات دوبارہ شروع کی۔''میرے پاس ملکۂ عالیہ کے لیے ایک پیغام موجود ہے، پلیز مسٹر ارون۔۔۔اف یو ڈونٹ مائنڈ۔۔۔''

اور ارون، جنرل کی بات سمجھ کر اسکول کی طرف چل پڑا۔

''کیا پیغام اتنا اہم تھا کہ میرے ناشتے تک انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔''شیتل نے خفگی سے کہا۔

''پیغام ایسا تھا کہ شاید آپ فوراً سننا چاہتیں۔''جنرل نے صفائی پیش کی۔

''کہو!''

''شاہِ معظم کا پیغام ہے، وہ آپ سے بات کرنا چاہتے تھے لیکن آپ موجود نہ تھیں پیغام انہوں نے مجھے دے دیا ہے کہ شاید وہ پروگرام کے مطابق بلجیم سے واپس نہ آ سکیں۔''

''لیکن ہمارے مہمان؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں؟''

''وہ جانتے ہیں اور انہیں دونوں کے لیے اِس ہفتے کی اہمیت کا احساس بھی ہے۔ ضرور سلطنت کا کوئی اہم معاملہ ہی ہو گا۔ مسٹر گوتم بھی شاہِ معظم کے ساتھ مصروف ہیں۔ اُن کی آمد

میں بھی تاخیر کا امکان ہے۔''

''کیا پیغام صرف یہی تھا۔''

''جی ملکۂ عالیہ انہوں نے آپ کے لیے اور بچوں کے لیے نیک خواہشات کا پیغام بھی دیا ہے۔''

''تھینک یُو۔'' ملکہ شیتل کا ردِ عمل حیران کن تھا۔ ''جو ہوا درست ہوا، معاملات کچھ اور آسان ہو گئے۔''

شیتل نے حیران جنرل کو وہیں چھوڑا اور سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

OO

بیڈروم سے لے کر ڈائننگ ہال تک کے راستے میں بحریت کے سابق بادشاہوں کی تصاویر آویزاں تھیں اور انیل کمار راہداری میں سے گزرتے ہوئے اُن سب پر عجیب وغریب تبصرے کرتا آیا تھا۔ آدی نارائن نے اُسے خفیہ مائیکروفون نصب ہونے کے بارے میں متنبہ بھی کیا لیکن وہ انہیں خوفناک، دہشت ناک، وحشت ناک اور پتا نہیں کیا کیا ناک کہتا آیا تھا۔

ڈائننگ روم میں آ کر انیل بُری طرح ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں شیتل کے بارے میں بحث کر رہے تھے، لیکن انیل کے جبڑے بھی تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ وہ ناشتے میں اس بُری طرح مصروف تھا کہ اُسے یا آدی نارائن کو اپنے پیچھے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کا احساس بھی نہ ہوا۔

شیتل خوبصورت ترین لباس میں اندر داخل ہوئی یہ کپڑے اُس نے اسی موقع کے لیے بطور خاص پیرس سے خریدے تھے۔ جونہی انیل کو کمرے میں شیتل کی موجودگی کا احساس ہوا اُس کا مُنہ اور ہاتھ دونوں بیک وقت رک گئے۔ آدی اور اُس نے اپنے چاقو اور فورک پلیٹ میں رکھے اور کرسیاں دھکیل کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''شیتل۔'' انیل کمار کے حلق سے بے اختیار آواز نکلی ''تم تو جادوگرنی ہو، تم نے وقت کو اپنے چہرے پر ساکت کر لیا ہے۔''

''تھینک یُو۔'' شیتل نے اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ چُھوا اور آدی نارائن کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''آنے کا شکریہ، پیارے دوست۔'' اُس نے بڑھ کر اُس کے رخسار پر سیب کی دو قاشیں ثبت کر دیں۔ ''کتنا طویل عرصہ گزر گیا ہے لیکن مجھے بمبئی ائرپورٹ پر اپنی پہلی ملاقات آج بھی یاد ہے۔''

''تمہارا بھی شکریہ شیتل، جس نے مجھے ملکۂ بحریت کو دیکھنے کا موقع عنایت کیا۔''

آدی نارائن نے جواب دیا۔

''میرے لیے تو یہ جذباتی ملن ہے۔'' انیل نے کہا۔

''ہاں۔'' شیتل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اُس کی آنکھوں میں انیل سے آخری ملاقات کا منظر ناچ اٹھا تھا۔ وہ تعریفی نظروں سے دونوں کا جائزہ لینے لگی۔ ''ناشتا جاری رکھو دوستو! میری خواہش تھی کہ تمہارے ساتھ ناشتا کرتی لیکن یہ وقت اسکول ہاؤس کے دورے کا ہے میرے بچے میرے منتظر ہیں۔''

''دوبارہ ملاقات کب ہوگی؟'' آدی نارائن نے پوچھا۔

''تقریباً ایک گھنٹے بعد، ریسیپشن ہال میں۔''

''کوریڈور کے آخری سرے پر؟'' انیل نے دریافت کیا۔

''ہاں۔'' شیتل نے مُڑتے ہوئے کہا۔ ''لیکن انیل یاد رکھنا وہ پورٹریٹ جو دیواروں پر آویزاں ہیں، بحریت کے سابق شاہوں کے ہیں۔ اُن کے بارے میں غلط تبصروں کو محل میں پسند نہیں کیا جائے گا۔''

آدی اور انیل نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا لیکن شیتل دروازے کی طرف بڑھ چکی تھی۔

OO

اسکول کے دورے میں وجیتا اور سوہن بھی شیتل کے ہمراہ تھے۔ دونوں کے درمیان چلتی ہوئی شیتل کالج کی کوئی طالبہ معلوم ہو رہی تھی۔ اُس نے سفید جینز اور رنگین شرٹ پر مشتمل خالص غیر شاہی لباس پہن رکھا تھا۔

''شیتل۔'' اسکول اور بچوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سوہن نے اچانک ہی بدلے ہوئے انداز میں اُسے مخاطب کیا۔ ''تمھیں یاد ہے نا کہ ہم نے تمہاری تربیت میں کیسے کیسے کشٹ اٹھائے ہیں لیکن بھگوان کی کرپا سے اب تم خود اس قابل ہوگئی ہو کہ ہم جیسوں کی مدد کرسکو کیونکہ۔۔۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں، انکل؟'' شیتل نے اُس کا جملہ درمیان سے ہی اچک لیا۔

''رقم۔'' سوہن نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''میرا کاروبار تباہ ہو رہا ہے۔ اُس کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے ضروری ہے کہ میں اس میں سرمایہ کاری کروں لیکن میرے پاس وسائل نہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے سہارا دو۔''

''کیا آپ لوگ میرے لیے انجام دی گئی خدمات کا صلہ چاہتے ہیں؟'' شیتل نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

تم اپنی بے شمار دولت میں سے کچھ اگر میرے کاروبار میں لگا دو گی تو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا سوہن پھر اُٹھ کھڑا ہوگا۔''

''انکل۔'' شیتل نے غور سے اُسے دیکھا۔ ''یہ تو وقت بتائے گا کہ اس وقت گھٹنوں کے بل کون بیٹھا ہے، آپ یا میں، پھر بھی میں آپ کی درخواست پر غور کروں گی۔''

وہ آگے بڑھ گئی اور وجیتا نے جواب تک خاموش تھی اپنے شوہر کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اُسے سوہن کے مطالبے پر اعتراض تھا۔

''دیکھو جیتا'' سوہن نے حتمی انداز میں اُسے مخاطب کیا ''شیتل سے کچھ حاصل کرنا میرا حق ہے لیکن تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے اپنے خون پسینے کی کمائی اُس پر خرچ کی ہے۔ اب اگر اُس سے کچھ لے لوں گا تو کوئی قیامت نہیں آئے گی۔ تم میری بیوی ہو، میری کمر میں سُوئی چبھونے کے بجائے اُسے سہلاؤ، مجھے تمہاری حمایت کی ضرورت ہے۔''

OO

آدی نارائن اور انیل کمار محل کے وسیع وعریض لان میں چہل قدمی کررہے تھے۔

''کیا وہ میرے سلوک کو نظر انداز کردے گی؟'' انیل کمار نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے آدی نارائن سے دریافت کیا۔

''اور میں سوویں دفعہ تمہیں یاد دلا رہا ہوں کہ اُس نے خود ہمیں بلایا ہے۔'' آدی نے زچ ہوکر جواب دیا۔

''وہ تمہاری مخالف کبھی نہیں رہی لیکن ممکن ہے اُس نے مجھے دلدل میں دھکیلنے کے لیے یہاں بلایا ہو۔''

''اگر تمہارے دل میں یہ خوف رچ بس گیا ہے تو پھر یہی کہوں گا کہ آئیڈیا برا نہیں، تم اسی قابل ہو۔''

''وہ آخر خود کو اتنی پُر اسرار بنا کر کیوں پیش کررہی ہے؟'' انیل بالکل بچوں کی طرح بحث کررہا تھا۔

''میرے اپنے اندازے کے مطابق وہ دوبارہ فلمی دنیا میں داخل ہونا چاہتی ہے۔''

''لیکن میں کہاں فٹ ہوتا ہوں؟''

''تم اس کے آخری ہیرو تھے۔ تمہارے ساتھ مل کر وہ اپنے پرانے چاہنے والوں کو اکٹھا کرنا چاہتی ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ جب وہ اس میں کامیاب ہوگئی تو تمہارا مستقبل تاریک ہوجائے گا پھر تم اُس کے کندھوں تک بھی نہ پہنچ پاؤ گے۔''

''میں اُس سے نفرت کرتا ہوں۔'' انیل نے سگریٹ کا آخری کش لے کر پیروں سے ٹکڑے کو مسلتے ہوئے کہا۔ ''میں اس دلدل میں گرنے کو قطعی تیار نہیں۔''

''اب بھی تو تم گمنامی کے گڑھوں میں ہی ہو۔''

انیل نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ ''کم از کم میں پیشہ ورانہ طور پر زندہ تو ہوں،

وہ چاہتی ہے کہ میں کسی کُتّے کی طرح عقبی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر اس سے رحم کی بھیک مانگوں اور وہ اپنا انتقام لینے میں کامیاب ہو جائے۔''

''یہ بات بعد کی ہے کہ تم پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر اُس سے رحم کی بھیک مانگتے ہو یا اگلی ٹانگوں پر جھک کر اس کے تلوے چاٹتے ہو، فی الحال ریسیپشن ہال میں چلو، وہ ہماری منتظر ہوگی۔''

انیل نے چونک کر گھڑی دیکھی اور پھر ریسیپشن ہال کی طرف بڑھ گیا۔ آدی نارائن اُس کے ساتھ ساتھ تھا۔

شیتل نے مسکراہٹوں کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا۔ آرام دہ نشستوں پر بیٹھنے کے بعد شیتل نے اُن سے پوچھا تھا کہ کیا وہ مہمان نوازی سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے ہیں یا نہیں۔ آدی نارائن نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''تم تو جنت میں رہ رہی ہو شیتل۔'' انیل نے کمرے کی خوبصورتی اور سجاوٹ دیکھتے ہوئے کہا۔'' کامیاب شادی، سراہنے اور محبت کرنے والا شوہر، بچے اور سر پر حرم کی کوئی دھمکی۔۔۔''

''رامیر کے دادا نے شاہی حرم پر پابندی عائد کر دی تھی۔'' شیتل نے ہنس کر جواب دیا۔'' اُن کا خیال تھا کہ ایک وقت میں ایک مرد کے لیے ایک ہی عورت کافی ہے۔''

''تم تو بہت خوش ہوگی؟''

''میں مطمئن ہوں۔''

''کیا واقعی؟'' آدی کرسی کے کنارے کھسک آیا۔

''ہاں۔'' شیتل نے پلکیں جھپکائیں۔'' مجھے اور چاہیے بھی کیا؟''

'' تعریف، جوش و خروش۔'' آدی نارائن نے برجستہ کہا۔'' زندگی کی رنگینیاں جو اطمینان سے کہیں آگے کی چیزیں ہیں، تم جنت جیسی جگہ پر ضرور رہ رہی ہو لیکن جنت سے بہت دور ہو، سچ سچ بتانا تمہیں ان کی کمی محسوس نہیں ہوتی؟''

''کس چیز کی کمی؟ تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔''

''بمبئی۔'' آدی نے اطمینان سے جواب دیا۔'' فلمی دُنیا کی سنسنی، ساتھی اداکاروں کی

محفلیں ۔۔۔تمہیں یاد ہیں ناوہ رنگین دن؟ سیٹیوں کا شور، روزانہ رش پرنٹ دیکھتے وقت ذہنی کھنچاؤ اور ایسے بہت سے دوسرے ہنگامے، یہ اطمینان جو تمہیں یہاں حاصل ہے تمہارے لیے ناکافی ہے۔''

''تمہارے جیسی نوجوان عورت کے لیے۔'' انیل نے لقمہ دیا۔

''نوجوان؟'' اُس نے مصنوعی خفگی سے اپنے سابق ساتھی اداکار کو دیکھا۔'' میری عمر اڑتیں سال ہے اور تم انیل ۔۔۔عمر میں اُس لڑکی سے تین گنا بڑے ہو جسے کینز کے فلمی میلے میں ساتھ لے گئے تھے۔''

''کیا۔۔۔؟'' انیل نے غصیلی نگاہوں سے اُسے گھورا۔

''ہاں ۔۔۔وہ لڑکی کیا نام تھا اُس کا۔۔۔؟ جو تمہاری اپنی بیٹی سے بھی عمر میں چھوٹی ہے۔''

''وہ۔۔۔سنیتا، بمبئی فلم کی ٹاپ گرل۔'' انیل کمار نے شرمندگی سے کہا۔'' وہ سمجھتی ہے کہ میں اُسے مزید آگے بڑھنے میں مدد دے سکتا ہوں۔ انڈسٹری میں اب بھی میرا نام ہے۔''

''تم کیا بچوں کی طرح جھگڑنے بیٹھ گئے؟'' آدی نے دخل اندازی کی۔'' تم دونوں اپنے زمانے کے جادوگر تھے میں تصور کی آنکھ سے وہی کچھ دوبارہ رونما ہوتے دیکھ رہا ہوں۔''

''کیا رونما ہوتے دیکھ رہے ہو؟'' شیتل نے پلکیں جھپکائیں۔

آدی نے گرم لوہے پر چوٹ لگائی۔'' اچھی کہانی، ماہر ہدایت کار۔۔۔اور شیتل وانیل ۔۔۔اسکرین کے ساحر۔۔۔فلمی دُنیا کے دیوی، دیوتا۔۔۔''

''اور آدی نارائن پروڈیوسر؟'' شیتل نے گرہ لگائی۔

''بالکل۔'' آدی نارائن نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔'' یہ بھارت کی فلمی تاریخ کا ایک عظیم واقعہ ہوگا، تمہاری آخری فلم 'سائے' سے بھی بڑا۔''

''مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم دونوں یہ منصوبہ لے کر ہی یہاں آئے ہو۔'' شیتل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اندر سے اُس کے من میں لڈّو پھوٹ رہے تھے جو وہ خود کہنا

چاہتی تھی وہ دونوں اپنی زبان سے کہہ رہے تھے۔ ''تم دونوں میرے مہمان ہو، فی الحال ہماری مہمان نوازی سے لطف اٹھاؤ۔'' اس نے رُک کر تین بار تالی بجائی، فوراً ہی ایک باوردی آفیسر اندر آ گیا۔ ''لیفٹیننٹ ناگی! میرے دوستوں کا خیال رکھو۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں ان کا قیام عرصے تک یادگار رہے۔'' وہ دوبارہ مہمانوں کی طرف مڑی۔ ''ہم اب کاک ٹیلو پر ملیں گے لیفٹیننٹ ناگی تمہاری رہنمائی کرے گا۔''

آدی نارائن اور انیل کمار دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ شیتل نے عقب سے پکار کر آدی کو مخاطب کیا۔ ''مایوس مت ہونا، جو کچھ تم نے کہا ہے میں اُس پر غور کروں گی۔ ایک عورت آسانی سے اپنا ذہن بدل سکتی ہے۔''

انہوں نے مڑ کر اُمید بھری نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''لیکن اس عورت کے لیے بڑا مشکل کام ہوگا۔'' شیتل نے ذرا سے توقف کے بعد کہا۔ ''ایک ملکہ کے پاس بدلنے کے لیے ذہن کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔''

OO

''اپنی آمد کو شاہانہ بناؤ، شیتل۔'' اُسے آج بھی اپنے سب سے پہلے فلمی ہدایت کار راجیش بھٹناگر کے الفاظ یاد تھے جو اُس نے پہلے فلمی شاٹ کے موقع پر اُسے کہے تھے۔ ''اپنا سر بلند رکھو، گردن سخت اور چال ملکاؤں جیسی ہو۔''

اور شیتل اُس کی ہدایت کے عین مطابق کیمرے کی آنکھ کے سامنے آئی تھی۔ اپنی ٹھوڑی اُٹھائے، تمتمائے چہرے اور جگمگاتی آنکھوں کے ساتھ اُس نے اپنی ساڑھی ذرا سی اٹھائی اور شہزادیوں جیسی چال کے ساتھ سیڑھیاں اُتر کر اپنے سب سے پہلے ہیرو دھرمیندر کی بانہوں میں سما گئی تھی جو اُس وقت جنرل کی وردی میں ملبوس تھا۔ پورے سیٹ پر شور مچ گیا۔ وہ اب تک فلم انڈسٹری میں آنے والی شاید پہلی اداکارہ تھی جس کے پہلے سین کے ری ٹیک کی ضرورت نہیں پڑی تھی، پہلی ہی کوشش کامیاب رہی تھی۔

آج شب نقیب نے جب سٹنگ روم کا دروازہ کھولا تو اُسے اپنا پہلا سین یاد آ گیا۔

لیکن آج اس سیٹ پر کیمرے، ہدایت کار، اداکار اور معاون موجود نہیں تھے۔ فلم کا جانا پہچانا شور نہیں تھا اور نہ ہی کسی ہدایت کار نے بآوازِ بلند 'کٹ' کہنا تھا۔

آج کی ہدایت کار وہ خود تھی۔ کاسٹ کے جو اداکار سامنے بیٹھے تھے وہ اتنے سستے نہ تھے کہ ایک دن کی تنخواہ لے کر گھروں کو ٹل جاتے۔

سب سے پہلے انیل نے اُسے دیکھا۔ وہ فوراً کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ دوسروں نے اُس کی تقلید کی۔ شیتل نے اپنی مخصوص کرسی سنبھالنے سے پہلے تمام لوگوں سے فرداً فرداً مصافحہ کیا۔ تمام لوگوں کے چہرے تمتما رہے تھے۔

آدی نارائن نے شراب کی بوتل اٹھائی۔ ''میں ملکہ کا جامِ صحت تجویز کرنا چاہتا ہوں۔''

شیتل نے ہاتھ اٹھا کر اُسے منع کر دیا۔ ''ابھی نہیں، ڈنر کے بعد، اور جام میں خود تجویز کروں گی۔''

ڈنر مکمل ہوتے ہی ہر کُرسی کے عقب میں کھڑے ملازم نے میز کی صفائی شروع کر دی۔ طویل و عریض میز چشم زدن میں صاف ہوگئی۔

بٹلرز کی آنکھیں ملکہ پر مرکوز تھیں جُونہی اس نے پلکیں جھپکائیں وہ روبوٹوں کی طرح حرکت میں آگئے۔ فوراً ہی تمام مہمانوں کے سامنے شیمپئن کے گلاس رکھ دیے گئے۔

شیتل کی نگاہیں اپنے ایک ایک مہمان کا چہرہ پڑھ رہی تھیں۔ جونہی بٹلر اپنے کاموں سے فارغ ہوئے، شیتل کی پلکیں دوبارہ جھپکیں چیف بٹلر فوراً اپنی ملکہ کے سامنے جُھک گیا۔

''تمام ملازمین کمرے سے باہر چلے جائیں۔'' شیتل نے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''دروازے کے قریب بھی کسی شخص کو موجود نہیں ہونا چاہیے۔''

لمحوں میں کمرہ مہمانوں کے سوا تمام ملازمین سے خالی ہوگیا۔ شیتل اپنا گلاس تھام کر میز کے آخری سرے پر اپنی کرسی سے کھڑی ہوگئی۔

''کوئی اور اٹھنے کی زحمت نہ کرے۔'' اُس نے دوستوں کو مخاطب کیا۔ ''جو کچھ میں کہنے جا رہی ہوں اُسے سن کر تمام لوگ بیٹھے رہنے کو ترجیح دیں گے۔'' اُس نے اپنا گلاس اٹھا کر لہرایا ''میں جام تجویز کر رہی ہوں جو میرے ہی لیے ہے۔ میں اپنی زندگی کے ایک ایسے دوراہے پر پہنچ چکی ہوں جہاں میرے لیے ایک اہم فیصلہ کرنا ضروری ہوگیا ہے اور میں وہ فیصلہ کر چکی ہوں۔''

اُس نے ذرا سا رُک کر حاضرین کا جائزہ لیا۔ ''ممکن ہے میرا فیصلہ آپ میں سے کچھ کے لیے غیر متوقع ہو لیکن بہت جلد آپ سب کو میری پوزیشن کا احساس ہو جائے گا۔ جب میرے شوہر واپس آجائیں گے تو میں انہیں وہ سب کچھ بتا دوں گی جو میں اس وقت آپ کو بتانے جا رہی ہوں۔۔۔ تقریبات کے بعد، میں نے بحریت چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے، میں بمبئی واپس جا رہی ہوں۔''

کمرے میں اچانک ہی بہت سی سرگوشیاں گونج اُٹھیں۔ شیتل نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''اور میرا ارادہ کبھی واپس نہ آنے کا ہے۔'' اُس نے دوسرا دھماکا کیا۔

''میز کے دوسرے سرے پر بیٹھی سلمیٰ فاروق نے کرسی دھکیلی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم نے کیا کہا؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔ ''مجھے تو تم نے بتایا تھا کہ۔۔۔!''

شیتل تھکے تھکے سے انداز سے مسکرائی۔

''خواتین و حضرات! میں تخت سے دستبردار ہو رہی ہوں۔''

OO

''مائی گاڈ، تم نے تو زبردست دھما کا کیا ہے۔'' سلمٰی نے آتش دان میں مزید کوئلے انڈیلتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت شیتل کے بیڈ روم میں پھیلی ہوئی تھی۔ ''کیا تمہیں دستبرداری کا اعلان کرنے کے لیے وہی بےوقوفوں کا جُھرمٹ ملا تھا؟''

''میرا خیال ہے کہ مجھ میں اداکاری کے جراثیم پھر پیدا ہو رہے ہیں۔'' شیتل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور میرے خیال میں تم اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرو۔''

''ناممکن، میں۔۔۔''

''ایک حد تک تو یہ ہو چکا۔'' سلمٰی نے اُس کی بات کاٹی۔ ''گزشتہ شب تمہارا انداز مختلف تھا۔''

''بکومت۔'' شیتل نے پیار سے اُسے ڈانٹا۔ ''جو فیصلہ میں نے آج سنایا ہے وہ اُس وقت بھی میرے ذہن میں تھا جب میں نے دعوت نامے پوسٹ کیے تھے۔ تمہیں اور فادر فلین کو یہاں بلانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ مجھے اخلاقی سہارا دو۔ میں اتنی پریشان ہوں کہ تمہیں کیا بتاؤں؟''

''بتا کیوں نہیں دیتیں؟''

''میرے اس فیصلے کی بنیاد لوزانے کی ایک عورت پیا، بنی ہے۔'' شیتل نے محتاط انداز میں کہا۔

''تو پہلے بھی رامیر کی زندگی میں لڑکیوں کی کیا کمی رہی ہے۔''

''اب صورت حال مختلف ہے۔ پیا، رامیر کی بیوی ہے اور دونوں کا ایرک نامی ایک بیٹا بھی ہے۔۔۔''

سلمٰی ششدر رہ گئی۔

''بچوں کا کیا بنے گا؟'' کافی دیر بعد سلمٰی گویا ہوئی۔

''کوئی مسئلہ نہیں۔'' شیتل نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔ ''رامیر چاہے گا کہ بچوں کے ذریعے مجھے پریشان کرے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ بچے ہماری مشترکہ ملکیت ہیں میرے خیال میں وہ انہیں گزند پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا ورنہ ملک کے ساتھ ساتھ دُنیا بھر میں اُس کا وقار خاک میں مل جائے گا۔''

''وہ تو تمہارے فلم میں لوٹ جانے سے بھی ہوگا۔''

''نہیں، رامیر کو بیوی کی نہیں، تلوے چاٹنے والی کُتیا کی ضرورت ہے۔ بیوی کی حیثیت سے میرے بہت سے حقوق ہیں لیکن اُس نے ایک بھی پورا نہیں کیا۔ میرے جانے پر وہ پیرس کے مشہور ترین درزی سے سلا ہوا اپنا بہترین فوجی یونیفارم زیب تن کرے گا۔ اُس پر اسکول کے دنوں میں سوئمنگ میں ملنے والے تمغے سے لے کر آج تک ملنے والے تمام اعزازات سجائے گا اور ٹی وی اسکرین پر نمودار ہو کر قوم کو آگاہ کرے گا کہ ملکۂ بحریت، جس سے وہ بے حد محبت کرتا ہے اور جو اُسے بے پناہ چاہتی ہے، اپنے فلمی کیریئر سے الگ ہو کر خوش نہیں تھی۔ وہ ایک فن کارہ ہے، عظیم فن کارہ، اور میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی محبوب بیوی کے اندر کی فن کارہ کو مارنے کا مجرم قرار پاؤں، سو میں نے اسے فلموں میں کام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ یہ جُملے کہتے ہوئے آنسو بھی بہائے۔''

سلمٰی کے پاس کہنے کو اب شاید کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اُٹھی اور بیڈروم سے باہر نکل گئی۔ شیتل نے محض مُسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

OO

''اب ہم تنہا ہیں۔'' انیل کمار نے باغ کے دُور دراز کونے میں پہنچ کر آدی نارائن کو مخاطب کیا۔ ''لیکن تم نے مجھے میز کے نیچے سے ٹانگ کیوں ماری تھی؟ میں تو اُسے اِس فیصلے پر مبارک باد دینا چاہتا تھا، خوش ہونا چاہتا تھا کہ چینی گڑیا اور بھارت کی فلمی دیوی پھر ہماری آغوش میں آ گئی ہے۔''

''تم پَرلے درجے کے بے وقوف ہو۔'' آدی نارائن نے اُس کی اتنی لمبی چوڑی بات کے جواب میں محض ایک ہی جملہ کہا تھا۔

''بے وقوف میں ہوں یا تم؟'' انیل نے چیں بہ چیں ہو کر کہا۔ ''اچھے خاصے گرم کمرے سے نکال کر یہاں بُھوتوں کی طرح درختوں کے سائے میں کھڑا کر دیا ہے۔''

''یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' آدی نارائن نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ''یہاں بھی آہستہ بولو ہو سکتا ہے درختوں میں بھی خفیہ مائیکروفون نصب ہوں۔ اِسے بھول جاؤ کہ شیتل نے کیا کہا تھا۔ صرف یہ یاد رکھو کہ ہمارے الفاظ اس وقت بھی براہِ راست اُس کے کمرے میں پہنچ سکتے ہیں۔''

''بمبئی واپس جانے کی خواہش کا اظہار خود اس نے کیا ہے، ہم نے تو اُسے مجبور نہیں کیا۔''

آدی نے ایک طویل سانس لی۔ ''عقل سے کام لو انیل، اُس کے واپس آنے سے ہمیں کیا مل جائے گا؟ ہم نے کسی ملکہ یا کسی طاقتور ترین شخص کی دلربا بیوی کا خواب نہیں دیکھا۔ اب اُس کے ساتھ سابق کا دُم چھلا لگ چکا ہے۔ صرف سابق اداکارہ کا ہی نہیں، سابق ملکہ کا بھی، تم خود ہی بتاؤ کہ کون کسی سابق کے لیے اپنا مستقبل داؤ پر لگائے گا؟ ثریا یاد ہے تمہیں؟ وہ شاہِ ایران کو ولی عہد نہ دے سکی تو اُسے طلاق ہو گئی۔ اُسے فلم اسٹار بنانے کے بڑے منصوبے بنے لیکن ہاتھ کیا آیا؟ وہ سابق تھی اور سابق کا مطلب ہے کچھ نہیں۔ پیٹر

سابق بادشاہ یوگوسلاویہ، یا کانسٹنٹائن یونان کا سابق بادشاہ، وہ ایک بار اپنے تخت سے اُتر کر دیکھیں کوئی انہیں دیکھنے کے لیے ایک پائی بھی نہیں دے گا۔''

''مگر یہاں یہ صورت حال نہیں ہے۔'' انیل نے احتجاج کیا۔'' وہ اب بھی شیتل کلکرنی ہے، اگر ملکہ کی دُم اس کے ساتھ لگ گئی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''دُم؟ ارے نامعقول یہ تو بنیادی حقیقت ہے۔ بے شک اُس کا شمار دُنیا کی دس خوبصورت ترین خواتین اوّل میں ہوگا لیکن کیا کلکتہ کی کھولیوں اور سیتا پور کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں میں رہنے والا کوئی شخص اس سابق ملکہ کو دیکھنے کے لیے ڈیڑھ روپے کا ٹکٹ خریدے گا۔ شیتل کے اسکرین سے غائب ہونے کے بعد سینکڑوں خوبصورت لڑکیاں اسکرین پر جلوہ گر ہوئی ہیں۔ ڈمپل کپاڈیہ، نیتو سنگھ، زینت امان، ہیما مالنی، جیہ بہادری، بیتا، راکھی، ریکھا، پروین بوبی، یوگیتا بالی، موسمی چٹر جی اور کتنے نام گنواؤں میں تمہیں۔ اب بھلا فلم بین ایک کھوکھلے جسم کو اسکرین پر دیکھنے کیوں کر آئیں گے؟''

''لیکن ہمیں فنانس تو کوئی اور کرے گا۔''

''بے شک، مگر میں افسوس کے ساتھ کہوں گا کہ ہماری صنعت کی زبان کے مطابق وہ بینک ایبل نہیں ہے۔''

''ناممکن۔''

''یہی سچ ہے انیل۔'' آدی نارائن نے زور دیتے ہوئے کہا۔''شیتل کے لیے پیسے کوئی اُس کی شکل دیکھ کر نہیں دے گا بلکہ وہ اُس کی حالیہ کامیاب فلموں کی فہرست دیکھے گا اور شیتل کے پاس خوبصورت چوکھٹا تو ہے، خوبصورت ماضی نہیں۔''

انیل کمار نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔'' تو پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''سب سے پہلے ہم واپس بمبئی جا کر پرانے دوستوں کی طرح اُس سے بات کرتے ہیں۔'' آدی نارائن نے جواب دیا۔'' ہم اُس کے مفادات میں دلچسپی ظاہر کریں گے لیکن اُسے مجبور کریں گے کہ وہ دستبرداری پر نظر ثانی کرے۔ ہم اُسے بتائیں گے کہ وہ اب بھی بہت زیادہ خوبصورت ہے لیکن اُس کی یہ خوبصورتی ایک طاقتور شاہ کی ملکہ کی حیثیت سے تو لوگوں کو متاثر کرسکتی ہے، پندرہ سال پرانی اداکارہ کی حیثیت سے نہیں۔''

''درست۔'' انیل نے ہنکارا بھرا۔

''ہم اُسے بتائیں گے کہ محل سے باہر کی دُنیا اس کے لیے بہت سرد ہے، وہ فی الحال اُسی کی پناہ میں رہے۔ رہ گئی دستبرداری، تو وہ فلمی دُنیا میں دوبارہ قدم جما کر اس فیصلے پر عمل درآمد کرسکتی ہے۔''

انیل نے گرم جوشی سے اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور دونوں محل میں لوٹ آئے۔

OO

''لعنت بھیجو اُس پر۔'' وجیتا نے اپنے شوہر کی جانب سے شیتل کی وکالت پر برہم ہو کر کہا۔

''آہستہ۔'' سوہن کلکرنی نے اُسے سرزنش کی۔ ''یاد رکھو اب وہ سری نگر کی یتیم شتیلا نہیں، بحریت کی ملکہ شیتل رامیر ہے کوئی بھی تمہاری بات سُن کر اُسے آگاہ کر سکتا ہے۔''

''تمہیں یا مجھے اس سے کیا فائدہ؟'' وجیتا نے ناک سکوڑی۔ ''تم تو اُس سے مالی مدد حاصل کرنے آئے تھے اور وہ یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے۔'' سوہن کلکرنی نے اپنی بیوی کو بتایا۔ ''میں اُسے یاد دلاؤں گا کہ وہ طلاق لے رہی ہے اور ہمارے مذہب میں طلاق۔۔۔''

''تمہارا مذہب؟'' وجیتا نے طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹی۔ ''کون سا مذہب؟ کیا تم بھول گئے ہو کہ وہ اب ہندو نہیں ہے، عرصہ ہوا ہندو اسے بھول چکے ہیں، رامیر کو صرف یہ کہنا ہے، میں نے تمہیں طلاق دی، اور اگلے ہی لمحے وہ پھر یتیم شتیلا کی طرح گلی میں کھڑی ہوگی۔''

''میں اس بات کی کوشش بھی کروں گا کہ وہ دوبارہ ہندو مذہب اختیار کر لے اور اس کے لیے میں ایک بڑی قیمت بھی لگاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میری پیش کش اُسے خریدنے میں کامیاب ہو جائے گی۔''

''اپنے کاروبار کے لیے تو تمہارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں اور چلے ہو اُسے بھاری پیش کش کرنے، پاگل ہو گئے ہو؟''

''تم دیکھتی جاؤ، کیا ہوتا ہے۔'' سوہن نے شاطرانہ انداز میں کہا۔ ''وہ میری بات ضرور سُنے گی کیونکہ میں بہرحال اُس کا خونی رشتے دار ہوں۔''

OO

شیتل نے آنکھیں کھول کر بڑی بڑی کھڑکیوں کے بلٹ پروف شیشوں سے اندر آنے والی دھوپ کا جائزہ لیا اور دوبارہ تکیوں میں سر چھپا لیا۔ ہاتھ بڑھا کر اُس نے قریب پڑے ہوئے دوسرے مسلے ہوئے تکیے کو بھینچ لیا۔

اُسے یاد نہیں تھا کہ ارون کس وقت اُس کے پاس آیا تھا۔ ممکن ہے سلمٰی نے اسے بھیجا ہو یا پھر اُس نے خود فون کر کے اسے بلایا ہو۔ اُسے یاد نہیں آ رہا تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اُس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ تادیر اُس کے ساتھ رہا تھا۔ اُس نے اُسے تخت سے دستبرداری کے متعلق بتایا تھا۔

''تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، جان۔'' ناراض ہونے کے بجائے ارون نے اُسے یقین دلایا تھا۔ ''تمہیں جب اور جہاں میری ضرورت محسوس ہوگی میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

اور اُس نے خود کو ارون کے مضبوط حصار میں چھپا لیا تھا۔۔۔ شیتل نے ہڑبڑا کر دوبارہ سر اٹھایا۔ اب ارون نہیں تھا، اُس کا مضبوط حصار بھی نہیں تھا۔ وہ تنہا تھی اور اُسے ابھی بہت سے کام کرنے تھے۔ وہ نیم دلی سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ جلد از جلد تیار ہو جانا چاہتی تھی کیونکہ اسے علم تھا کہ رات کو اُس کے مُنہ سے دستبرداری کا فیصلہ سننے کے بعد اُس کے مہمان سو نہ سکے ہوں گے اور اب تب میں کوئی نہ کوئی اُس سے ملنے کے لیے آنے والا ہوگا۔

OO

''کیری، کون ہے؟'' اُس نے ڈرائنگ رُوم کے دُور افتادہ کونے سے دروازے پر موجود اپنی ملازمہ سے بہ آوازِ بلند دریافت کیا۔ اُسے کسی مرد سے کیری کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

''ملکہ کو بتاؤ کہ فادر فللین اُس سے ملنے آیا ہے۔'' مرد کی آواز اُبھری۔

لڑکی اُلٹے قدموں پیچھے ہٹی۔ پلٹ کر اُس نے اپنی مالکن کو دیکھا اور پھر جھک کر اُس نے فادر کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ شیتل نے دوسرا اشارہ کیا اور کیری دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں شیتل اور فادر فللین تنہا تھے۔ ملکہ نے اُٹھ کر فادر کا استقبال کیا اور اسے بیٹھنے کے لیے کُرسی پیش کی۔

''آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے فادر۔'' شیتل نے بوڑھے فادر کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

''تمہارے فیصلے سے مجھے بھی بے حد خوشی ہوئی ہے۔'' فادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب میں مطمئن ہوں۔''

شیتل نے پلکیں جھپکا کر فادر کو دیکھا۔ ''کیا مطلب؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔ ''آپ ہمیشہ سچ بولتے رہے ہیں فادر، اِس لیے مجھے صاف صاف بتائیے گا۔''

''یہ ایک شرمناک کہانی ہے شیتل، جس میں خود مَیں بھی ملوث ہوں۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''حالانکہ اِس کا تعلق تُم سے ہے۔''

''مجھ سے؟''

''جلد ہی صورت حال تم پر واضح ہو جائے گی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم دستبردار ہو رہی ہو۔''

''لیکن اِس سے آپ کو کیا فائدہ؟''

فادر نے اُس کے سوال پر کوئی توجہ نہ دی۔ ''تم بھارت واپس آ رہی ہو نا؟ یعنی گھر آ رہی ہو؟''

''ہاں۔''

''تب تو پھر تم ہندو مذہب اختیار کر لو گی؟'' فادر نے فوراً دریافت کیا۔ ''میرا تعلق عیسائی مذہب سے ہے لیکن میری خواہش ہے کہ ہر کوئی اپنی اصل کو لوٹ جائے، خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی، یہودی ہو یا بدھ مت کو ماننے والا۔۔۔''

''ہندو مذہب؟ سالوں گزر گئے کہ میں نے اس طرح کا تصور بھی نہیں کیا۔ شروع میں مَیں ضرور ڈگمگائی تھی لیکن اب تو ہندومت بہت پیچھے رہ گیا۔''

''اِس سلسلے میں بھی مَیں خود کو قصوروار سمجھتا ہوں۔''

''پہیلیاں نہ بجھوائیں فادر۔''

''اسے چھوڑو۔'' فادر نے اس بار بھی کوئی وضاحت نہ کی۔ ''تمہاری دستبرداری کی ٹھوس وجوہات تو ہوں گی، اگر مناسب سمجھو تو بتا دو، کیا تمہیں شادی سے حقیقی خوشی نصیب ہوئی ہے۔''

شیتل مسکرائی۔ ''آپ مجھے کوئی اعتراف کرنے کو تو نہیں کہہ رہے کہ میں۔۔۔''

''غیر رسمی طور پر۔''

''تو پھر میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔'' شیتل نے مطمئن انداز میں کہا۔ ''میری خوشیاں میرے بچے ہیں۔ رامیر کے ساتھ پہلے پانچ چھ سال تو بڑے رومانی گزرے لیکن بعد میں ہماری شادی شکوک وشبہات اور ابہام کی نذر ہو گئی، مگر اب یہ کہانی بھی ختم ہو گئی ہے۔ میرے شوہر کو میری ضرورت نہیں رہ گئی۔ وہ کسی اور سے پیار کرنے لگا ہے، اب میں اُس کی ملازمہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔'' شیتل کی آواز رُندھ گئی۔ ''میں سب کچھ کھو چکی ہوں فادر۔''

''تب پھر تم مجھے معاف کر دینا، شیتل۔'' فادر نے سر جھکا کر کہا۔ ''تمہاری زندگی میں زہر گھولنے والا سب سے بڑا مجرم مَیں ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' شیتل سارا دُکھ بھول گئی۔

''اگر میں کہوں کہ میں نے تمہیں ایک شاہ کے ہاتھوں بیچ ڈالا تھا تو اِس میں کوئی جھوٹ

نہ ہوگا۔"

"کھل کر بات کریں فادر۔" اُس کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"شاہ کے ساتھ تمہاری ملاقات سے قبل ڈاکٹر گوتم نیلامبر میرے پاس آیا تھا۔ اُسے شک تھا کہ شاید تم رامیر سے شادی کرنے اور اپنا مذہب تبدیل کرنے پر تیار نہ ہو۔ اُسے کسی نے بتایا تھا کہ دنیا میں صرف ایک شخص ایسا ہے جو تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور وہ میں ہوں۔ میں انتہائی شرمندگی سے یہ اعتراف بھی کروں گا کہ رامیر نے تم سے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شادی نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر گوتم نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک سیاسی شادی ہے۔ رامیر کو بھارت سے اسلحہ درکار تھا اور اس کے لیے کوئی مقبول بھارتی لڑکی بہترین سیڑھی ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ تمہارا انتخاب عوام میں تمہاری مقبولیت کے باعث اُس سیڑھی کے طور پر کیا گیا تھا جس پر چڑھ کر رامیر اپنے مقاصد حاصل کر سکتا تھا۔ گوتم اور خود رامیر نے تمہیں مجھ سے ملنے کا مشورہ دیا اور تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تمہاری شادی کی حمایت کی تھی۔ میں صورت حال جانتا تھا لیکن میں نے تمہیں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔"

شیتل کا دماغ گھوم گیا۔ اُس نے جس ہستی کو قابل اعتماد سمجھ کر اپنی پریشانیوں میں حصّہ بٹانے کے لیے بلایا تھا وہ اسے نئی کہانی سنا رہی تھی۔ وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی۔

"لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

"گوتم نے مجھے رامیر کی جانب سے سری نگر میں ایک یتیم خانہ اور ایک چرچ تعمیر کروا کر دینے کی پیش کش کی تھی۔" فادر نے جواب دیا۔ "اُس نے اپنے وعدے کی تکمیل بھی کی، میں نے اپنے مذہب سے وفاداری کا ثبوت دیا تھا لیکن یہ دکھ بھی تھا کہ میں نے کسی دُوسرے کو اُس کے مذہب اور ملک سے دور کر دیا ہے اور شاید دھوکا بھی دیا ہے مگر تمہاری کامیاب شادی کی خبریں سُن سُن کر میرے دل کو ڈھارس ہوتی تھی کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ البتہ مجھے یہ احساس بھی تھا کہ میں نے خدا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"تو اب آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" شیتل جانے کس طرح خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔

''کیونکہ میں نے تمہاری شادی کے بارے میں محض افواہیں سنی تھیں، کیونکہ تمہاری تکلیفوں کا ذمّے دار میں ہوں۔ اس لیے ہر روز خداوند سے معافی مانگتا ہوں لیکن مجھے معاف کیے جانے کا کوئی اشارہ نہیں ملا۔ میرے دل میں اب بھی چُبھن ہے اس لیے تم سے درخواست ہے کہ مجھے معاف کر دو۔''

''تو آپ یہ اعتراف کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں؟''

''ہاں۔''

''صرف اپنے اطمینان کے لیے؟'' شیتل نے چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''یہ جانے بغیر کہ آپ کے لالچ کے باعث میں نے پندرہ سال کانٹوں کی سیج پر گزارے ہیں۔''

''مجھے اِس بات کا علم نہیں تھا، شیتل۔'' فادر نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔ ''جب تم نے دستبرداری کا اعلان کیا، اُس وقت مجھے اس بات کا شک گزرا تھا اور میری غلطی میرے لیے ایک عذاب بن گئی۔''

''اب آپ چاہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ میں بھی آپ کو معاف کر دُوں؟'' شیتل اپنی جگہ سے اُٹھ کر فادر کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اُس کا پورا بدن کانپنے لگا تھا۔ ''یہاں سے چلے جائیں فادر۔'' شیتل کی آواز خطرناک حد تک بلند ہوگئی۔ ''دفع ہو جاؤ یہاں سے بُوڑھے شیطان ۔۔۔ تم نے مجھے اپنے لالچ کی بھینٹ چڑھا دیا ۔۔۔ بوڑھے دلاّل ۔۔۔ دفع ہو جاؤ۔ میں زندگی بھر تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی ۔۔۔''

OO

فادر فلین کے ساتھ انتہائی گرما گرم ملاقات کے باوجود شیتل نے اپنے دوسرے ملاقاتیوں کا استقبال ہنسی خوشی کیا تھا۔ اُس کے چہرے پر گزرے واقعات کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ نئے آنے والے انیل کمار اور آدی نارائن تھے۔

''ہم نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' انیل کمار نے اپنے لیے برانڈی انڈیلتے ہوئے رسماً دریافت کیا۔

''مجھے تمہارے آنے کی توقع تھی۔''

''تمہیں ہونی بھی چاہیے تھی۔'' آدی نارائن بات چیت کو آگے لے کر چلا۔ ''گزشتہ شب ہم نے تمہارے بارے میں بڑے طویل صلاح مشورے کیے ہیں اور اس وقت ہم تمہیں یہ بتانے آئے ہیں کہ تمہاری بمبئی واپسی سے ہم بے حد خوش ہیں۔ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ ہم تمہارے منصوبوں میں شامل ہیں؟''

شیتل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو کیا تم اپنے تابناک مستقبل کے بارے میں بات کرنا پسند کرو گی؟''

شیتل نے دوبارہ سر ہلایا۔

''ہم یہاں تمہاری دستبرداری پر بات کرنے نہیں آئے یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔'' آدی نے بات کر کے تائید کے لیے انیل کی طرف دیکھا لیکن وہ برانڈی میں مصروف تھا چنانچہ اُس نے بات دوبارہ شروع کر دی۔ ''دستبرداری کے کئی فائدے ہیں اور کئی نقصان، ہمیں فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے فنانسرز سے شیتل کلکرنی کی ایک سے زائد فلموں کا معاہدہ کر سکیں گے۔''

''اور نقصان۔۔۔''

''صرف تمہاری ذات کو ہے۔'' آدی نارائن نے جواب دیا۔ ''اِس وقت ملکہ ہونا

تمہاری پہچان ہے، دستبرداری تمہاری پہچان کو ختم کر دے گی۔ اس لیے ہمارا مشورہ ہے کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو تا کہ تم جب چاہو ملکہ کی حیثیت سے ریال واپس آ جاؤ۔ پہلے فلمی پانیوں میں اُتر کر دیکھو۔ کنارے لگ گئیں تو بے شک دستبردار ہو جانا ورنہ تمہارا محل تمہارے لیے بہترین جائے پناہ ثابت ہو سکتا ہے۔''

شیتل کے لیے آدی نارائن کا مشورہ ہتھوڑے سے کم نہیں تھا۔ کل وہ انہیں خزانوں سے مالا مال سمندر نظر آتی تھی اور آج اُس کی حیثیت ایک خشک کنویں سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی۔ کیونکہ اب اُس کے ساتھ سابق لگنے والا تھا۔ وہ بے وقوف تھی جو یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ وہ اُس کے پاس استعمال کرنے والوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ دوستوں کی حیثیت سے آئے تھے۔ اُس کا جی تو چاہا کہ اُن کے ساتھ بھی فادر فلین جیسا سلوک کرے لیکن کچھ سوچ کر اُس نے ارادہ ملتوی کر دیا اور تھکے تھکے سے انداز میں ملازمہ کو بلانے کے لیے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''میں اس بارے میں سوچوں گی۔'' اُس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''کیری تمہیں باہر لے جائے گی، میرے پاس دوسرے ملاقاتی آنے والے ہیں، ممکن ہے آج رات ہم دوبارہ ملیں۔''

OO

''بولیں، میں سُن رہی ہوں۔'' ایک گھنٹے بعد شیتل اپنی خالہ وجیتا گلکرنی اور خالو سوہن گلکرنی سے باتیں کر رہی تھی۔ موضوع تخت سے اُس کی دستبرداری ہی تھا۔

''تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد بچوں کا کیا ہوگا؟'' سوہن نے سوال کیا۔

''مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اُن پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔'' شیتل نے جواب دیا۔

''میں اُن کا کیا انتظام کرتی ہوں، یہ آپ کا مسئلہ نہیں۔''

''لیکن تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا شاہ اس بارے میں سنتے ہی تمہیں طلاق۔۔۔؟''

''طلاق؟'' وجیتا نے فوراً اپنے شوہر کا جملہ اُچک لیا۔ ''تمہاری ماں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنے شوہر سے طلاق نہیں لی تھی۔ ہمارے خاندان میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے، لوگ کیا کہیں گے؟''

''دو دن بعد لوگ اسے بھول جائیں گے۔'' شیتل نے اطمینان سے جواب دیا۔

''مگر طلاق ہی کیوں؟'' سوہن نے اپنی بات پھر شروع کی۔ ''تجرباتی طور پر علیحدگی کیوں نہیں؟ بہت سے شہزادے شہزادیوں نے ایسا کیا ہے۔ پرنس برنارڈ یاد ہے، اُس نے ڈچ لیڈی جولیانا سے علیحدگی اختیار کی اور بالآخر دونوں مل بیٹھے۔ شہزادی مارگریٹ اور لارڈ اسنوڈن کی شادی بھی اختلافات کا شکار رہی۔ انہوں نے علیحدگی ضرور اختیار کی لیکن طلاق کے لیے بچوں کے بڑے ہونے کا انتظار ضرور کیا۔ جیکی کینڈی کی مثال تمہارے سامنے ہے، اُس کا شوہر تو تمہارے شوہر سے بھی بڑا پلے بوائے تھا پھر تم۔۔۔''

''انکل۔'' شیتل نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ''آپ اور آنٹی فی الحال آرام کریں، اور ہمارے درمیان جو مختصر سی بات چیت ہوئی ہے اسے فی الحال بھول جائیں۔ دوپہر کو آپ لوگ خیموں کے شہر کی سیر کو جا رہے ہیں، رات کو ڈنر پر ملاقات ہوگی۔''

گیتا نیلامبر وسیع وعریض بیڈ پر آڑی ترچھی پڑی ہوئی تھی۔ وہ ذرا دیر پہلے ہی اپنے شوہر کے ہمراہ پیرس سے ریال پہنچی تھی۔ طویل فلائٹ نے اُسے تھکا دیا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ گوتم کے ساتھ کچھ دیر آرام کرتی لیکن محل پہنچتے ہی استقبالیہ ہال میں ڈاکٹر گوتم نیلامبر کی ملاقات درباری امور کے انچارج کرنل صمد مسعودی سے ہوگئی تھی جو اُسی کا منتظر تھا۔

کرنل صمد نے جوڑے کا مُسکراہٹوں کے ساتھ خیر مقدم کیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ گوتم کو لے کر ایک کونے میں کھسک گیا تھا۔ کچھ دیر اُن کی سرگوشیاں جاری رہی تھیں اور پھر گوتم تھکے تھکے انداز میں اُس کے پاس آیا تھا۔

''تم کمرے میں چلو گیتا، میں ذرا دیر میں آتا ہوں۔''

گوتم جواب کا انتظار کیے بغیر کرنل صمد کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور اب ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا تھا لیکن گوتم کی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا؟

OO

گیتا کے بیڈ رُوم سے خاصے فاصلے پر ایک بند دروازے کے عقب میں بیٹھا ہوا گوتم نیلا مبر اُس انکشاف کا منتظر تھا جو کرنل صمد کرنے والا تھا۔ اُسے اُس وقت بے حد حیرت ہوئی جب کرنل نے فوری بات شروع کرنے کے بجائے اپنی میز پر بیٹھ کر پنسل سے آڑی ترچھی لکیریں بنانی شروع کر دیں۔

''یہ کیا ہے؟'' گوتم نے احتجاج کیا۔ ''میں ایک طویل سفر کر کے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنی بیوی کے ساتھ آرام کروں۔''

''وہ جا رہی ہیں۔'' کرنل نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ ''انہوں نے یہ انکشاف گزشتہ شب ڈنر کے موقع پر کیا ہے۔''

''کون جا رہا ہے؟ اور تم اتنے پریشان کیوں ہو؟''

''ملکۂ عالیہ، تخت سے دستبردار ہو رہی ہیں۔''

گوتم کے لیے خبر اتنی اچانک تھی کہ وہ بے اختیار کُرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''یہ سچ ہے۔'' کرنل نے اُس کی تقلید کی۔ ''شاہِ معظّم کو اس کی خبر نہیں اور نہ ہی میں نے کسی کو بتایا ہے، خُدا کا شکر ہے کہ آپ میری رہنمائی کے لیے یہاں آ گئے ہیں۔''

''کیا بے وقوفی ہے؟ میرا ذہن تمہارے الفاظ قبول نہیں کر رہا۔ تمھیں یہ بے وقوفانہ خبر کہاں سے ملی؟'' گوتم دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''موسیو برائر سے۔'' کرنل صمد نے جواب دیا۔ ''وہ چیف ڈائننگ روم اسٹیورڈ ہے اور ثقہ اور ذمّے دار ہے کہ اُس سے کسی جھوٹ یا غلط بیانی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ملکہ نے ڈنر کے بعد تمام لوگوں کو کمرے سے چلے جانے کا حکم دیا تھا تا کہ وہ اپنے بھارتی دوستوں سے کُھل کر نجی گفتگو کر سکیں۔ کمرہ تو خالی ہو گیا لیکن موسیو برائر دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ملکہ کا یہ جملہ خود سُنا ہے کہ میں تخت سے دستبردار ہو رہی ہوں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ شاہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا؟'' گوتم نے پوچھا۔

''اگر انہیں علم ہوتا وہ فوری طور پر واپس آ جاتے۔''

''تب پھر ہمیں ہر حال میں انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ وہ کہاں ہیں؟''

''بلجیئم میں۔''

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے، چند روز پہلے انہوں نے برسلز سے مجھے فون بھی کیا تھا۔ وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''اپنی نجی رہائش گاہ میں، اُن کے چیف آف اسٹاف اور بعض اعلیٰ افسران اُن کے ہمراہ ہیں، شاہ باڈوئن نے خود اُن کے لیے انتظامات کیے ہیں، میرے پاس اُن کا فون نمبر ہے۔''

''تو پھر تمہیں انتظار کس بات کا ہے؟ نمبر ملاؤ۔''

''کک۔۔۔کون۔۔۔۔اُن سے بات کون کرے گا؟'' کرنل کی آواز لڑکھڑا گئی۔

''میں کروں گا، بے وقوف، تم نمبر ملاؤ۔'' گوتم نے غصے سے جواب دیا۔

OO

دونوں افراد ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ بلجیم کی کال ختم ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر گوتم نیلا مبر کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ نروس انداز میں انگلیاں چٹخا رہا تھا۔

''وہ اُسے نہیں ڈھونڈ سکتے، اُن کا کہنا ہے کہ شاہ دیہی علاقے میں وقت گزار رہا ہے نہیں جانتے کہ کہاں۔ میں نے انہیں بتایا کہ شاہ سے بات کرنا بے حد اہم ہے تو انہوں نے دریافت کیا کہ معاملہ سیاسی ہے، گھریلو ہے یا پھر بچوں کا ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ گھریلو ہے تو انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ جونہی اُن کا شاہ سے رابطہ ہوا وہ میری کال کے بارے میں بتا دیں گے۔''

''ہمارے پاس وقت بالکل نہیں۔'' کرنل صمد نے جواباً کہا ''ڈنر میں شریک کوئی بھی شخص باہر بات کرسکتا ہے، ہمیں ہر حال میں شاہ کو اس سے آگاہ کرنا ہوگا۔''

''ہمیں؟'' گوتم نے حیرت سے پوچھا۔

''جی سر! ہمیں، شاہ کسی ایک کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔''

گوتم نے ایک ہاتھ کا مکا بنا کر دوسری ہتھیلی پر مارا ''پہلے میں ملکہ سے بات کروں گا، ہو سکتا ہے تمہارے مخبر نے کچھ زیادہ چڑھا لی ہو، ہماری خوش بختی ہے کہ شاہ سے ہمارا رابطہ نہیں ہوا۔ ہمیں پہلے ملکہ سے بات کرنی چاہیے۔''

''میں آپ کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہوں۔''

OO

ڈاکٹر گوتم نیلامبر صرف چند منٹ اپنے اپارٹمنٹ میں رُکا اُس نے مختصر ترین الفاظ میں گیتا کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور شیتل سے ملاقات کو چل دیا۔

وہ اس وقت سوئمنگ پول میں پیراکی کر رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے تو گوتم ٹھٹک کر رہ گیا۔ ظالم اس عمر میں بھی اتنی خوبصورت تھی کہ پجاری اُس کے لیے مندر اور زاہد مسجد چھوڑ سکتا تھا۔ وہ مختصر لباس میں پانی میں اٹکھیلیاں کرتی ہوئی کوئی جل پری لگتی تھی۔

جونہی اُس نے گوتم کو دیکھا وہ اسی حالت میں پول سے باہر نکل آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو یورپی انداز میں خوش آمدید کہا۔ شیتل کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی جب کہ گوتم کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا تھا۔

''تم پہلے سے زیادہ خوبصورت نظر آ رہی ہو شیتل۔''

''آخر کار، پیارے گوتم، تم نے کوئی تو ایسی بات کہی جس پر میں آنکھیں بند کر کے یقین کر سکتی ہوں۔'' شیتل نے نقرئی قہقہہ فضا میں بکھیرا اور ایک بڑا سا تولیہ اٹھا کر لپیٹ لیا پھر وہ ایک ایزی چیئر پر دراز ہو گئی۔

''آؤ، اِدھر بیٹھو۔'' اُس نے ساتھ والی کُرسی کی جانب اشارہ کیا۔ ''گیتا کیسی ہے؟ میرا خیال ہے آرام کر رہی ہوگی۔ تمہارا اپارٹمنٹ آرام دہ تو ہے نا؟ فلائٹ کیسی رہی؟ اور ہاں پیرس کیسا تھا؟'' شیتل نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

گوتم نے اطمینان کا سانس لیا۔ شیتل کے کسی انداز سے کوئی خطرہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کرنل صمد کو برا بھلا کہا اور شیتل کے سوالوں کا جواب دینے لگا۔

''کل فادر فلین سے میری ملاقات ہوئی تھی۔'' اُس کے خاموش ہونے پر شیتل نے اُسے بتایا۔

''وہ سری نگر کا پادری؟'' گوتم نے جھٹکے سے سر اٹھایا ''مجھے یاد ہے وہ۔''

''تمہیں یاد ہونا چاہیے کیونکہ تم نے اُسے تباہ کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے، وہ باعتماد آدمی تھا لیکن تم نے اُس سے اُس کا اعتماد چھین لیا۔''

''اُس سے جو وعدے کیے گئے تھے، پورے کیے جا چکے ہیں۔'' گوتم کا اعتماد رفتہ رفتہ لوٹ رہا تھا۔ ''اُس کا خالق اُس کے کرتوتوں کو ضرور معاف کر دے گا۔''

''لیکن تمہیں کون معاف کرے گا؟''

گوتم نے کندھے اچکائے۔ ''مجھے کسی معافی کی ضرورت نہیں، مجھے ایک ذمے داری دی گئی تھی، سو میں نے پوری کی۔ تم نے اور رامیر نے ایک کامیاب ازدواجی زندگی۔۔۔''

''سیاسی ازدواجی زندگی۔'' شیتل نے اُس کی بات کاٹی۔

گوتم نے دوبارہ کندھے اچکائے۔ ''اِس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ معاملات کیسے شروع ہوئے۔ پرنس رنیئر اور گریس کیلی کی ملاقات کا اہتمام بھی ایک پادری نے ہی کیا تھا۔ وہ ایک مثالی شادی ہے یوں بھی تمام شادیاں اپنے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ہی کی جاتی ہیں۔ تم نے اپنا مقصد حاصل کیا اور رامیر نے اپنا، تم دوسری بہت سی دلہنوں سے خوش قسمت رہیں کیونکہ تمہارا دلہا ہتھیلی پر سر رکھ کر تم سے محبت کرتا ہے۔''

''تھوڑی تھوڑی۔''

''ہر شے بدل جاتی ہے۔''

''خیر تم یہ بتاؤ کہ تم گیتا کے بغیر مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو؟'' شیتل نے لاجواب ہو کر موضوع بدلا۔ ''لگتا ہے کوئی دھماکا خیز معاملہ لائے ہو اور ممکن ہے تم میرے بارے میں کوئی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''کیا وہ سچ ہے جو میں نے سُنا؟''

''ہاں۔''

''کیا تم نے رامیر کو بتا دیا ہے۔''

''میں نے برسلز فون کیا تھا۔ میجر بیجن نے رامیر سے میری بات نہیں کرائی، یہ شاہ کا حکم ہے، اُس نے مجھے بتایا، ہز میجسٹی آرام کر رہے ہیں اور میں کسی ہنگامی صورت حال کے بغیر انہیں ڈسٹرب نہیں کر سکتا، بیجن نے مجھ سے یہ کہا، رامیر کی بیوی سے۔۔۔''

''وہ بے وقوف آدمی ہے۔''

''میں پاگل ہوگئی ہوں۔ اُسی وقت میں نے ایک دن بھی انتظار نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے منصوبے پہلے اپنے مہمانوں کو بتا دیے۔ ابھی تک رامیر کا کوئی پیغام مجھے نہیں ملا۔'' اُس نے سوالیہ نگاہوں سے گوتم کو دیکھا ''کیا تم نے بات کرنے کی کوشش کی ہے؟''

''ہاں۔'' گوتم نے اقرار کیا۔ ''لیکن تمہاری طرح کامیابی مجھے بھی نہیں ہوئی، ممکن ہے پوری کہانی ہی جھوٹ کا پلندہ ہو۔''

''شکر ہے تم نے اقرار تو کیا۔''

''تم کب جا رہی ہو؟''

''جوبلی تقریبات کے بعد جُونہی مہمان روانہ ہوں گے، میں پرواز کر جاؤں گی۔''

''لیکن اس وقت کیوں؟ رامیر کی دوست لڑکیوں کے بارے میں تو تم پہلے بھی جانتی تھیں۔ اور یہ بھی طے ہے کہ تمہاری جانب اُس کی توجہ میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔''

''اب آ گئی تھی۔ وہ میری سُنتا ضرور تھا لیکن ظاہر یہی کرتا تھا کہ کچھ نہیں سُنا۔''

''میں نہیں مانتا۔'' گوتم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اُس کا اندازہ تھا کہ تم بمبئی واپس جانے پر اصرار کرو گی اور میں نے اُس سے وعدہ لیا ہے کہ مناسب وقت پر وہ اس سلسلے میں تمہاری حوصلہ افزائی کرے گا۔''

''رامیر نے تم سے وعدہ کیا ہے؟'' شیتل ایک دم خوش ہوگئی۔

''ہمیشہ کی طرح اُس نے مجھ سے مشورہ کیا تھا۔ میں نے اُسے بتایا تھا کہ اس سے جتنا فائدہ تمہیں ہوگا اُتنا ہی بحریت کو بھی ہوگا۔ وہ بھارت سے مزید خیر سگالی کے تعلقات چاہتا ہے۔''

''خیر سگالی کے تعلقات!''

''اور تمہاری خوشی بھی۔'' گوتم نے فوراً سنبھالا دیا۔ ''ہم سمجھتے ہیں کہ تم نے اپنے فلمی دوستوں کو یہاں کیوں بلایا ہے؟ اپنا راستہ ہموار کرنے کے لیے، اپنے گھر، اپنے وطن میں کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے، لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب ہم بھی تمہارے

ہی منصوبوں کی تکمیل کے لیے کام کر رہے تھے تو تم نے تخت سے دستبرداری کا فیصلہ کیوں کیا؟ یہ تو ناسمجھی کی بات ہے۔''

''نہیں۔'' شیتل نے زور دے کر کہا۔''یہ فیصلہ میں نے ایک دورے کے بعد کیا ہے۔''

گوتم کی آنکھیں سکڑ گئیں۔''تم کہاں گئی تھیں؟''

''لوزانے، اور وہاں میری ملاقات پپا اور رامیر کے بیٹے سے بھی ہوئی تھی۔''

OO

دوپہر کو شیتل کے مہمان خیموں کے اُس شہر کے دورے پر گئے جہاں جوبلی تقریبات کا آغاز ہونا تھا۔ فادر رائے فللین اُن کے ہمراہ نہیں تھے کیونکہ وہ صبح سویرے ہی واپس بھارت چلے گئے تھے۔ کرنل نوری کو گائیڈ کے طور پر اُن کے ہمراہ کیا گیا تھا لیکن شیتل نے اپنے محبوب اَرون کپور کو بھی ساتھ بھیجا تھا تاکہ آدی نارائن، انیل کمار، سوہن گلکرنی یا دجیتا سوہن کوئی ایسی بات نہ کر سکیں جس سے شیتل کے منصوبے کا قبل از وقت انکشاف ہو جائے۔

مہمانوں نے خیموں کے عظیم الشان شہر، جس میں دُنیا کی ہر سہولت فراہم کی گئی تھی، سے زیادہ راستے میں بکھری ہوئی فوجی تنصیبات میں دلچسپی لی تھی۔ جا بجا فوجی چھاؤنیاں اور اڈے بنے ہوئے تھے۔ انداز ایسا تھا جیسے بحریت حالتِ جنگ میں ہو۔ انہیں پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا کہ شاہ رامیر زاہدی نے فوجی لحاظ سے بحریت کو دُنیا کے چوٹی کے ممالک کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔

کرنل نُوری نے انہیں جوبلی تقریبات میں شرکت کے لیے آنے والے بادشاہوں، ملکاؤں، شہزادوں، شہزادیوں اور سربراہانِ مملکت، وزرائے مملکت اور دیگر اعلیٰ عہدیداران کے خیمے مرکزی بال روم، سوئمنگ پول، بار روم اور دیگر سہولتیں دکھائیں لیکن مہمانوں کا جی انہی فوجی تنصیبات میں اٹکا رہا جو وہ راستے بھر دیکھتے آئے تھے۔

OO

گوتم نیلامبر اور گیتا نیلامبر دوسری منزل پر واقع اپنے اپارٹمنٹ کی کھڑکیوں سے شیتل کے مہمانوں کو خیموں کے شہر کے دورے سے واپسی پر بس سے اُترتا دیکھ رہے تھے۔ نیلامبر اِن ساری بے وقوفیوں سے قطعاً خوش نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے جبڑے کھنچے ہوئے تھے اور وہ ایک ایک کو دیکھ کر یوں مٹھیاں بھینچ رہا تھا جیسے ابھی سب کا گلا دبا دے گا۔

''آخر تم نے دُنیا بھر کے مسائل کو اپنا دردِ سر کیوں بنا رکھا ہے؟'' گیتا نے پیار بھرے انداز میں اپنے شوہر کا حصار بنتے ہوئے پوچھا۔ ''شیتل اگر تخت سے دستبردار ہو رہی ہے تو تمہیں کیا؟ وہ ایک عام سی عورت ہے اور رامیر بھی یقیناً اُس سے تھک گیا ہوگا۔ اُس کے جانے سے ایک ہلکا سا دھما کا ہوگا۔ اخبارات چند روز اُس کے حوالے سے خبریں اُچھالیں گے اور بس۔ پھر لوگ اُسے بھول جائیں گے۔ ویسے اُس کی عمر کیا ہے؟''

''اڑتیس سال۔''

''تقریباً چالیس سال۔'' گیتا نے اک ادا سے کہا۔ ''اُس کا فلمی کیریئر بے حد محدود ہے۔ جلد ہی وہ دوسری سابق شہزادیوں کی طرح خود کو شراب، جُوئے اور نوجوانوں کی دوستی میں گم کر دے گی۔ تم دیکھنا آج وہ ملکہ ہے لیکن بیسوا سے زیادہ۔۔۔''

''اسٹاپ اِٹ۔'' گوتم نے اپنی بیوی کو جھڑکا۔ ''تمہارے مغز میں یہ باتیں نہیں سمائیں گی، ہمیں اُس کی ضرورت ہے۔''

''کسے ضرورت ہے، اُس دو ٹکے کی عورت کی؟''

''ہماری حکومت کو اُس کی ضرورت ہے، وہ اس وقت بحریت میں بھارت کی بہترین سفیر ہے۔ بھارت خلیج کے علاقے میں اپنی برتری اور دنیا کی چھٹی بڑی قوت بننے کی جو منصوبہ بندی کر رہا ہے شیتل اس میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ بھارتی حکومت شیتل اور رامیر کی شادی کو میرا سب سے عظیم کارنامہ قرار دیتی ہے۔ میں نے ایک مسلمان سرزمین پر

ہندو بیج بویا ہے اور اب جب وہ درخت بننے والا ہے تو میں کیسے اُسے تباہ ہو جانے دوں۔"

"مجھے نہیں معلوم تم کیا اول فول بکے جا رہے ہو؟"

"تم پرلے درجے کی بے وقوف ہو۔" وہ اُس کی طرف گھوم گیا۔ "شیتل، بحریت کو بھارتی اسلحے کی فروخت کی چابی ہے۔ وہ اگر یہاں سے چلی گئی تو مشرق وسطیٰ پر ہماری حکومت کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ ہم یہاں اسلحہ ہی نہیں بھیجتے بلکہ ماہرین اور مشیروں کی شکل میں ایسے جاسوس بھی بھیج رہے ہیں جو بحریت اور اسلام کی جڑوں کو گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ وقت آنے دو، رامیر کے محل پر ترنگا نہ لہرایا تو میرا نام بدل دینا۔ میں اتنے کشٹ اسی دن کے لیے تو کاٹ رہا ہوں۔ شیتل ملکہ کی حیثیت سے سابق فلمی اداکارہ ہی نہیں ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے۔ وہ چلی گئی تو رامیر بھی ہمارے دشمنوں کی گود میں جا بیٹھے گا۔ تمام بھارتی شہریوں، ماہرین اور مشیروں کو سمندر میں دھکیل دیا جائے گا۔ ہم خلیج پر حکمرانی کرنے کے بجائے اسی میں ڈوب مریں گے، شیتل اِس وقت ایک طوفان کے سامنے کھڑی ہے۔ ہمیں طوفان روکنا ہے یا شیتل کے قدم مضبوط کرنے ہیں۔"

"لیکن گوتم۔۔۔"

"بکومت، جو میں کہہ رہا ہوں صرف وہ کرو، تم میری بیوی ہو، شیتل صرف کوئی سیاسی شخصیت نہیں بلکہ اس وقت وہ دُنیا کی سب سے اہم ترین عورت ہے۔"

OO

شیتل نے ہاتھ اُٹھایا اور کمرہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ ساتھ ہی سامنے کی دیوار پر ایک قدِ آدم اسکرین روشن ہوگئی۔ اُس نے اپنے مہمانوں کو آج ایک سرپرائز دینے کے لیے محل کے پروجیکشن ہال میں بلایا تھا۔ جونہی اسکرین پر پہلا منظر ظاہر ہوا انیل کمار اچھل کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''سائے۔'' وہ چلّایا۔ اُس کی آواز میں خوشی کا عنصر بدرجۂ اتم موجود تھا۔ ''ہماری آخری فلم، وَٹ اے ونڈرفل ٹریٹ، شیتل۔'' (کیا حیرت انگیز خوشی ہے، شیتل)۔

''خاموش بیٹھو، بمبئی کے بونگے۔'' اندھیرے میں کہیں سے سلمیٰ فاروق کی آواز اُبھری۔ ''یوں لگتا ہے جیسے کسی بھکاری کے سامنے مُرغ مسلّم رکھ دیا گیا ہو۔''

''پندرہ سال گزر گئے شیتل۔'' انیل کمار نے سلمیٰ کی بات کا قطعی بُرا نہیں منایا۔

انیل اور سلمیٰ آپس میں الجھے رہے۔ شیتل جسمانی طور پر دونوں کے قریب لیکن ذہنی طور پر اُن سے بہت دور تھی۔ وہ اُن وجوہات پر غور کر رہی تھی جن کے تحت اُس نے 'سائے' دکھانے کا اہتمام کیا تھا۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ وہ سوہن اور جیتا کلکرنی اور خاص طور پر گوتم نیلامبر کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ ایک زمانہ پہلے اُس کی اپنی ایک شناخت تھی اور اب بھی اگر چاہے تو حاصل کر سکتی ہے۔ دوئم، وہ آدی نارائن اور انیل کمار کے مُنہ بند کرنا چاہتی تھی جواب ضرورت سے زیادہ کھلنے لگے تھے۔ سوئم، یہ (جسے سب سے پہلی وجہ ہونی چاہیے تھی) کہ اسکرین پر اپنا ماضی دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دینا چاہتی تھی کہ وہ اب بھی خوبصورت، ذہین اور لاکھوں پرستاروں کے دلوں کی دھڑکن ہے۔

وہ اپنے خیالات میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ دروازہ کُھلنے کی آواز بھی نہیں سن سکی البتہ جب اُس نے ایک اعلیٰ فوجی افسر کو آگے بڑھتے دیکھا تو سر جھٹک کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن آنے والے نے جس کا چہرہ وہ اندھیرے کے باعث پہچان نہیں پا رہی تھی اُسے ہاتھ

کے اشارے سے بیٹھے رہنے کو کہا اور اُس کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں گوتم نیلامبر بیٹھا ہوا تھا۔ اب وہ اسکرین کی روشنی میں اُسے پہچان سکتی تھی۔ وہ میجر جعفر سنجانی تھا جو محل کے حفاظتی عملے کی سربراہی کرتا تھا۔

میجر سنجانی نے انگلیوں سے گوتم کے کندھے پر دستک سی دے کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور جھک کر اُس کے کان میں کچھ کہا۔ گوتم سرگوشی سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کسی سے کچھ کہے بغیر باہر کی سمت چل دیا۔ میجر سنجانی اُس کے ساتھ تھا۔

شیتل نے نگاہیں دوبارہ اسکرین پر جما دیں لیکن اُس کا ذہن سنجانی اور گوتم میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ جب کئی منٹ تک اُن میں سے کوئی بھی واپس نہ آیا تو وہ پھر اپنے خیالات میں کھو گئی۔ اِس بار اُس کی سوچوں کا محور رامیر تھا۔

رامیر کل واپس گھر آ رہا تھا۔

شیتل کو بتایا گیا تھا کہ شاہ کا خصوصی نجی طیارہ کل صبح ریال ائرپورٹ پر لینڈ کرے گا۔ شاہ کے وفد کے ایک رُکن کرنل حجازی نے تمام افراد کو فون پر الرٹ رہنے کو کہا تھا جن میں لینڈنگ اسٹرپ کا کریو، محل کا اسٹاف اور خاندان کے افراد شامل تھے۔

اور پروجیکشن ہال کے اندھیرے میں بیٹھی شیتل خود کو اپنے شوہر سے ملاقات کے لیے تیار کر رہی تھی۔

اُس نے سوچا تھا کہ شاہ کا استقبال کرنے خود ائرپورٹ جائے گی۔ سینٹ موریز میں ہونے والے حادثے کے بعد یہ پہلا موقع ہوتا کہ وہ محل سے باہر اُسے خوش آمدید کہتی۔ اس طرح کے استقبال سے یقیناً رامیر کو بے حد خوشی اور آنے والے ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے لیے انہونی بات ہوتی۔

شیتل نے فیصلہ کیا کہ وہ بھاگ کر اپنے شوہر کے گلے کا ہار ہو جائے گی اور پھر اُس کے بازو میں بازو ڈالے تنہا شاہی بلٹ پروف لیموزین کی عقبی نشست پر بیٹھے گی۔ وہ تجویز پیش کرے گی کہ شاہی باڈی گارڈ شوفر کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھیں اور پھر ساؤنڈ پروف گلاس پارٹیشن اٹھا دے گی جس سے وہ دونوں باقی دُنیا سے کٹ جائیں گے۔ رامیر اُس سے بچوں، مہمانوں اور خیموں کے شہر کے بارے میں پوچھے گا۔ وہ خود اُس کے بارے میں بھی

پوچھے گا اور پھر وہ اُسے بتائے گی لیکن سب کچھ نہیں، صرف تھوڑا سا۔۔۔اُسے گوتم کی طرف سے کان بھرے جانے کے لیے تیار کرے گی۔

اُسے اُس کے غصّے سے خوف آتا تھا۔ وہ اُس کے بہت جلد مشتعل ہو جانے سے ڈرتی تھی۔ اس لیے وہ اُس سے محبت جتائے گی اور رات گئے تک اُسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔ پھر جب وہ دونوں محبتوں کے دیپ جلانے کے لیے اپنے کمرے میں ہوں گے تو موقع پا کر اُسے سب کچھ بتا دے گی۔

یہ سب انتہائی محتاط طریقے سے کیا جانا تھا۔ خوش قسمتی سے گوتم اُسے یہ بات بتا چکا تھا کہ رامیر کو اُس کی بمبئی واپسی کا خدشہ لاحق تھا اور اس نے اس کی عدم موجودگی میں اپنے دوست سے اس معاملے پر تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔

لیکن دستبرداری؟ اُسے علم تھا کہ جب وہ زبان سے یہ لفظ ادا کرے گی تو ایک دہشت ناک قسم کا سین رونما ہو گا لیکن اُس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اگر رامیر نے کوئی سخت ردِعمل ظاہر کیا تو وہ جوبلی تقریبات سے پہلے ہی غائب ہو جائے گی اور رامیر کو لوگوں سے یہ کہنے کے لیے تنہا چھوڑ دے گی کہ اُس کی بیوی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔

عقبی دروازہ پھر کُھلا اور بند ہوا۔ شیتل کی سوچیں تھم گئیں۔ اندر آنے والا گوتم نیلامبر تھا جو اُسی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

''براہِ کرم آپ تمام لوگ فلم دیکھیں میں ہر میجسٹی سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' گوتم نے باقی لوگوں سے معذرت کی اور شیتل کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر کی جانب چل دیا۔ وہ خاصی جلدی میں لگ رہا تھا۔

جونہی وہ دروازے سے باہر نکلی یہ دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھیل گئیں کہ میجر سنجانی ایک ستون کا سہارا لیے سسکیاں لے رہا تھا۔ شیتل نے پلٹ کر گوتم کو دیکھا۔ اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے ہونٹ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ شیتل بری طرح خوف زدہ ہو گئی۔ اُس نے گوتم کو چشمہ اتارتے دیکھا اور ساتھ ہی گوتم کی آنکھیں آنسو اگلنے لگیں۔

''گوتم!'' شیتل ہسٹیریائی انداز میں چیخی۔ ''یہ سب کیا ہے؟ بتاؤ گوتم۔'' اُس نے بڑھ کر گوتم کے دونوں بازو تھام لیے اور اُسے تقریباً جھنجھوڑ ڈالا۔ ''کیا ہوا ہے گوتم؟''

گوتم نے جیب سے رومال نکال کر آنکھیں خشک کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اُس کے مُنہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ وہ بول نہیں پا رہا تھا۔ کسی طرح اُس کی زبان سے محض چند ٹوٹے پھوٹے جملے ادا ہوئے۔

''رامیر کا انتقال ہو گیا ہے، شیتل۔۔۔ایک حادثے میں۔۔۔کار کا حادثہ۔۔۔پیرس میں۔۔۔''

شیتل لہرائی لیکن اس سے پہلے کہ اُس کا جسم پختہ فرش سے ٹکراتا۔ ہچکیاں اور سسکیاں لیتے گوتم نے بڑھ کر اُسے تھام لیا۔ شیتل کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئی تھیں لیکن وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی۔

''نہیں۔'' وہ پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخی۔ ''یہ جھوٹ ہے، وہ کل صبح واپس آ رہا ہے۔۔۔تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔۔۔'' شیتل نے بُری طرح بلکنا شروع کر دیا۔ ''میں اُس کے استقبال کے لیے خود ائرپورٹ جا رہی ہوں۔۔۔ہم دونوں اکیلے پچھلی نشست پر بیٹھ کر محل واپس آئیں گے۔۔۔میں اُس سے مستقبل کے منصوبوں پر بات چیت کروں گی۔۔۔'' اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

جانے کتنی دیر وہ یونہی بلکتی رہی۔ گوتم یا میجر سنجانی نے اُسے چُپ کرانے یا دلاسا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ کافی دیر بعد جا کر اُس کی ہچکیاں کم ہوئیں لیکن آنسو بدستور اُمڈے چلے آ رہے تھے گوتم اس تمام عرصے میں اُسے سہارا دیے کھڑا رہا تھا۔

''اب تم کبھی اُس سے بات نہیں کر سکو گی۔'' شیتل کی حالت کچھ سنبھلنے پر گوتم نے کہا۔ ''رامیر ہماری دنیا سے بہت دور جا چکا ہے۔ پونٹ الیگزینڈر پر کار کا حادثہ ہوا ہے وہ خود ڈرائیو کرتے ہوئے نیویلی میں اپنے گھر واپس آ رہا تھا۔ رات دو بجے کا وقت تھا اور دھند۔۔۔پورا پیرس دھند میں لپٹا ہوا تھا کہ۔۔۔''

''پیرس؟'' شیتل چونکی۔ ''وہ پیرس میں تھا؟ تمہیں کس نے بتا دیا ہے؟''

''صدر فرانس نے ایلیسی پیلس سے فون کیا تھا۔ حادثے کی اطلاع انہوں نے ہی دی ہے۔ انہوں نے یقین دلایا ہے کہ تمام تحقیقات اور انتظامات ہنگامی اور اعلیٰ سطحی بنیادوں پر کیے جائیں گے۔''

''گوتم۔۔۔!'' اُس کی آواز ڈوب ابھر رہی تھی۔ ''کیا وہ کار میں تنہا تھا؟''

''اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''پڑتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ۔۔۔''

''گوتم!'' شیتل پوری قوت سے چیخی۔

''ہاں۔'' اُس نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔ ''ایک فرانسیسی اداکارہ اُس کے ہمراہ تھی لیکن وہ بچ گئی ہے اور اُسے غائب کر دیا گیا ہے تاکہ کوئی اسکینڈل نہ بنے، صدر فرانس نے خود اُس اداکارہ سے بات کی ہے۔''

شیتل نے دوبارہ رونا شروع کر دیا۔ سسکیاں اور ہچکیاں پھر بلند ہونے لگیں۔

''رامیر۔۔۔ کبھی نہیں مر سکتا۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔ کہہ دو۔۔۔ جھوٹ ہے۔۔۔ بکواس ہے۔۔۔'' اُس پر ہسٹیریائی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

اُس کا ذاتی ڈاکٹر رضا حسینی آ پہنچا تھا۔ اُس نے اپنے سلیپنگ سوٹ پر گاؤن پہن رکھا تھا جس کی ڈوریاں بھی صحیح طرح کسی ہوئی نہیں تھیں۔ اُس نے ایک سرنج اپنے بازو میں داخل ہوتے محسوس کی۔

''چھوڑ دو مجھے۔'' وہ بُری طرح دہاڑی۔ ''مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔۔۔ میرے بچے۔۔۔''

''وہ سو رہے ہیں۔'' کسی نے جواب دیا۔ ''نرس نے تمام افراد کو ہدایت کر دی ہے کہ کوئی اُن کے قریب نہ جائے۔ صبح ہم انہیں آپ تک لے آئیں گے۔''

''کریم۔۔۔ اریبہ۔۔۔؟''

''ہم انہیں مطلع کر دیں گے۔''

''نہیں، میں خود انہیں بتاؤں گی۔''

''تھوڑی دیر بعد۔۔۔ انجکشن آپ کو نیند کے لیے نہیں دیا گیا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''یہ صرف سکون آور ہے، میں آپ کو ہوش و حواس سے بیگانہ ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ پہلے آپ خود کو سنبھالیں اور اس حادثے کو بھولنے کی کوشش کریں۔''

''کبھی نہیں۔'' وہ دوبارہ چلائی۔ ''کبھی نہیں، مجھے میرا شوہر چاہیے۔''

ڈاکٹر حسینی اُس کی طرف بڑھا۔ ''آپ جانتی ہیں کہ اب یہ ناممکن ہے۔ میں آپ سے کچھ اور تو نہیں کہوں گا صرف ایک جملہ۔۔۔ کہ وقت دنیا کا سب سے بڑا مرہم ہے۔۔۔ آپ ذرا دیر آرام کر لیں۔۔۔ آپ کہیں تو میں آپ کی ملازمہ کو بلوا بھیجوں۔''

''نہیں۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ''سلمیٰ کو بلوا دیں۔''

OO

سلمٰی نے اُس کے ساتھ کیا کچھ کیا اُسے کچھ یاد نہ تھا۔ وہ نیم خوابی کی کیفیت میں تھی، اور سلمٰی بھی اُسے کسی دیو قامت سائے سے زیادہ کچھ نظر نہیں آ رہی تھی۔

سلمٰی کی مدد سے ہی اُس نے ارون کو جگا کر حادثے کے بارے میں بتایا اور اُسے فوری طور پر سوئٹزرلینڈ جا کر کریم کو ساتھ لانے کے لیے کہا۔ ارون کی روانگی کے بعد اُس نے سوئٹزرلینڈ لی روزی فون کیا۔ ہیڈ ماسٹر نے اُس کی درخواست پر کریم کو جگایا۔ وہ اپنے باپ کے انتقال کی خبر سن کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اُس نے اُسے بتایا کہ وہ تیار رہے۔ ارون اُسے لینے پہنچ رہا ہے۔

پیرس میں اریبہ کے فلیٹ پر فون، ریکس نے اٹھایا۔ اُس نے فون کی وجہ بتائی تو ریکس کو فوری طور پر یقین ہی نہیں آیا۔ اگلے ہی لمحے اریبہ خود لائن پر تھی۔

''اوہ نو۔'' وہ سِسک پڑی۔ ''یہ جھوٹ ہے۔''

لیکن یہی سچ تھا۔ اریبہ کی سِسکیاں، ہچکیوں میں بدل گئیں تو ریکس نے ریسیور لے لیا۔

''میرے لائق کوئی خدمت؟''

''ایلیسی پیلس سے رابطہ کرو۔'' شیتل نے اُسے ہدایت کی۔ ''اریبہ کے لیے حکومت فرانس خُصوصی طیارہ فراہم کر دے گی۔۔۔ نہیں۔۔۔ تم اُس کے ساتھ مت آنا۔ میں فی الحال یہاں تمہارے تحفظ کی ضمانت نہیں دے سکتی۔''

پھر اُس نے عذرا کو فون کیا جس کے بارے میں کرنل نوری نے پتا چلایا کہ ان دنوں استنبول میں ہے۔

''میں پہلی دستیاب فلائٹ سے ریال پہنچ رہی ہوں۔'' شہزادی عذرا نے جواب دیا۔

اور سب سے آخر میں لوزانے میں پیا کے گھر فون کی گھنٹی بجی۔ پیا خود فون پر تھی۔

''پیّا؟'' شیتل نے پکارا۔

''کون؟'' پیّا نے سوال کیا۔

''میں ریال سے شیتل بات کر رہی ہوں، کیا تم تنہا ہو؟''

''یور میجسٹی۔'' پیّا کا لہجہ فوراً بدل گیا۔ ''کیا آپ شاہ کے بارے میں دریافت کر رہی ہیں۔ وہ یہاں نہیں۔۔۔''

''میں جانتی ہوں۔''

''پھر کیوں۔۔۔؟''

''پیّا۔۔۔ میں تمہیں۔۔۔ کیسے بتاؤں کہ رامیر کا۔۔۔ انتقال ہو گیا ہے۔'' شیتل کو دی جانے والی دوا کا اثر زائل ہوتا جا رہا تھا اور اُس کی ہسٹیریائی کیفیت لوٹ رہی تھی۔

پیّا اتنے زور سے چیخی کہ شیتل کو ہیڈ فون کان سے ہٹا لینا پڑا۔ ''تم جھوٹ کہتی ہو، میری سوتن ہو نا؟ تم مجھے دکھ دینا چاہتی ہو، تم۔۔۔''

''یہ سچ ہے پیّا۔'' شیتل نے اُس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ ''میں بھی تمہاری طرح اسی دُکھ سے گزر رہی ہوں۔ میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ تم اُس سے پیار کرتی تھیں اور میں نہیں چاہتی کہ تمہیں تمہارے محبوب کے مرنے کی خبر اخباروں سے ملے۔۔۔ یہ حقیقت ہے پیّا۔۔۔ خدا گواہ۔۔۔''

ریسیور اُس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اور اس نے سسکنا شروع کر دیا۔

شاید سلمٰی نے ڈاکٹر حسینی کو بلا بھیجا تھا کیونکہ فوراً ہی اُسے بازو میں سرنج چبھتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ بے دم ہو کر بستر پر گر پڑی۔

بے ہوش وہ اب بھی نہیں تھی۔ بس سب کچھ اُسے خواب کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ ایک آدھ بار اُس نے بولنے کی کوشش کی لیکن ہونٹ محض تھرتھرا کر رہ گئے۔ اُس نے گوتم نیلامبر کو دیکھا، جنرل مجیب بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ جنرل کا چہرہ سوگوار تھا۔ اُس نے شیتل سے تعزیت کی لیکن وہ جواباً اُس کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکی۔

پھر جنرل مجیب، گوتم کو کمرے کے کونے میں لے گیا۔ دونوں کچھ دیر سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ درمیان میں گوتم نے ایک دو بار پلٹ کر حیرت زدہ نگاہوں سے شیتل کو

دیکھا اور پھر باتوں میں مصروف ہو گیا۔

''اوہ نہیں، یہ ناممکن ہے۔'' گوتم کی آواز شیتل کو کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

''یہ سچ ہے۔'' جنرل مجیب نے جواب دیا۔'' یہ دس سال قبل ہوا تھا۔ خود میں بھی بھول گیا تھا۔ شاہ کا خیال تھا کہ کریم کے سولہ سال کے ہوتے ہی وہ اسے منسوخ کر دیں گے۔''

گوتم نے جواب میں کچھ کہا تھا لیکن شیتل کو سُنائی نہیں دیا تھا۔

OO

وہ لوگ کانفرنس روم میں موجود تھے۔ شیتل، سلمیٰ کے سہارے وہاں تک پہنچی تھی۔ سلمیٰ نے اُسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن شیتل کی ضد تھی کہ وہ اسی وقت جنرل مجیب اور گوتم سے بات کرے گی۔

''گوتم اور مجیب نے جن نظروں سے مجھے دیکھا تھا اُن میں حیرت، دُکھ اور صدمے کی سی کیفیت تھی۔'' شیتل نے سلمیٰ کو آگاہ کیا تھا۔ ''لیکن یہ رامیر کے انتقال کی وجہ سے نہیں تھا۔ وہ میرے بارے میں کوئی بات تھی، میں ہر حال میں ابھی اُن سے بات کروں گی۔''

اور سلمیٰ کو اُس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ دروازے پر پہنچ کر شیتل نے خود کو سلمیٰ کی گرفت سے آزاد کرالیا۔ چند ثانیے وہ دیوار کا سہارا لیے ہانپتی رہی اور پھر بے آواز قدموں سے اندر داخل ہوگئی۔

''پیارے دوستو!'' اُس نے کمزور سی آواز میں کہا۔ ''کیا میں شامل ہوسکتی ہوں؟''

وہ تمام کے تمام یُوں اچھلے جیسے انہیں بچھوؤں نے ڈنک مار دیا ہو۔

''شیتل۔'' انیل کمار اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کی طرف بڑھا۔

''میرے نزدیک مت آنا۔'' اُس نے حتی المقدور تیز آواز میں چیخ کر اُسے متنبہ کیا۔ ''تمام لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں تاکہ مجھے نظر آسکیں، شاہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیا تم انقلاب کی منصوبہ بندی کررہے ہو جنرل؟ اور یہ کیا تمہارے فوجی ہیں؟''

''تمہیں علم ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وجیتا نے اپنی بھانجی کو ٹوکا۔ گیتا نے بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''سوری گیتا۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ''میرا مطلب تم سے نہ تھا۔ تمہاری اپنی بادشاہت ہے، تمہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''یور میجسٹی۔'' جنرل مجیب نے نشست سے اُٹھ کر اُسے تعظیم دی۔ ''اچھا ہوا آپ

یہاں تشریف لے آئیں۔ ہم ابھی آپ کو یاد کر رہے تھے۔ آپ کے موجودہ اسٹیٹس پر غور کر رہے تھے اور فیصلہ کیا گیا ہے کہ تدفین تک انتظار کر لیا۔۔۔"

شیتل کی نگاہوں میں سختی عود کر آئی۔ "ابھی۔" اُس نے حکم دیا۔

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، جیسے کسی ترجمان کی تلاش ہو۔

"یور میجسٹی۔۔۔" بالآخر گوتم نے بات شروع کی۔

"یور میجسٹی۔۔۔؟ تمہاری طرف سے گوتم؟" شیتل طنزیہ طور پر ہنسی۔ "اس وقت تمہاری آستین میں کون سا سانپ ہے؟"

"میری طرف سے کوئی نہیں۔" گوتم نے اُس کی بات کا بُرا نہیں مانا۔ "مجھے جنرل مجیب نے کچھ باتیں بتائی ہیں جو دس سال قبل شاہ مرحوم نے طے کی تھیں۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ اُن کے انتقال سے بحریت زبردست دباؤ کا شکار ہے۔ بایاں بازو سر اُبھار رہا ہے اور بحریت خانہ جنگی کا شکار ہونے والا ہے۔ شاہ، ان عناصر کو کچل کر رکھتے تھے اور اسی لیے اُن کی خواہش تھی کہ وہ آپ کے آبائی وطن سے روابط دوستانہ رکھیں۔ انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ اُن کے انتقال کی صورت میں۔۔۔ ولی عہد کے بجائے۔۔۔ آپ بحریت کے تخت پر بیٹھیں گی۔ شاہ نے کہا تھا کہ میرے اردگرد جو لوگ موجود ہیں اُن میں تخت پر بیٹھنے کے لائق ملکہ سے زیادہ بہتر کوئی شخص نہیں۔"

"لیکن اس کا۔۔۔"

"ایک منٹ یور میجسٹی، یہ کچھ عرصے کے لیے ہوتا اور پھر تخت ولی عہد کے سپرد کر دیا جاتا۔"

"یہ تو میری بھی خواہش تھی۔ ہم دونوں ہی اس بات پر رضامند تھے کہ۔۔۔"

"گستاخی معاف ملکۂ عالیہ۔" جنرل مجیب نے دخل اندازی کی۔ "شہزادہ کریم ابھی تخت کی بھاری ذمے داریاں سنبھالنے کے لیے خاصے کم سن ہیں۔ اس وقت بحریت کو آپ کی ضرورت ہے۔ ذاتی طور پر میں خود مرد ولی عہد کا حامی ہوں لیکن حالات کو بھی سامنے رکھیے۔ مناسب وقت آنے پر آپ تخت، ولی عہد کے حوالے کرنے کا اعلان کر سکتی ہیں۔"

شیتل کی آنکھوں کے سامنے پھر اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سری نگر

کے ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور کی بیٹی کسی طاقت ور مُلک کی تقدیر کی وارث بن جائے گی۔
اُس کا دماغ اُس کے کنٹرول سے باہر ہورہا تھا۔دور کہیں سے اُسے گوتم کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''شیتل۔'' وہ کہہ رہا تھا۔''بحریت تمہارا ہے، ہر شہری تمہارے حُکم کا غلام ہے۔ مسلح افواج، پولیس، بے شمار دولت اور تخت کی طاقت وقوت سب تمہاری ہے۔تم اب کسی ملک کے بادشاہ سے شادی کے رشتے سے ملکہ نہیں رہیں بلکہ آج سے تم بحریت کی حکمران ہو، آج شب سے تم حقیقی ملکہ بن گئی ہو۔''

OO

ڈاکٹر ساری رات شیتل کے سرہانے بیٹھا رہا تھا۔ وہ ایک آدھ بار سلمٰی سے اُلجھا بھی تھا جو اپنی محبت میں اُسے الٹے سیدھے مشورے دے رہی تھی۔ صبح تک شیتل کی حالت خاصی سنبھل گئی تھی۔

سب سے پہلے اُس کی ملاقات بچّوں سے ہوئی جو اُچھلتے کُودتے اور ماں سے غیر متوقع ملاقات کی خوشی میں گنگناتے اور ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے لیکن جب شیتل نے انہیں اُن کے باپ کے انتقال کی خبر سنائی تو اُن کے قہقہے، آہوں اور سسکیوں میں بدل گئے تھے۔ شیتل نے ایک ذمّے دار بیوی اور پیار کرنے والی ماں کی طرح انہیں تسلّی دی۔

''میرے پیارو۔'' اُس نے شہزادہ جنید اور شہزادی نریام کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔ ''تم نے مقدّس قرآن حکیم میں پڑھا ہوگا کہ ہماری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم زمین پر اُس کی امانت ہیں اور وہ جب چاہتا ہے اپنی امانت واپس لے لیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یومِ حساب کا وعدہ بھی کیا ہے، جب تمام مرنے والے زندہ ہو جائیں گے۔ تمہارے والد کو بھی اٹھایا جائے گا اور زندہ کیا جائے گا اور اُس وقت تم اُن سے دوبارہ مل سکو گے۔''

شیتل بہت دیر تک انہیں اپنی آغوش میں لیے تسلّیاں اور دلاسے دیتی رہی لیکن وہ جب کمرے سے رخصت ہوئے، تب بھی رو رہے تھے۔

''میں اب کسی سے نہیں ملوں گی۔'' بچّوں کے جاتے ہی شیتل نے ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔

''بدقسمتی سے یہ ممکن نہیں ہے ملکہ عالیہ۔'' ڈاکٹر نے ادب سے جواب دیا۔ ''جنرل مجیب اور ڈاکٹر گوتم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں بہت روکا ہے مگر وہ بضد ہیں کہ یہ ملکی سلامتی کا معاملہ ہے۔''

OO

دونوں سر جُھکائے باادب اُس کے سامنے کھڑے تھے۔ شیتل اُن سے نہیں ملنا چاہتی تھی لیکن مجبوراً اُسے بلانا پڑا تھا۔ چند ثانیے وہ اُن کے بولنے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب وہ خاموش رہے تو اُس نے خود ہی بات شروع کی۔

''میں پہلے ہی دُکھی ہوں، تمہید کی ضرورت نہیں جو کہنا ہے کہہ کر فوراً چلے جاؤ۔''

''یور میجسٹی!'' جنرل مجیب کا سر اب بھی جُھکا ہوا تھا۔ ''بے شک ہمیں بھی بے حد دُکھ ہے لیکن بعض معاملات آپ کی فوری توجہ کے طالب ہیں۔''

''ہمیں دخل اندازی پر افسوس ہے ملکۂ عالیہ۔'' اس بار گوتم نے لب کشائی کی۔ ''لیکن بہت سے معاملات آپ کے احکامات کے منتظر ہیں۔ سرکاری اعلان، تدفین کے انتظامات، جوبلی تقریبات کی منسوخی۔۔۔ یہ فیصلے لازمی کیے جانے ہیں۔''

''تو کر گزرو۔'' شیتل نے بے زاری سے کہا۔ ''تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔''

''آپ کی تاجپوشی سب سے اہم مسئلہ ہے۔'' گوتم نے جواب دیا۔ ''جو آپ کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ کو عوام کے سامنے جانا۔۔۔''

''میں ابھی اس کے لیے تیار نہیں۔''

گوتم اور جنرل مجیب کے مابین نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔

''ٹھیک ہے۔'' بالآخر جنرل مجیب نے جواب دیا۔ ''تاجپوشی آپ کی صحت یابی تک ملتوی کی جاسکتی ہے۔ ابھی۔۔۔''

''تو یہ طے رہا۔'' شیتل نے اُس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ ''فی الوقت تاجپوشی نہیں ہوگی۔ اُس وقت تک جب تک میں اس بارے میں فیصلہ نہیں کرتی۔ باقی معاملات میں تم دونوں پر چھوڑتی ہوں۔''

OO

رامیر کی آخری رسومات میں جوبلی تقریبات میں متوقع طور پر شریک ہونے والوں سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں معزز مہمانوں نے شرکت کی۔ تمام سربراہان، شاہوں، ملکاؤں اور وفود کے قائدین نے فرداً فرداً شیتل سے ملاقات کر کے اظہارِ تعزیت کیا۔ رامیر کا آخری دیدار صرف خاندان کے افراد نے کیا اور پھر اُسے محل کی مسجد کے سائے اور اپنے والد کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

تدفین کے بعد قریبی رشتے داروں نے شیتل سے ملاقات کی۔ سب سے پہلے شہزادی عذرا آنسوؤں میں تر چہرہ لیے آئی۔ پھر شہزادی اریبہ زاہدی نے اپنی ماں سے تعزیت کی۔

''میرے لائق کوئی خدمت، آنٹی؟'' اریبہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' شیتل نے اسے کھینچ کر خود سے لپٹا لیا۔ ''پیرس واپس جا کر اپنی تعلیم مکمل کرو، جب مجھے تمہاری ضرورت ہوگی میں تمہیں سب سے پہلے بلواؤں گی۔''

انیل کمار اور آدی نارائن بھی آئے تھے۔ دونوں ہی اُس کا دُکھ بانٹنے کے لیے فی الحال ریال میں رکنا چاہتے تھے۔ شیتل خاموش رہی اور وہ اپنی پیش کش کا جواب لیے بغیر ہی واپس چلے گئے۔

وجیتا اور سوہن کلکرنی نے بھی اُس سے ہمدردی ظاہر کی اور اُسے باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اُن کا خون ہے اور خون، پانی سے زیادہ گاڑھا ہوتا ہے۔ شیتل نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور جلد ہی دوبارہ بلانے کے وعدے کے ساتھ انہیں فوری طور پر واپس دہلی چلے جانے کی ہدایت کی۔

اُس نے گوتم اور گیتا سے بھی ملاقات کی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ سلمٰی کے سوا سب لوگ واپس چلے جائیں۔ لیکن بہت سے لوگوں کو وہ اپنے مُنہ سے یہ نہ کہہ سکی تھی۔

اگلے چند ہفتے اُس کے لیے خاصے کربناک اور باعثِ اطمینان رہے۔ کربناک یوں تھے کہ اُس پر ذمے داریوں کا بوجھ آن پڑا تھا۔ رامیر کے جرائم خاصے زیادہ تھے لیکن وہ اُن کی ذمہ دار نہ تھی۔ اُس نے خود کو بہت تسلیاں دیں اور بالآخر وہ اس بات کا اعتبار کرنے میں کامیاب ہوگئی کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے۔

یہ وقت اُس کے لیے باعثِ اطمینان یوں تھا کہ اب وہ آزاد تھی۔ اُس نے اپنی آزادی اور مستقبل کے تحفظ کے لیے جنگ لڑی تھی۔ اب وہ ہر فیصلہ کرنے کے لیے آزاد تھی۔ رامیر کی شکل میں جو دیوار اُس کی راہ میں حائل تھی، اب ہٹ گئی تھی۔ اب وہ چاہتی تو بحریت میں قیام کرتی اور اگر چاہتی تو بمبئی جا کر دوبارہ اداکارہ بن جاتی۔

OO

رات کے دو بجے تھے اور سلمیٰ اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھی اخبارات کا مطالعہ کر رہی تھی۔ وہ جب بھی پہلو بدلتی کُرسی بے چاری یوں چرچراتی جیسے کسی ہاتھی کے نیچے آ گئی ہو۔

اچانک قریب رکھا فون بج اٹھا۔ سلمیٰ نے حیرت سے پہلے دیوار گیر گھڑی دیکھی اور پھر ریسیور اٹھالیا۔

''مس سلمیٰ فاروق۔'' محل کے آپریٹر کی آواز سُنائی دی ''اس وقت زحمت پر معذرت لیکن دہلی سے کوئی مسٹر جگدیپ موہن ہنگامی طور پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''ملاؤ۔'' سلمیٰ نے جواب دیا۔ جگدیپ موہن، آکاش اسٹوڈیوز کے شیئر ہولڈرز اور مالکانہ فرم دہلی کنٹری کلب کا چیف فنانس ڈائریکٹر تھا۔

''سلمیٰ؟'' جگدیپ کی کھر کھراتی آواز اُسے سنائی دی۔ ''میں ابھی اسکرین روم سے آیا۔۔۔'' اُس نے کسی تمہید یا سلام دُعا کا تکلف نہیں کیا تھا۔

''مسٹر جگدیپ!'' سلمیٰ نے اُسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ یہاں اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں اور دوسری بات کہ وہاں کون سی قیامت آ گئی ہے جو میری واپسی تک ٹل نہیں سکتی تھی۔''

''سوری سلمیٰ۔'' جگدیش نے فوراً معذرت کی۔ ''یہاں رات کے آٹھ بجے ہیں۔''

''چلو کہہ ڈالو۔'' سلمیٰ نے برہمی سے کہا۔

''میں نے قاہرہ سے آنے والے رش پرنٹ دیکھے ہیں۔'' جگدیپ نے بات دوبارہ شروع کی۔ ''فاروق، فلم کا بیڑہ غرق کر رہا ہے۔ تم فوری طور پر قاہرہ پہنچو اور جو مناسب سمجھو کرو حتیٰ کہ دوبارہ شوٹنگ بھی کرانی پڑے تو پروا مت کرنا۔''

''اِس کے علاوہ؟''

''اگر فاروق تمہاری توقعات پر پورا نہیں اُتر رہا تو بے شک اُسے تبدیل کر دینا۔''

''میں فیصلے سے متفق ہوں۔'' سلمٰی نے فوری طور پر ریسیور رکھ دیا۔ اپنے شوہر کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے اُسے بے حد دُکھ تھا لیکن اپنا مستقبل بچانے کے لیے فاروق کا مستقبل قربان کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

OO

''تو تم جارہی ہو؟'' شیتل نے ناشتے کی میز پر سلمٰی کی پوری کہانی سن کر پوچھا۔ ''کیا واپس آؤ گی؟''

''میری ضرورت ہے؟'' سلمٰی نے دریافت کیا۔

''میرے خیال میں۔'' شیتل نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ ''میں روز بہ روز پریشان ہوتی اور الجھتی جارہی ہوں۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ میں بہادر ہوں لیکن وہ یہ بھول گئے ہیں کہ میں ایک اداکارہ ہوں۔''

''کون ہیں وہ لوگ؟''

''مجیب، گوتم، کرنل یمنی، وزیر داخلہ، اُن کا کہنا ہے کہ یہ وقت، میرے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کا ہے۔ لوگ بے چین اور بے سکون ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ملکہ اُن کے سامنے آئے، ٹی وی پر یا کسی جلسے میں۔۔۔ تاکہ کسی طور تو اندازہ ہو کہ بحریت حکمران کے بغیر نہیں ہے۔ بہت سی دستاویزات میرے دستخطوں کی منتظر ہیں، بہت سے اجلاس التوا کا شکار ہیں، جنہیں اب مزید ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔ صرف تم اور ارون میری پوزیشن سمجھ سکتے ہو۔۔۔ میں اب حکمران ملکہ ہوں، تین کروڑ عوام کی ملکہ، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔''

''فکر نہ کرو۔'' سلمٰی نے اپنی سہیلی کو تسلی دی۔ ''میں اپنے مسائل حل کر کے جلد از جلد لوٹ آؤں گی اور مجھے یقین ہے کہ اُس وقت تک تم یہ فیصلہ کر چکی ہو گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟''

OO

اُس کے اعصاب تناؤ اور کشیدگی کا شکار تھے۔ آج اُسے گولڈن لائن روم میں تنہا داخل ہونا تھا۔

جب سنہری شیر والا یہ کمرہ، رامیر کا دفتر تھا تو اُسے شاذ شاذ ہی اندر داخل ہونے کی اجازت ملتی تھی کیونکہ یہی وہ کمرہ تھا جہاں سے وہ فوجی افسران اور مُلکی و غیر مُلکی مشیروں کے جلو میں بحریت پر حکمرانی کرتا تھا۔

اور اب یہ کمرہ اُس کا تھا۔

دربان نے اُسے دیکھتے ہی لکڑی کا بھاری بھرکم دروازہ کھول دیا اور وہ لرزتے ڈگمگاتے قدموں سے اندر داخل ہوگئی۔ یہ ایک بڑا ہال تھا جس کے آخری سرے پر عظیم الشان میز اور کُرسی رکھی تھی۔ اندر داخل ہونے والا میز تک پہنچنے تک ہی کئی مرتبہ ڈوب کر اُبھرتا اور اُبھر کر ڈوبتا تھا۔ خود شیتل کی بھی اِس وقت یہی کیفیت تھی لیکن اِس وقت اُس کی اِس کیفیت کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

اُسے اِس کمرے میں ارون سے ہونے والی پہلی ملاقات یاد آئی۔ اُس وقت رامیر اپنی تخت نما کُرسی پر براجمان تھا اور شیتل اُس کے پہلو میں تھی۔ اُس دن کے بعد سے شیتل آج پہلی بار شاہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

لیکن اب رامیر جا چکا تھا اور کُرسی خالی تھی۔

وہ آہستگی سے کُرسی پر بیٹھ گئی۔ اُس کے جسم میں ایک نئی طاقت عود کر آئی تھی۔ وہ آج شاہ بحریت کی بیوی کی حیثیت سے نہیں ملکۂ بحریت کی حیثیت سے یہاں بیٹھی تھی۔

جنرل مجیب، گوتم نیلامبر، آدی نارائن اور انیل کمار نے اُس کے ساتھ آنے پر اصرار کیا تھا لیکن اُس نے انکار کر دیا تھا جب کہ وجیتا اور سوہن اُس کے یہاں آنے سے پہلے ہی بھارت روانہ ہو چکے تھے۔

''دُنیا کے ہر مُلک سے تعزیتی پیغامات آئے ہیں، ملکۂ عالیہ'' گوتم نے اُسے آگاہ کیا تھا۔''میرے خیال میں انہیں فریدہ کے حوالے کر دیں، وہ اُن سے نمٹ لے گی۔ وہ رامیر کے بعد آپ کی بھی بہترین سیکرٹری ثابت ہوگی۔''

اُس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا اور اُسے باہر چھوڑ کر اندر آ گئی تھی۔

کُرسی پر بیٹھ کر اُس نے کمرے کا جائزہ لیا، ہر شے سے امارت اور شہنشاہیت ٹپکتی تھی۔ اُسے یاد تھا کہ اُس نے کئی بار رامیر سے وزراتی کونسل کے اجلاس میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُس نے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا۔

''تمہارا مقام یہ نہیں۔'' ایک بار رامیر نے کہا۔''یہاں کے معاملات بے حد پیچیدہ اور گنجلک ہوتے ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہوتا اور ہمیں بڑے عجیب وغریب فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔''

''آپ نے مجھے معززین کی بیگمات کے ساتھ چائے پینے کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔'' اُس نے احتجاج کیا تھا۔''میں صرف پُلوں اور سڑکوں کے افتتاحی ربن کاٹتی پھر رہی ہوں جب کہ آپ جانتے ہیں کہ میں ان سے کہیں زیادہ ذمے داریاں انجام دینے کے قابل ہوں۔''

''شاید کبھی مستقبل میں ایسا ہو۔'' رامیر نے جواب دیا تھا۔

اور اب وہ مستقبل اُس کے قدموں کے نیچے تھا۔

اُس نے اپنا سیاہ چشمہ اُتار کر ایک طرف رکھا اور میز پر پڑے کاغذات کے پلندے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ سب سے اوپر ریال میں ایک پبلک پارک کی تعمیر کا مالی تخمینہ رکھا ہوا تھا جس کے بیچوں بیچ رامیر کا ایک دیوقامت مجسّمہ نصب کرنے کی تجویز تھی۔ اُس نے کچھ دیر ہندسوں میں سر کھپایا لیکن پھر اُس رپورٹ کو ایک طرف ڈال دیا۔

اُس کے نیچے والی فائل پر 'ارجنٹ' لکھا ہوا تھا اور یہ ریال کے مضافات میں کاروں اور ٹرکوں کے فاضل پُرزوں کی تیاری کے کارخانے کی مالیاتی رپورٹ تھی۔ وہ بھی پہلے والی رپورٹ کی طرح پریشان کن تھی۔

تیسری فائل پر بھارت کے محکمہ دفاع کا مخصوص نشان بنا ہوا تھا اور اس میں ٹائپ کیے

ہوئے سات صفحے لگے ہوئے تھے اُس نے کچھ دیر اُسے دیکھ کر ایک طرف رکھ دیا۔

ایک ایک کر کے وہ بالآخر نیچے تک جا پہنچی۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ جو کچھ اُس نے پڑھا ہے انہیں سمجھے بھی لیکن جب اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اُس نے ایک ایک کر کے تمام کاغذات پر اپنے دستخط ثبت کر دیے۔

OO

اردن کپوُر اپنے کاٹیج سے رخصت ہونے سے قبل آئینے میں آخری بار اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس نے اسکول کا مخصوص یونیفارم اُتار پھینکا تھا اور اب وہ باہر جاتے ہوئے روزانہ نیا سوٹ استعمال کرتا تھا۔

ایک ہفتہ قبل شیتل نے رامیر کے سابق پریس سیکرٹری جو ایک فوجی کرنل تھا، کی جگہ اُس سے یہ عہدہ سنبھالنے کی درخواست کی تھی۔

''پلیز! اردن انکار نہ کرنا۔'' شیتل نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔ ''مجھے اپنے ترجمان کے لیے کسی بااعتماد آدمی کی ضرورت ہے۔ تمہارا ماتحت ہینکن، اسکول کا چارج سنبھال لے گا۔''

اور وہ رضامند ہو گیا تھا۔

آج کاٹیج سے رخصت ہوتے ہوئے وہ خود کو خاصا بے وقوف محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے شیتل کو ایک قبائلی پہاڑی گاؤں کے سردار خامی تہرانی سے ملاقات پر رضامند کیا تھا اور اب ذرا دیر بعد وہ بوڑھا سردار پہنچنے والا تھا۔ اردن کو یقین تھا کہ وہ اپنے قومی لباس میں ہی آئے گا اور اُسے یعنی اردن کو جو اِس وقت بہترین تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا، گولڈن لائن روم تک سردار کی رہنمائی کرنی تھی۔

پہلے پہل شیتل نے قبائلی سردار سے ملنے سے انکار کر دیا تھا لیکن اردن نے بڑی مُشکل سے اُسے راضی کیا تھا۔

''اُس کے لوگ گندے اور غریب ہیں۔'' اردن نے اُسے بتایا تھا۔ ''دوسرے دیہات کے سردار اُس کی سربراہی میں ایک اتحاد قائم کر رہے ہیں جو آگے چل کر تمہارے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اِس لیے اِس وقت تہرانی سے مُلاقات بکنگھم پیلس کے دورے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔''

''میں پہلے ہی بہت سے مسائل میں گھری ہوئی ہوں۔'' شیتل نے اُسے یاد دلایا تھا۔''میں انہی سے عہدہ برآ نہیں ہو پارہی اور تم ایک اور بلا مجھ پر مسلّط کررہے ہو، میں بھلا اُس کی کس طرح مدد کرسکتی ہوں؟''

''میں تم سے اُس کی مدد کرنے کو نہیں، صرف ملنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔''

OO

ارون نے ملکہ اور قبائلی سردار کا تعارف کرایا اور پروٹوکول کے مطابق کمرے سے باہر چلا گیا۔

نرم و نازک شیتل کے مقابل تہرانی کسی دیو سے کم نہ تھا۔ اُس کی لمبی داڑھی اور چہرہ چوڑا چکلا تھا جس کے گرد اُس نے ایک چادر لپیٹ رکھی تھی۔ سر پر نیلی پگڑی اور جسم پر نہایت خستہ اور مٹی میں اٹا ہوا لباس تھا۔ ارون دروازہ بند کر کے باہر نکلا تو شیتل کمرے میں تنہا ہونے کے باعث گھبرا گئی۔ اس نے دوبارہ بلانے کے لیے بزر کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن کچھ سوچ کر رک گئی۔

''میرا حُلیہ آپ کو ناگوار گزرا ہوگا۔'' تہرانی نے کہا اُس کے جثے کی مناسبت سے آواز حیرت انگیز طور پر نرم تھی۔ ''فلموں کے ویلن یقیناً میرے جیسے ہوتے ہوں گے لیکن آپ کو مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، میں ایک دوست کی حیثیت سے آیا ہوں۔''

شرمندہ سی ہو کر اُس نے اپنی کُرسی سے اٹھ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ''ہم برابری کی بنیاد پر مل رہے ہیں، سردار۔'' اُس نے اپنی نقرئی گھنٹیوں کی سی آواز میں کہا۔ ''تشریف رکھیں، میں اس چھوٹی سی کُرسی کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن اگلی بار جب آپ آئیں۔۔۔۔''

''اگر میں دوبارہ آیا تو۔۔۔''

''آپ کو یقین نہیں کیا؟''

''شاید۔'' سردار نے جواب دیا۔ ''آپ نے میرے برابر ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس کا انحصار ہمارے تعلقات کی آئندہ نوعیّت اور آپ کے حُسنِ سلوک پر ہے۔''

''میں آپ کے مسائل سننا چاہتی ہوں۔''

''میں نے سالوں آپ کے شوہر سے ملنے کے جتن کیے لیکن آج پہلی بار یہاں تک

رسائی ہو سکی ہے۔ انہوں نے مجھے کچلنے کے لیے ایسے راستے اختیار کیے جو سَراسر کمینگی کے مترادف تھے۔''

''کمینگی؟'' شیتل تقریباً چلاّ اُٹھی۔ ''میں اعتراف کرتی ہوں کہ بہت سے لوگوں کو میرے شوہر سے انصاف نہیں ملا لیکن آپ کو علم ہونا چاہیے کہ پوری قوم نے اُن کا سوگ منایا، اُن کے جنازے میں ہزاروں افراد شریک تھے۔ میں نے خود بحریت کے طول وعرض کا دورہ کیا اور مجھے ہر جگہ لوگوں نے گرم جوشی سے خوش آمدید کہا، کیا کسی کمینہ خصلت حکمران کے مرنے پر سوگ کا یہ انداز ہوتا ہے؟''

''میں معافی چاہتا ہوں، میڈم لیکن ریال، بحریت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ جب کہ ملک کے دوسرے حصوں کے دوروں کا اہتمام با قاعدہ منصوبہ بندی سے کیا گیا ہوگا میں آپ کو اپنے گاؤں آنے کی دعوت دیتا ہوں پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ کے ملک میں کتنے انسان، کتوں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔''

''لیکن انہوں نے احتجاج کیوں نہیں کیا؟''

''اپنی زندگی تو چیونٹی کو بھی عزیز ہوتی ہے ملکہ۔'' سردار نے طنزیہ طور پر کہا۔ ''کسی کو آپ کے شوہر کی تنگ وتاریک جیلوں میں یا اُن کے پلے ہوئے غنڈوں کے ہاتھوں گولی کھا کر مرنے کا کوئی شوق نہیں تھا اور ہاں آپ یہ بھی سن لیں کہ میں اب ان غریبوں کے لیے آپ سے کسی مدد کی اپیل کرنے نہیں آیا بلکہ آپ کی زندگی بچانے آیا ہوں میڈم، میں آپ کو متنبہ کر رہا ہوں کہ اگر آپ نے ظلم و بربریّت، رشوت واقربا پروری اور حق تلفی و ناانصافی کا خاتمہ نہ کیا تو آپ کا انجام بھی اپنے شوہر سے مختلف نہ ہوگا۔''

''ممکن ہے میرے شوہر کو اس کا علم ہی نہ ہو۔'' شیتل نے کمزور سی آواز میں صفائی پیش کی۔ ''آپ کا کہنا ہے کہ آپ نے اُن سے کبھی ملاقات نہیں کی۔''

''وہ سب کچھ جانتے تھے، ملکہ، اُن کی خفیہ پولیس انہیں پل پل کی خبریں دیتی تھی۔ وہ پہلے اُن کی ملکیّت تھی اور اب آپ کے تصرّف میں ہے۔''

''پولیس نے مجھے اِس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا۔'' شیتل نے کہا۔ ''آپ کچھ روشنی ڈالیں۔''

''جنرل مجیب سے پوچھ لیں، وہ آپ کو بتا دیں گے کہ شاہ، بحریت کو امریکہ اور سوویت یونین جیسی فوجی قوت بنانا چاہتے تھے اور یہ مقصد عرصہ دراز پہلے حاصل کیا جا چکا ہے۔''

''ناممکن، آج مجھے فوجی ہتھیاروں کی خریداری کا صرف ایک بل پیش کیا گیا ہے۔''

''کیا آپ نے اُس پر دستخط کر دیے؟''

''نہیں۔''

''گڈ، تو اِس کا مطلب ہوا کہ مجھے تاخیر نہیں ہوئی۔''

''کس چیز کے لیے تاخیر نہیں ہوئی؟''

''مزید فوجی ہتھیاروں کی خریداری کے جُرم میں ملوث ہونے سے روکنے کے لیے۔''

''مزید فوجی اخراجات؟ مجھے کیسے علم ہوگا کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟''

''ڈاکٹر گوتم نیلا مبر سے پوچھ لیں۔''

''گوتم؟'' شیتل نے حیرت سے پوچھا۔ ''وہ اس سلسلے میں مجھے کیا بتائے گا؟''

''وہ سب جانتا ہے، میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں، آپ کی اور اپنی زندگی کے تحفّظ کے لیے۔۔۔''

OO

''ہمارا مستقبل ہمارے پیچھے رہ گیا ہے، بوڑھے لڑکے۔'' آدی نارائن نے طنزاً انیل کمار کو کہا، وہ ابھی ابھی اپنا سامان باندھ کر فارغ ہوا تھا۔ ''میں نے شیتل کو خدا حافظ کہہ دیا ہے۔ اُسے بتا دینا کہ وہ جب بھی بمبئی آنے کا فیصلہ کرے میرے دروازے اُسے ہمیشہ کُھلے ملیں گے، کل میں حقیقتوں کی دُنیا میں واپس جا رہا ہوں، تم چاہو تو اس بار کھڑکی کی سیٹ پر بیٹھ سکتے ہو۔''

''ہوسکتا ہے میں ابھی نہ جا سکوں۔''

آدی نارائن نے ایک طویل سانس لی۔ ''اب تم آستین سے کیا نکالنا چاہتے ہو؟''

''شیتل نے مجھے اپنے ذاتی کمرے میں چائے پر بلایا ہے۔''

''اور اُس کی پٹاری میں کیا ہے؟''

انیل نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ''بعد میں بتاؤں گا، گزرنے والے حسین لمحوں کی پوری تفصیلات کے ساتھ۔''

OO

شیتل نے خلاف توقع خود اُس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن یہ مُلاقات اُس کے دفتر یا کسی عام کمرے میں نہیں بلکہ مَلکہ کے ذاتی اپارٹمنٹ میں ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنی ذاتی اور بااعتماد ملازمہ تیریت کے ذریعے پیغام بھیجا تھا کہ وہ شام 5 بجے اپنے کمرے میں چائے پر اُس کا انتظار کرے گی۔

بنے ٹھنے انیل کی دستک کے جواب میں دروازہ خود شیتل نے کھولا لیکن جب وہ اندر داخل ہوا تو اُس کی کوئی ملازمہ نظر آئی نہ چائے۔ ابھی وہ اپنی حیرت پر ہی قابو نہ پا سکا تھا کہ شیتل نے اُسے خود سے قریب بیٹھنے کی دعوت دے کر مزید حیرت زدہ کر دیا۔ اُس نے تعمیل تو کی لیکن بڑے محتاط انداز میں، انداز ایسا ہی تھا جیسے ابھی اُٹھ کر دروازے کی طرف دوڑ لگا دے گا۔

''اَنّو!'' شیتل کی آواز، اُسے بچھو کا ڈنک محسوس ہوئی اُس نے پندرہ سال بعد اُسے اس نام سے پکارا تھا جس نام سے وہ بمبئی میں اُسے پکارا کرتی تھی۔ ''اک مُہرِ محبت، پرانے وقتوں کے نام۔۔۔''

انیل نے کسی احتجاج یا حیرت کے بغیر حُکم کی تعمیل کی اور پھر وہ سب کچھ کرتا چلا گیا جو شیتل اُسے کہتی گئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ طوفانی موجیں، پُر سکون لہروں میں تبدیل ہوتیں شیتل دُور ہٹ گئی۔

''تم نے مجھے بمبئی سے کیوں بلایا تھا؟'' انیل نے جز بز ہو کر سوال کیا۔

''ان لمحوں کے لیے نہیں جو ابھی گزرے ہیں۔'' شیتل نے اطمینان سے جواب دیا۔

''یہ سب اُس وقت رونما ہوا جب مجھے یقین ہو گیا کہ ایک بار پھر تم مجھے تباہ کرنے پر تُل گئے ہو۔ تمہارے بلانے کے مقاصد کچھ اور تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ تمہیں بہت سزا مل چکی ہے اور اب تمہیں ایک موقع اور دینا چاہیے، مجھے امید تھی کہ ہم دونوں بہتر انداز میں واپس آ سکتے

ہیں۔''

''واپسی؟'' انیل نے حیرت اور غصّے کے ملے جلے انداز میں کہا۔''میں کبھی اس شعبے سے دور نہیں رہا۔''

''ہاں، کُتوں کو کھلائے جانے والے راتبے کے اشتہاروں کے ماڈل کے طور پر تم نے خوب نام کمایا ہے، کیا تم اِسے کیرئیر کہتے ہو؟ میں فلموں کی بات کر رہی ہوں۔''

''کمرشل فلمیں کرنا کوئی عیب نہیں، دلیپ کمار تک نے اشتہارات میں کام کیا ہے، رہ گئی فلموں کی بات تو تم جانتی ہو کہ آج کل یہ کاروبار ویسے ہی مندا جا رہا ہے۔''

''لیکن دلیپ، دھرمیندر، راجیش اور جتیندر کے لیے نہیں۔'' شیتل نے طنزاً کہا۔''خیر چھوڑو اِن باتوں کو۔'' اُس نے صوفے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔''پندرہ سال گزر گئے میری اور تمہاری محبت کو، اب تو میں نے اپنی زندگی کے اس باب کو ہی بھلا دیا ہے لیکن ان دِنوں میں چاہتی تھی کہ ماضی کو آواز دوں۔ میرا خیال تھا کہ تمہاری بھی یہی خواہش ہوگی۔ میں نے تم سے محبت کرنا تو عرصہ دراز پہلے چھوڑ دیا تھا لیکن یہ کبھی نہ بھلا سکی کہ تم نے کس بے دردی سے مجھے اپنی زندگی سے نکال پھینکا اور پھر کبھی پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔۔۔''

''تم ٹھیک تو تھیں؟''

''ہاں، میرے دوست، میں رامیر سے ملی اور اُس سے محبت کرنے لگ گئی لیکن تم اپنا نشان چھوڑ گئے۔ سو کُچھ عرصے کے بعد میں نے اپنی محرومیوں کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔''

''مجھ سے؟''

''ہاں، تم سے۔'' اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔''تمہیں دوبارہ دیکھ کر احساس ہوا کہ تمہیں مجھ پر ظلم ہونے کا کوئی احساس نہیں۔۔۔ تم سے ناتا ٹوٹنے اور رامیر سے شادی کے بعد کچھ عرصہ میں بہت اَپ سیٹ رہی، پرانے دن مجھے رُلاتے رہے لیکن سلمٰی نے جو ہر قدم پر میری دمساز اور غمگسار رہی، میری بربادیوں کا بدلہ لینے کا بیڑا اٹھایا اور تمہارے کیرئیر پر کام شروع کیا اور اُس کا منصوبہ بے حد کامیاب رہا۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو؟''

''تمہیں خود کو بلیک لسٹ ہونا یاد نہیں، انیل۔''شیتل نے قہقہہ لگایا۔''شروع میں اُس کا چونکہ اپنا کوئی مقام نہیں تھا اس لیے وہ کامیاب نہ ہو سکی لیکن جب وہ خود آ کاش اسٹوڈیوز کی سربراہ بن گئی تو اُس نے نہ صرف اپنی فلموں بلکہ پوری بھارتی فلم انڈسٹری سے تمہیں دودھ میں سے مکھن کی طرح نکال پھینکا، اور یوں انیل کی کامیابیوں کا سورج مسلسل ڈوبتا چلا گیا۔''

انیل اپنی جگہ سے اُٹھ کر شیتل کی طرف بڑھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اُس کا ہاتھ شیتل کے نرم و نازک گال پر اپنا نشان چھوڑ جاتا وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔

''یہیں رُک جاؤ انیل، اب میں وہ شیتل کلکرنی نہیں ہوں جسے تم نے استعمال شدہ موزوں کی طرح پاؤں سے اُتار کر کچرے کے ڈھیر پر ڈال دیا تھا۔ اب میں شیتل رامیر ہوں، تین کروڑ عوام کی ملکہ، میں چاہوں تو اپنی جانب اُٹھا ہوا ہر ہاتھ توڑ کر میڈل کی طرح اپنے گلے کی زینت بنا لوں لیکن میری نظر میں یہ کوئی انتقام نہیں، میں اس پر بھی قدرت رکھتی ہوں کہ تمہیں قیمے کی صورت ڈبے میں پیک کر کے تمہارے بیوی بچوں کو بھجوا دوں یا میرے محل کے کسی نیم تاریک قید خانے میں تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ لیکن اس سے میرے دل کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوگی۔ میں تمہارے مُنہ پر تھوکتی ہوں۔''شیتل نے فوراً ہی اپنے کہے کی عملی تکمیل کر دی۔''جاؤ میں تمہیں تمہاری زندگی بھیک میں دیتی ہوں۔ میرے ساتھ گزارے ہوئے اُن چند حسین اور پُر کیف لمحوں کو اپنی زندگی کا آخری بونس سمجھ کر بمبئی لوٹ جاؤ، کتوں کے کھاجے کے گندے اشتہارات تمہارے منتظر ہیں۔۔۔۔''

OO

گوتم اور گیتا ناشتے کے بعد کافی پی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور شہزادی عذرا اندر داخل ہوئی۔

''ارے تم؟'' گوتم نے حیران کن لہجے میں کہا۔''ذرا دیر پہلے آتیں تو ناشتے میں شریک ہو جاتیں۔''

''میں ناشتا کر کے آئی ہوں۔'' عذرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔''فی الوقت تو تم کافی ختم کرو، مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

گوتم نے جواب دینے سے قبل گیتا کی طرف دیکھا جو بظاہر تو لاتعلق بنی کافی پینے میں مصروف تھی لیکن گوتم جانتا تھا کہ دل ہی دل میں وہ عذرا کو یاد آنے والی تمام تر گالیوں سے نواز رہی ہو گی۔

''گوتم!'' اچانک ہی گیتا نے اُسے مخاطب کیا۔''میں کافی کے بعد اپنے ہیئر ڈریسر کے پاس جاؤں گی۔ تم چاہو تو شہزادی سے تنہائی میں بات چیت کر سکتے ہو۔''

اندھے کو کیا چاہیے، دو آنکھیں، کے مصداق گوتم کافی کا کپ سنبھال کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ عذرا نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا اور گوتم نے اُس کی تقلید کی۔

''آہستہ بات کرنا۔'' صوفے پر بیٹھ کر گوتم نے عذرا کو نصیحت کی۔''میری پیاری سی بیوی کے کان پیاز کے چھلکے ہیں۔''

''تمہیں کچھ علم ہے کہ تمہاری ہم وطن اداکارہ محل میں کیا کرتی پھر رہی ہے؟'' عذرا نے کہا۔ آواز اُس نے گوتم کے کہنے کے مطابق دھیمی ہی رکھی تھی۔

''میں نے تمہاری ہم مذہب پر کوئی جاسوس نہیں چھوڑ رکھے۔'' گوتم نے جواباً چوٹ کی۔

''کل اُس نے گولڈن لائن روم میں شیراز صوبے کے شمالی قبائلی علاقے کے ایک باغی

سردار خامی تہرانی سے ملاقات کی ہے۔'' عذرا نے گوتم کے طنز پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔'' اُس کا وہ بھارتی محبوب۔۔۔۔کیا نام ہے اُس کا۔۔۔ارون کپور۔۔۔اُسے لے کر آیا تھا۔۔۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ارے؟'' عذرا کے لہجے میں حیرت تھی۔'' تہرانی ایسے قبائل سے تعلق رکھتا ہے جنہوں نے میرے بھائی کی ناک میں دم کر رکھا تھا اور شیتل نے اُس سے وعدہ کیا ہے کہ وہ جلد ہی اس کے گاؤں کا دورہ کرے گی۔''

''میں اب بھی اپنا پہلے والا جملہ ہی دہراؤں گا۔''

''گوتم، کیا مجھے یہ یاد دلانا پڑے گا تمہیں، کہ وہ بجٹ کنٹرول کر رہی ہے اور اِس وقت فنڈز مختص کرنے کے لیے اُس کے پاس تمام اختیارات ہیں۔''

''کوئی بات نہیں، ملکہ عالیہ کچھ دنوں تک فلاح و بہبود کے کاموں سے خود ہی اکتا جائیں گی اور پھر وہ بحریت سے زیادہ وقت پیرس میں گزارا کریں گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے بعد تم اپنی ملکہ کو کسی فلم میں ہیرو کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اور ناچ ناچ کر گاتا گاتے دیکھو۔ ہم لوگ مل کر اُس کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے اور یوں ملک ہمارے ہاتھوں میں رہے گا۔''

''یہ اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔''

''میری پیاری شہزادی، ہم دونوں ایک ہی راستے کے راہی ہیں۔ جنرل مجیب بھی ہمارے ساتھ ہے، تم فکر نہ کرو ہم جب چاہیں شیتل کو راستے سے ہٹا سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ فی الوقت کچھ کرنے کی ضرورت نہیں جب مناسب ہوگا میں تمہیں خود بتاؤں گا۔''

OO

اروں کی تجویز پر وہ اپنے پرانے معمول کے مطابق جنگل میں گھڑسواری پر رضامند ہوگئی تھی۔

''ہم جنگل کی آڑ لے کر آسانی کے ساتھ یہاں سے کھسک لیں گے اور کوئی ہماری غیر حاضری کو محسوس بھی نہ کر پائے گا۔'' اروں نے اُسے اطمینان دلایا تھا۔

''میں اِس ملک کی ملکہ ہوں، اروں۔'' شیتل نے گھنیری پلکیں اُٹھا کر اپنے محبوب کو دیکھا۔ ''مجھے یوں چوری چھپے جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اب تم وہ ملکہ نہیں رہیں جو رامیر کی زندگی میں تھیں۔'' اروں نے جواب دیا۔ ''اِس وقت تم اِس مُلک کی اہم ترین شخصیت ہو۔۔۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب رامیر زندہ تھا تو تم اُس کے دشمنوں کے بارے میں باتیں کیا کرتی تھیں اور انقلاب یا کسی قاتلانہ حملے سے خوفزدہ رہتی تھیں؟''

''ہاں۔''

''کیا تمہارے پیارے سے سر میں یہ بات نہیں آتی کہ وہ دشمن اب تمہارے ہیں۔''

''تم مجھے خوفزدہ کر رہے ہو۔''

''بالکل، اگر مجیب اور اُس کے چیلے چانٹوں کو تمہارے آج کے دورے کے بارے میں علم ہو جائے تو کیا وہ اسے نادانی سمجھ کر بھول جائیں گے؟''

''ہم صرف تہرانی سے ملنے جا رہے ہیں۔'' شیتل نے صفائی پیش کی۔

''ہاں، اُس تہرانی سے جسے تمہارا شوہر اور اُس کے بعد تمہارا چیف آف آرمی سٹاف باغی قرار دیتا ہے۔''

شیتل نے چونک کر اروں کی طرف دیکھا لیکن خاموش ہی رہی تھی۔

OO

گھوڑے انہوں نے جنگل میں چھوڑ دیے۔ ارون ایک بند جیپ پہلے ہی اُس خفیہ مقام پر پہنچا چکا تھا۔ دو گھنٹے کے سفر کے بعد وہ تہرانی کے خستہ حال گاؤں میں پہنچ گئے تھے۔

شیتل نے خود کو چھپانے کے لیے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی جس میں سے اُس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اُس نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے عورتوں کو دروازوں کے ساتھ لگے حیرت بھرے انداز میں اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔ چیتھڑوں میں ملبوس بچے، مٹی میں اٹے ہوئے تھے جو مکان انہوں نے رہنے کے لیے بنائے تھے وہ رہائش گاہوں کے نام پر ایک دھبہ تھے۔ واقعی تہرانی نے سچ کہا تھا کہ اُس کے گاؤں میں لوگ کُتوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔

تہرانی، شیتل کو دیکھ کر حیران رہ گیا لیکن اُس نے اس کی مقدور بھر خدمت کی۔ نصف گھنٹے کے قیام کے دوران تہرانی کے گھر کی خواتین میں سے کوئی شیتل کے سامنے نہیں آیا۔ وہ جب واپس روانہ ہوئی تو اُس کے دل پر افسردگی طاری تھی۔ اُس نے اپنی چادر اتار پھینکی تھی کیونکہ تہرانی نے اُسے کہا تھا کہ اُس کے گاؤں کے لوگ گو اُسے پسند نہیں کرتے لیکن گھر آئے ہوئے مہمان کو نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

واپسی کے سفر میں بھی شیتل زیادہ تر خاموش ہی رہی تھی ایک جگہ ارون نے جیپ کی رفتار کم کی تو شیتل نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''اپنی بائیں جانب دیکھو۔'' ارون نے ڈیش بورڈ سے ایک دوربین اٹھا کر اُسے تھما دی۔ ''جو نظر آئے مجھے بتاؤ۔''

''کنکریٹ کی ایک بڑی عمارت ہے۔'' شیتل نے دوربین آنکھوں سے لگا کر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''اسٹاف ہیڈ کوارٹرز، آرمی ائرفورس، نیوکلیئر ڈویژن۔''

''تو کیا یہ کوئی عمارت نہیں؟''

''عمارت ہی ہے۔'' ارون مسکرایا۔''ایک بہت بڑا پختہ بنکر، جس کی زیرِ زمین منزلوں کی تعداد سات ہے۔ اس وقت بھی اس عمارت میں سینکڑوں مرد اور عورتیں قوم کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ انہیں چھچھوندریں کہا جاتا ہے کیونکہ وہ زیادہ تر زیرِ زمین ہی رہتے ہیں۔ اس عمارت کی خوبی یہ ہے کہ فضا سے کسی بھی صورت اس کا پتا نہیں چلایا جا سکتا۔''

شیتل نے دُوربین آنکھوں سے ہٹا کر حیرت سے اُسے دیکھا۔'' جب بحریت کا اوپن ملٹری ہیڈ کوارٹرز اور اڈّے موجود ہیں تو اس خُفیہ پناہ گاہ کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ تمہارے مرحوم شوہر کی منصوبہ بندیوں کا شاہکار ہے۔'' ارون نے جواب دیا۔ ''خود پر قابو رکھو ابھی تم نے اور بہت کچھ دیکھنا ہے، کہا جاتا ہے کہ رامیر نے آٹھ زیرِ زمین ہینگرز کی تعمیر کا بھی حکم دیا تھا جن میں جنگی ہوائی جہازوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔''

''لیکن کیوں۔۔۔''

ارون نے نفی میں سر ہلایا۔''اس کا جواب میرے پاس نہیں۔ بعض غیر مُلکی فنی ماہرین کے مطابق وہ پڑوسی مُلکوں کے بعض ایسے علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا جو صدیوں پہلے بحریت کا حِصّہ تھے۔''

''یقیناً اُس کے ساتھ کسی نے بھی تعاون نہیں کیا ہوگا۔'' شیتل نے معصومیت سے کہا۔

''اُسے توقع سے بڑھ کر تعاون ملا۔'' ارون نے اُس کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔'' دنیا کے بہت سے ملکوں نے اسلحہ خانوں اور رامیر نے خزانے کے مُنہ کھول رکھے تھے۔ اُسے اسلحہ فراہم کرنے والوں میں بھارت سرِفہرست ہے۔''

''لیکن تمہیں یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں۔''

''ایک غیر مُلکی دوست سے جو ریال کے بھارتی سفارت خانے میں ملازم ہے۔''

شیتل نے دُوربین گود میں رکھ لی۔''میرا خیال ہے کہ میں اس کاروبار کے لیے ایک غلط شخصیت ہوں۔'' اُس کی آواز میں دُکھ نمایاں تھا۔''غریب دیہاتی، میزائل، بنکرز اور یہ فوج۔۔۔ جو کچھ آج میں نے دیکھا ہے یہ میرے کھیل کا حِصّہ نہیں۔''

''واقعی؟''

''ہاں رے''، شیتل نے ایک لمبی سانس لی۔ ''مجھے واپس لے چلو، میں اپنے بچوں سے ملنا چاہتی ہوں اور ہاں تم کل کے لیے میری تقریر لکھنا مت بھولنا لیکن تقریر کو آسان اور سادہ فہم رکھنا۔ میں لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں شوہر کی وفات پر ابھی تک افسردہ ہوں اور یقین دلانا کہ میں جب تک تخت پر ہوں، اُن کی خادمہ کی حیثیت سے خدمات انجام دوں گی اور یہ کہ یہ اُن کی فلاح و بہبود کے لیے دن رات ایک کر دوں گی۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔''

OO

قوم سے خطاب اطمینان بخش طریقے سے جاری تھا۔

ارون نے یہ تقریر اُسے گزشتہ شب ڈنر سے پہلے دی تھی۔ دونوں نے کھانا اکٹھے کھایا اور پھر ایک انسٹرکٹر کی طرح ارون نے اُس سے تقریر سنی۔ وہ وہیں رُکنا چاہتا تھا لیکن جب شیتل نے اُسے واپس اپنے کاٹیج میں جانے کے لیے کہا تو وہ یوں مُنہ بسورتا ہوا گیا جیسے کڑوی گولی نگل لی ہو۔

اور اس وقت وہ سنگ مرمر کی بالکونی میں ہاتھ سینے پر باندھے نعروں کے تھمنے کا انتظار کر رہی تھی۔ محل کے وسیع وعریض لان میں بے پناہ ہجوم تھا۔ بلا مبالغہ آدھا ریال وہاں اُمڈ آیا تھا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے کارروائی براہِ راست نشر کی جا رہی تھی۔

نعرے تھمے تو شیتل نے رومال نکال کر چہرے سے پسینہ پونچھا اور خود کو سلسلۂ کلام جوڑنے کے لیے تیار کرنے لگی۔

''میں آپ لوگوں سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی خدمت میں کوئی دقیقہ۔۔۔۔''

جملہ اُدھورا رہ گیا۔ ہجوم میں سے کسی نے ملکہ پر گولی چلا دی۔ اُس نے گولی آواز سنی اور پھر محافظوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال کر اُسے اندر کی سمت دھکیل دیا۔

اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سب کچھ آناً فاناً ہوا تھا۔ باہر شور برپا تھا اتنی چیخ وپکار تھی کہ کسی کا ایک جملہ بھی اُس کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ اُس نے کاؤچ پر سے اٹھنے کی کوشش کی تاکہ صورت حال کا جائزہ لے سکے لیکن ایک دم اُس کا سر چکرایا اور زندگی میں پہلی بار اُس پر غشی طاری ہو گئی لیکن یہ بے ہوشی چند منٹوں سے زیادہ طویل نہیں تھی۔

ڈاکٹر حسینی، ارون کپور، جنرل مجیب، شہزادی عذرا اور گوتم وہیں موجود تھے۔ وہ اُن کی آوازیں پہچان رہی تھی۔ ایک آواز اُسے محل کے حفاظتی انتظامات کے نگران میجر سنجانی کی بھی سنائی دی تھی۔ باقی آوازیں وہ پہچان نہیں پائی تھی۔ شاید وہ دوسرے محافظوں کی تھیں۔

گوتم نے سب سے پہلے اُس کے پپوٹوں کی حرکت محسوس کی وہ فوراً اُس پر جھک گیا۔

''بھگوان کا شکر ہے کہ نشانہ خطا ہو گیا آپ کیا محسوس کر رہی ہیں ملکۂ عالیہ؟'' اُس نے دریافت کیا لیکن جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی دوبارہ شروع ہو گیا۔ ''جنرل کے کچھ آدمی بھی ہجوم میں موجود تھے اور اُن کا خیال ہے کہ حملہ آور کو شناخت کر لیا جائے گا۔''

''مم۔۔۔۔ مجھے کون گولی مارنا چاہتا تھا؟''

گوتم کے بجائے جنرل مجیب نے جواب دیا۔ ''فوری تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے ملکۂ عالیہ، میں کوئی خبر ملتے ہی آپ کو بلا تاخیر مطلع کر دوں گا۔''

''کیا کوئی زخمی ہوا ہے؟''

''کوئی نہیں، شکر ہے کہ ہماری انٹیلی جنس نے بچّوں کو دور رکھنے کی تجویز پیش کی تھی۔''

تب اُسے یاد آیا کہ چند دن پہلے اُس نے قوم سے خطاب کے دوران نریام اور جنید کو اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار کیا تھا تا کہ عوام پورے شاہی خاندان کو قریب سے دیکھ سکیں۔ لیکن کرنل ماجد حسین نامی ایک انٹیلی جنس آفیسر نے اس کی مخالفت کی تھی۔

''ملکہ الزبتھ بھی تو اپنے خاندان کے افراد کو ساتھ رکھتی ہیں۔'' اُس نے استدلال پیش کیا۔

''یہ لندن نہیں، ریال ہے ملکۂ عالیہ۔'' کرنل ماجد نے جواب دیا۔ ''اگر ملکۂ عالیہ اصرار کریں گی تو ہم تحفّظ کی ذمّے داری سے معذرت کر لیں گے۔''

''میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔''

لیکن تہرانی سے ملاقات اور خفیہ بنکرز دیکھنے کے بعد اُس نے کرنل ماجد کو طلب کیا۔ ''میں نے فیصلہ بدل دیا ہے۔'' شیتل نے اُسے آگاہ کیا۔ ''میں تنہا رہوں گی۔''

اور اب وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ نریام اور جنید اُس کے ہمراہ نہیں تھے۔

اُس نے پریشان انداز میں ادھر ادھر دیکھا ارون بھی اُسے اُن لوگوں میں دکھائی دیا لیکن اُس نے اُسے نظر انداز کرتے ہوئے ڈاکٹر حسینی کو مخاطب کیا۔ ''مجھے میرے کمرے میں لے چلیے، میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

لیکن وہ کمرے میں بند ہو کر آرام نہیں بلکہ صورت حال کا جائزہ لینا چاہتی تھی۔

OO

اگلی صبح وہ ارون کے ہمراہ پروجیکشن روم میں بیٹھی تھی۔ دیوار گیر اسکرین روشن تھی جس پر کوئی دسویں بار سولہ ملی میٹر کی وہ فلم چل رہی تھی جو فوج نے قاتلانہ حملے کی کوشش کے لمحات میں ریکارڈ کی تھی۔ اُس نے جونہی کوئی غیر معمولی شے محسوس کی فوراً فلم رکوادی۔ ایسا اُس نے کئی بار کیا اور ہر بار بغور تمام افراد کے چہروں کا جائزہ لیتی لیکن اب تک اُسے کوئی خاص چہرہ نظر نہ آسکا تھا۔ کسی چہرے پر تناؤ نظر نہیں آتا تھا جس کا مطلب تھا کہ حملہ آور کیمرے کی آنکھ سے اوجھل تھا۔

فلم دیکھتے ہوئے اچانک ہی اُس نے اپنی کُرسی کے ہتھے پر لگا ہوا کنٹرول بٹن دبا دیا۔ فلم رک گئی اور ساتھ ہی ہال کی روشنیاں جل اٹھیں۔

''کیا ہوا؟'' ارون نے چونک کر پوچھا۔

''میں پروجیکشن بوتھ میں جا رہی ہوں۔'' شیتل نے پُر جوش انداز میں کہا۔ ''میں فلم کا نیگٹیو دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر وہی ہے جو میں سوچ رہی ہوں تو۔۔۔''

جملہ اُدھورا چھوڑ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور پردہ اٹھا کر پروجیکشن بوتھ کی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

پروجیکشنسٹ فِلم ریوائنڈ کرنے میں مصروف تھا تا کہ اُسے میٹل کین میں رکھ سکے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اُس نے سر اٹھایا۔

''ملکۂ عالیہ!'' اُس کی ہراساں آواز سنائی دی۔

''خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔'' شیتل نے اُسے اطمینان دلایا۔ ''میں تم سے کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔''

''جو حکم ملکۂ عالیہ۔''

''تمہارے پاس موویولا ہے؟''

''جی ملکۂ عالیہ۔''

''گڈ، آؤ میں فلم کے نیگیٹو اُس پر دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''یہ کیا چیز ہے؟'' ازون نے دریافت کیا جو اس کی تقلید میں وہاں پہنچ گیا تھا۔

''ایک چھوٹی پروجیکشن مشین۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ''اسے فلموں کی ایڈیٹنگ میں استعمال کیا جاتا ہے۔''

''تم نے کم از کم ایک درجن بار فلم دیکھی ہے، شیتل۔'' ارون نے احتجاج کیا۔

شیتل جواب دیے بغیر پروجیکشنسٹ کے ساتھ موویولا کی طرف بڑھ گئی۔

''اب ہم اسے آہستہ آہستہ ریوائنڈ کریں گے۔'' اُس نے اُسے آگاہ کیا۔ ''میں سارے جوڑ دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم نے کتنی ریلیں چلائی ہیں؟''

''صرف دو، ملکۂ عالیہ۔''

''اس کا مطلب ہے کہ رول میں ایک سے زیادہ جوڑ نہیں ہوگا۔۔۔ صرف درمیان میں جہاں دونوں ریلوں کو جوڑا گیا ہوگا، آسانی سے پتا چل جائے گا۔''

''جی، ملکۂ عالیہ۔'' پروجیکشنسٹ نے نیگیٹو اسپول مشین پر چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ شیتل اور ارون اُس کے دونوں اطراف کھڑے تھے۔ جب پوری فلم چل گئی تو شیتل نے سر اٹھا کر ارون کو دیکھا۔

''میں نے سات جوڑ گنے ہیں، تم نے کتنے گنے؟''

''چھ۔'' ارون نے جواب دیا۔

''چھ یا سات۔'' شیتل نے بلا تامل بات اُچکی۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اہم بات صرف یہ ہے کہ کسی نے فلم کی ایڈیٹنگ کی ہے۔'' وہ پروجیکشنسٹ کی طرف مُڑی۔ ''فلم تمہیں کب اور کس نے دی تھی؟''

کرنل ماجد نے، آج صبح۔''

''رات بھر یہ کس کے پاس رہی؟''

''مجھے علم نہیں، ملکۂ عالیہ۔''

OO

گولڈن لائن روم کے دروازے تک ارون اُس کے ساتھ گیا لیکن پھر شیتل نے اُسے واپس کر دیا۔

''میں نے کرنل ماجد کو بلوایا ہے۔'' اُس نے جواز پیش کیا۔ ''میں اُس سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد ہی کرنل ماجد اُس کے روبرو تھا۔

''کرنل ماجد!'' ملکہ کی نقرئی آواز ابھری۔ ''محل میں تمہاری حیثیت کیا ہے؟''

''آپ جانتی ہیں ملکۂ عالیہ۔'' کرنل ماجد اِس بے تکے سوال پر پریشان ہو گیا، یوں بھی اس بے وقت طلبی پر وہ پہلے سے ہی حیرت زدہ تھا۔ ''ہیڈ آف انٹیلی جنس۔''

''بالکل۔'' شیتل نے صراحی دار گردن اثبات میں ہلائی۔ ''تمہیں ناکام قاتلانہ حملے کی فلمیں کب ملی تھیں؟''

''آج صبح آٹھ بجے۔''

''کیا یہ معمول کا طریق کار ہے؟''

کرنل ذو معنی انداز میں مُسکرایا۔ ''ہمارے ہاں قاتلانہ حملے زیادہ نہیں ہوتے۔''

شیتل بھی مُسکرائے بغیر نہ رہ سکی لیکن جلد ہی اُس نے چہرے پر سنجیدگی دوبارہ طاری کر لی۔

''میرا خیال ہے کہ مجھے کچھ زیادہ کُھل کر بات کرنی چاہیے۔'' شیتل نے ذرا سے توقف کے بعد کہا۔ ''مجھے دکھائی جانے والی فلمیں جب کیمرا مین سے لی گئی تھیں تو کس کے حوالے کی گئی تھیں؟''

''جنرل مجیب کے۔'' کرنل ماجد نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔ ''میری رپورٹس اور سیکرٹ سروس اور پولیس ڈیپارٹمنٹ کی تمام رپورٹس بھی پہلے جنرل کے حوالے کی جاتی

ہیں وہ ہماری سرگرمیوں کا جائزہ لے کر احکامات جاری کرتے ہیں۔''

''اور یہ کب سے ہوتا ہے۔''

''جب مرحوم شاہ زندہ تھے تو وہ جنرل مجیب کے ساتھ بذاتِ خود صلاح مشورہ کرتے تھے۔''

''حیرت ہے۔'' شیتل نے کہا۔ ''جنرل فلمیں لے کر میرے پاس کیوں نہیں آیا؟''

''ممکن ہے جنرل آپ کو پریشان نہ کرنا چاہتے ہوں۔''

''کرنل! کیا تم اپنی ذمّے داریوں میں مخلص ہو؟''

''جی، ملکۂ عالیہ۔''

''تب پھر جب تک میں تخت پر ہوں، تم ہر رپورٹ میرے حضور پیش کرو گے۔''

''میں سمجھ گیا، ملکۂ عالیہ۔''

''خوب، تب پھر آج سے ہمارے نئے تعلق کا آغاز ہوتا ہے۔'' شیتل نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ''کیا تم جانتے ہو کہ مجھے دکھائی جانے والی فلم کی ایڈیٹنگ کی گئی تھی؟''

کرنل ماجد کے چہرے پر کبیدگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ ''مجھے علم ہے، ملکہ عالیہ۔''

''کیا تمہیں شبہ ہے کہ فلم کی یہ کٹوتی جنرل مجیب کی نگرانی میں ہوئی ہے؟''

''ممکن ہے۔''

''تو نکالے جانے والے ٹکڑے کہاں ہیں؟ کیا تم کوئی اندازہ لگا سکتے ہو؟''

''جنرل مجیب کی ایک مقفل دراز میں۔''

''میں فوری طور پر وہ فلم چاہتی ہوں۔ میں یہ نہیں جانتی کہ تم اُسے کیسے حاصل کرو گے لیکن مجھے پندرہ منٹ میں فلم چاہیے۔ میں پروجیکشن بوتھ میں تمہاری منتظر ہوں۔''

''لیکن۔۔۔'' کرنل نے بات شروع کی۔

''مجھے فلم چاہیے۔'' شیتل حلق کے بل دہاڑی۔

○○

کرنل ماجد پروجیکشن روم کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں فلم کا ایک چھوٹا سا کین تھا۔ شیتل نے بڑھ کر کین لے لیا اور اُس سے فلم کے چھ ٹکڑے نکال کر پروجیکشنسٹ کو تھما دیے۔

''جتنی جلد انہیں جوڑ سکتے ہو، جوڑو، میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

شیتل کرنل ماجد کو لے کر پروجیکشن روم میں آ گئی۔ کرنل اُس کے پہلو میں بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

''کل کے بارے میں کسی تفصیل کا علم ہے؟'' شیتل نے دریافت کیا۔

''بہت کم، حملہ آور بھیڑ میں رُوپوش ہو گیا۔ گیٹ سے باہر ایک سیاہ رنگ کی کار اُس کی منتظر تھی جو اُسے لے کر فوراً ہی روانہ ہو گئی۔''

''اُس کا تعاقب کیوں نہیں کیا گیا؟''

''ہم نے محافظوں سے پوچھ گچھ کی ہے، اُن کا کہنا ہے کہ ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ وہ حملہ آور کو روک سکے نہ اس کا تعاقب کیا جا سکا۔ وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں بتا سکے کہ کار پر بے پناہ گرد جمی ہوئی تھی۔''

اُس کے قریب لگا ہوا بزر چیخ اٹھا اور اُس نے اشارے سے پروجیکشنسٹ کو فلم اسٹارٹ کرنے کا حکم دیا۔

شیتل، کرنل سے مخاطب ہوئی۔ ''محافظوں کی تعداد فوری طور پر دُگنی کر دی جائے۔''

''جی، ملکۂ عالیہ۔''

''وہ تمام محافظ معطل کر دیے جائیں جو گولی چلنے کے وقت ڈیوٹی پر تھے۔''

''ایسا ہی ہو گا، ملکۂ عالیہ۔''

اُسی وقت فلم شروع ہو گئی اور شیتل خاموشی سے ہر چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ اچانک

اُسے چند چہرے جانے پہچانے نظر آئے تو اُس نے پروجیکشنسٹ کو سلوموشن کا اشارہ کیا، حتیٰ کہ ایک چہرے پر اُس نے فلم رکوادی۔

''کیا تم اِس چہرے کو پہچانتے ہو، کرنل؟'' شیتل نے اسکرین پر نظر آنے والے کے بارے میں سوال کیا۔

''نہیں، ملکۂ عالیہ، ظاہری طور پر اِس کا حلیہ بحریت کے عام لوگوں کا سا ہے البتہ اس نے جس قسم کا لباس پہن رکھا ہے وہ ذرا سا مشکوک لگ رہا ہے ہم۔۔۔''

''لیکن میں اس شخص کو جانتی ہوں، کرنل۔''

''میں سمجھا نہیں، ملکۂ عالیہ۔''

''دو دن پہلے میں نے قبائلی گاؤں پادی کا دورہ کیا ہے۔ کیا تمہیں اِس کا علم ہے کرنل؟''

کرنل ایک لمحے کو جھجکا لیکن اگلے ہی لمحے وہ اندازہ کر چکا تھا کہ شیتل کو دھوکا دینا اِس قدر آسان نہیں۔

''ہاں، میں جانتا ہوں۔''

''مجھے اعتراف سُن کر خوشی ہوئی۔'' اُس نے اسکرین پر نظریں جمائے جمائے کہا۔ ''میں نے اسے پادی کی ایک گلی میں دیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں کون ہوں۔ میں جب اُس کے قریب سے گزری تو وہ مسلسل مجھے گھورتا رہا تھا۔۔۔ آج تم اپنے کچھ غیر مسلح آدمیوں کے ساتھ پادی جاؤ گے اِس کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔ میں نہیں چاہتی کہ مجھ سے ملاقات سے قبل مشکوک شخص کو خوفزدہ کیا جائے۔ کیا تم سمجھے؟''

''ہم اپنی پوری کوشش کریں گے، ملکہ۔''

''میرا خیال ہے تم میری بات نہیں سمجھے، اُسے تحفظ دیا جانا ہے۔ میں رات کو اُس سے ملاقات کرنا پسند کروں گی لیکن اُس کے بدن پر زخم تو کجا کسی خراش تک کا نشان نہیں ہونا چاہیے۔''

OO

سوئٹزرلینڈ میں پیا سے ملاقات کے بعد آج پہلی بار شیتل خود کو زندہ محسوس کر رہی تھی۔

کرنل ماجد سے اُس کی بات چیت اور پھر جس طرح اُس نے احکامات جاری کیے اور اُن پر عمل ہوا اُس کے لیے باعثِ تسکین تھا۔ وہ ملکہ تھی، ایک مکمل ملکہ جس کے پاس بے پناہ طاقت تھی۔ کرنل کی عقل میں بات آ گئی تھی اور بہت جلد دوسروں کی عقل میں بھی آ جاتی۔

رات، عذرا اور گوتم کے ساتھ ڈنر پر اُس کی مُلاقات طے تھی۔ عذرا، گیتا اور گوتم اگلی صبح ریال سے روانہ ہو رہے تھے۔ ڈنر کے لیے تیار ہوتے ہوئے دل ہی دل میں وہ گزشتہ ہفتے کے دوران ہونے والے واقعات دُہراتی رہی۔ پھر سوچ کی لہریں اُس زمانے تک جا پہنچیں جب وہ ایک اداکارہ تھی اور اپنی اداکاری سے لوگوں کو حیرت زدہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ آج رات پھر اُسے ایک بہادر لیکن بے یار و مددگار بیوہ کا کردار ادا کرنا تھا۔

ڈنر سے قبل کاک ٹیل پر اُس نے اپنے مہمانوں سے کہا کہ ناکام قاتلانہ حملے کے بارے میں کوئی بات چیت نہیں ہو گی۔

''الوداعی ڈنر کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار ہونا چاہیے۔'' شیتل نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

کاک ٹیل ختم ہونے تک تو اُس کی بات پر عمل ہوا لیکن جونہی وہ لوگ کھانے کے لیے بیٹھے، عذرا سے صبر نہ ہو سکا۔

''ہمیں پتا تو چلنا چاہیے کہ حملہ آور سے نمٹنے کے لیے کیا کچھ کیا گیا ہے۔ رامیر کی زندگی میں بھی ایک بار ایسا ہوا تھا لیکن حملہ آور کو موقع پر ہی گولی مار دی گئی تھی۔ رامیر اور اُس کی بیوی عالیہ راتوں رات مُلک سے باہر چلے گئے تھے اور حالات پُرسکون ہونے تک چھ ماہ وہ دونوں رُوم میں رہے تھے۔''

''ماضی کی کوئی بات نہیں دُہرائی جائے گی۔'' شیتل نے بیزاری سے کہا۔ ''ابھی تک

حملہ آور کے بارے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ گرفتار ہونے والوں نے کسی بھی چیز کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔"

"کوئی انعام کیوں نہیں رکھا جاتا؟" گوتم نے تجویز پیش کی۔

"نہیں، گوتم۔" شیتل نے فوراً مخالفت کی۔ "کوئی انعام نہیں رکھا جائے گا۔ میں نے حکم دیا ہے کہ معاملے کو عوام کی نگاہوں سے اوجھل رکھا جائے اور تم جانتے ہو کہ میرے احکامات کی تعمیل ہونی چاہیے۔"

"کیا یہ بہتر نہیں کہ انٹیلی جنس کو اُس کا کام کرنے دیا جائے۔" گوتم نے کہا۔

شیتل نے اُس کی تجویز کا کوئی جواب نہیں دیا۔ باقی کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ ڈنر ختم ہوتے ہی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"گیتا! میں یہاں تمہیں خدا حافظ کہتی ہوں اس یاددہانی کے ساتھ کہ ملازمائیں تمہارا سامان پیک کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کل میں تمہارے شوہر کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔" وہ گوتم کی طرف مڑی۔ "میرے خیال میں بقول تمہارے معاملہ سیدھا سادا ہے۔"

"بالکل۔" گوتم نے فوراً روبوٹ کی طرح سر ہلایا۔

"کل صبح دس بجے، گولڈن لائن روم۔" شیتل نے کہا اور عذرا کی طرف مڑی۔ "اور تم عذرا، کیا میرے کمرے میں آنا پسند کرو گی؟ میرے پاس تمہارے لیے ایک حیران کن تحفہ ہے جو رامیر تمہیں دینا چاہتا تھا۔"

عذرا کا چہرہ کھل اُٹھا۔ "تم کتنی اچھی ہو بھابی!"

OO

صوفے پر بیٹھی عذرا بے چینی کے ساتھ شیتل کو اُس کے کمرے کی میز کی دراز ٹٹولتے دیکھ رہی تھی۔

''بریسلٹ ہے؟'' اُس نے پُر جوش انداز میں پوچھا۔ ''رامیر نے یہ مجھے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ایک کمبوڈین شہزادے نے ہماری والدہ کو تحفتہً دیا تھا۔''

شیتل نے دراز سے کارڈ بورڈ کا ایک ڈبہ نکالا۔ ''یہ بریسلٹ نہیں ہے، عذرا۔''

''پھر کیا ہے۔۔۔''

''اس سے بھی قیمتی شے۔'' شیتل نے ڈبہ عذرا کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''اسے کھولو۔۔۔! ابھی۔''

عذرا کے اعصاب تن گئے، اُس نے شیتل پر نگاہیں جما کر ڈبہ کھول ڈالا۔ ڈبے میں کئی کاغذات رکھے ہوئے تھے۔

شیتل جُھک کر عذرا کے قریب ہوگئی۔ ''انہیں پڑھو۔'' اُس نے حکم دیا۔ عذرا نے چونک کر شیتل کو دیکھا۔ اُسے اپنی بھابی کا لہجہ بدلا ہوا محسوس ہوا تھا۔

عذرا نے جلدی جلدی کاغذات پڑھ ڈالے۔

''یہ جھوٹ ہے۔'' وہ یک دم چلا اٹھی۔ ''کوئی شخص مجھے تباہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''بے وقوف، تباہ تو تم ہو چکیں۔ اس الزام کے ہر ہر لفظ کی تصدیق کی جا چکی ہے۔'' شیتل نے حیرت کے انداز میں سر کو جنبش دی۔ ''تمہارا اور مجیب کا خیال تھا کہ یہ منصوبہ کامیاب رہے گا؟ میں نے خود اُس نوجوان سے بات کی ہے جس نے مجھ پر گولی چلائی تھی۔ جب میں نے اُس سے موت کی سزا کے بجائے جیل بھجوانے کا وعدہ کیا تو اُس نے سب کچھ اُگل دیا۔ کتنے بیوقوف ہو تم دونوں، بالکل سیکرٹ پولیس کی طرح گدھے اتنے کچے آدمی کو

مجھ پر قاتلانہ حملے کے لیے منتخب کیا۔ وہ تو تم لوگوں پر اعتماد کیے بیٹھا تھا کہ جب میں راستے سے ہٹ جاؤں گی تو تم اسے سونے سے لاد دو گے۔''

''یہ غلط ہے۔'' عذرا نے کمزور سی آواز میں احتجاج کیا۔

''بکومت، حملہ آور اور اُس کے نوجوان ساتھی یہاں سے فرار ہو کر اپنے گاؤں واپس گئے تھے۔ سردار خامی تہرانی نے انہیں کہا تھا کہ اُن لوگوں نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ اب حملہ آور اور اُس کے ساتھی جیل میں تمہارے اور جنرل کے خلاف فردِ جرم عائد ہونے کے منتظر ہیں۔''

عذرا ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ ''تمہارا یہاں سے کیا تعلّق ہے؟'' وہ حلق کے بل چیخی۔ ''تم یہاں حکومت نہیں کر سکتیں، میں اور مجیب تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ یہ مُلک ہماری ملکیّت ہے، ہمارے خاندان کی ملکیّت ہے۔ تم بے شک رامیر کی ملکہ تھیں لیکن ہمارے لیے وہی دو ٹکے کی ہندو اداکارہ ہو جو ٹکے ٹکے کے عوض اپنے آپ۔۔۔''

شیتل کا زوردار تھپڑ عذرا کے منہ پر پڑا۔ اُس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

''اب اگر تم نے مجھے ہندو کہا تو میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔'' شیتل نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''میں دو ٹکے کی اداکارہ ہوں یا چار ٹکے کی، مسلمان ہوں اور یہ بھی سُن لو کہ میں یہ مُلک اُس وقت چھوڑوں گی جب میری مرضی ہوگی۔ کریم اُس وقت بادشاہ بنے گا جب میں اُس کے لیے جگہ خالی کروں گی اور کون جانتا ہے کہ اس میں کتنا وقت لگے؟''

''تم ایک پاگل عورت ہو۔'' عذرا نے بائیں ہاتھ سے گال کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ''فوج مجیب کے ساتھ ہے۔ وہ جب چاہے تمہیں دُودھ سے مکھّی کی طرح نکال سکتا ہے۔''

''تصحیح کر لو پیاری عذرا، فوج مجیب کے باپ کی ملکیّت نہیں، میری ملکیّت ہے۔'' شیتل کی آواز بتدریج بلند ہوتی چلی گئی۔ ''ہوسکتا ہے بعض لوگ اُس کے حمایتی ہوں لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ انگلیوں پر گِنے جانے والے لوگ مجیب کے لیے فوج سے ٹکرائیں گے؟ کبھی نہیں! اور اس وقت تو قطعی نہیں جب انہیں علم ہوگا کہ میں اُن کی بہتری کے لیے متعدد منصوبوں میں دلچسپی رکھتی ہوں، میرے پاس مجیب کے لیے الگ منصوبہ ہے۔''

عذرا کی آنکھیں دلچسپی لینے کے انداز میں سُکڑ گئیں۔

''میں عارضی طور پر اس کی جاں بخشی کر رہی ہوں کیونکہ میں اپنے ہاتھ خون آلود نہیں کرنا چاہتی۔'' شیتل نے کہا۔ ''مجیب کو بتایا جائے گا کہ تم دونوں کا راز افشا ہو گیا ہے۔ پھر میں اُسے فوج سے ریٹائر کر کے اپنے موجودہ سفیر کی جگہ انگلینڈ بھیج دوں گی۔ ایک دن بحریت کے سرپھرے نوجوان، قانون اپنے ہاتھ میں لے کر لندن کے بحریتی سفارت خانے پر دھاوا بول دیں گے اور مجیب حادثاتی طور پر مارا جائے گا۔ یوں یہ میری ذمّے داری نہیں ہوگی۔ میں لندن والوں کو ایک احتجاجی خط لکھوں گی اور اُن سے قاتلوں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کروں گی۔ کیوں کیا خیال ہے؟''

''تمہیں یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گی؟'' عذرا کی آنکھیں بشدّت حیرت سے پھٹنے کو آ رہی تھیں۔

''کیوں نہیں؟'' شیتل نے قہقہہ لگایا۔ ''میں آج رات تمہاری گرفتاری کے احکامات بھی جاری کر سکتی ہوں، میں حملہ آور اور اُس کے ساتھیوں کی مشکور رہوں کہ انہوں نے مجھے بہت سے ثبوت فراہم کر دیے ہیں، اتنے کہ میں تمہیں جیل میں ڈال سکوں، پھر تم پر مقدمہ چلے گا اور ہو سکتا ہے کہ میری خواہش پر تمہیں ریال کے سب سے بڑے چوراہے میں سرعام پھانسی دے دی جائے یا زندگی بھر کے لیے کسی تنگ و تاریک جیل میں بند کر کے چابیاں سمندر میں پھینک دی جائیں۔''

''کیا تم سنجیدہ ہو؟''

''سو فیصد۔''

''لیکن کیوں؟''

''اس لیے کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔'' شیتل بپھر گئی۔ ''اُس وقت سے جب تم سینٹ موریز میں اپنے بھائی سے لڑی تھیں۔ تب تک وہ جیسا بھی تھا، میں اُس سے پیار کرتی تھی۔ وہ میرا شوہر تھا اور میں سو فیصد اُس کی وفادار تھی۔ شادی سے پہلے میرا کردار جو بھی تھا لیکن شادی کے بعد میری زندگی میں رامیر کے علاوہ کوئی نہیں آیا تھا۔ میری تباہی اور مجھے وفا کی راہ سے بھٹکانے کی ذمے دار تم ہو، جب تم نے رامیر سے اُس کی دوستوں اور محبوباؤں کا ذکر کیا، تم جانتی تھیں کہ میں کسی بھی لمحے وہاں آ سکتی ہوں۔ تم ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی

تھیں اور اس میں کامیاب ہوگئیں۔ تم اُس کے کرتوت پہلے سے جانتی تھیں پھر ایک ایسے موقع پر انہیں دہرانے کی ضرورت کیا تھی جب رامیر کو اور تمہیں یہ توقع تھی کہ میں انہیں سُن سکتی ہوں، لیکن تمہاری خواہش تھی کہ میں سُنوں اور ایسا ہی ہوا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے دُور ہوگئے۔ اُس دن کے بعد میری زندگی پہلے جیسی نہ ہوسکی۔ اُس وقت تمہیں موقع ملا اور تم وار کر گئیں آج مجھے موقع ملا ہے تو میں بھی تمہاری زندگی پہلے جیسی نہ رہنے دوں گی۔''

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' عذرا نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''خوش قسمتی سے تمہاری ملکہ، تعلیم یافتہ ہے، میں تمہیں اُس طرح تباہ نہیں کروں گی جیسے تم نے مجھے کیا۔ اس طرح تو تم ایک ہی رات میں سب کچھ بُھول جاؤ گی۔ میں چاہتی ہوں کہ جس طرح میں نے پانچ سال عذاب جھیلے ہیں، تم بھی جھیلو۔ میں تمہیں ان پانچ سالوں کے عوض عمر بھر کا عذاب دوں گی۔ میں تمہاری جلاوطنی کے احکامات صادر کر رہی ہوں۔ تمہیں شاہی خزانے سے جو وظیفہ ملتا تھا وہ آج سے ختم کیا جاتا ہے۔ اب تم اپنی خالی انگلیوں کے سہارے جینا اور میں قہقہے لگاؤں گی۔ میری بلا سے اب تم سمندر میں کُود مرو یا پھر سے منشیات۔۔۔''

''تم کُتیا ہو!'' عذرا چلائی۔ ''میں ایک بیسوا کو اپنی زندگی سے نہیں کھیلنے دوں گی۔'' وہ مُٹھیاں بھینچ کر شیتل پر جھپٹی لیکن شیتل نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی کلائیاں پکڑ لیں۔

'محتاط رہو، عذرا۔'' اُس نے اُسے سرزنش کی۔ ''تم میرے ملک اور میرے محل میں موجود ہو، مجھے دھمکیاں مت دو ورنہ میں ملکہ کی سطح سے نیچے بھی گر سکتی ہوں۔''

عذرا نے اپنی کلائیاں چھڑائیں اور دروازے کی سمت بھاگ کھڑی ہوئی۔ ''تم بے وقوف ہو، اندھی ہو۔'' دروازے کے پاس پہنچ کر وہ چیخی۔ ''ابھی میرے پاس ایک مہرہ باقی ہے۔۔۔ گو تم تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گا۔''

OO

شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہن کر شیتل اپنے بیڈ روم سے کوریڈور میں نکل آئی۔ اُسے دیکھتے ہی باوردی محافظ تن کر کھڑا ہو گیا اور پھر پورا کوریڈور محافظوں کی ایڑیوں سے گونج اٹھا۔ شیتل نے جونہی قدم آگے بڑھائے، محافظوں نے اُس کا ساتھ دینا چاہا لیکن اُس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ساتھ آنے سے منع کیا اور نپے تلے قدم اٹھاتی گولڈن لائن روم کے دروازے تک پہنچ گئی۔

نصف شب کا عمل تھا اور گوتم سے ملاقات میں ہنوز دس گھنٹے باقی تھے۔

''معاملہ بالکل سیدھا سادا ہے۔'' اُسے ایک روز پہلے گوتم کے کہے ہوئے الفاظ یاد آ گئے۔ ''تمہیں صرف کاغذات پر دستخط کرنے ہیں، میں اور گیتا یہاں سے سیدھے دہلی جائیں گے تاکہ اہم دستاویزات خود وزیراعظم کو پیش کر سکوں۔''

ٹھیک ہے۔ اُس دل میں ہی دل میں سوچا۔ تم آؤ تو سہی، میں تمہارے استقبال کو تیار ہوں۔

اُس نے گولڈن لائن روم کے دروازے کی چابی نکالی اور مقفل دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اُسے یہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ روشنی کرنے کے لیے سوئچ کی طرف بڑھتی اچانک ہی وہ ٹھٹک کر رُک گئی۔

وسیع و عریض کمرے کی دوسری سمت والا دروازہ کُھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ شیتل نے پنسل ٹارچ کی روشنی بھی دیکھی۔ پہلے اُس کا جی چاہا کہ وہ جانے والے کو پکارے لیکن یہ سوچ کر کہ کہیں وہ مسلح نہ ہو اُس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ البتہ یہ سوچ کر اُس کا دماغ جلنے لگا کہ مملکت کے اس اہم ترین کمرے میں چوروں کی طرح داخل ہونے کی ہمت کِس نے کی تھی؟

جو دروازہ کُھل کر بند ہوا تھا وہ فریدہ کے کمرے میں جاتا تھا جسے رامیر نے کوئی بارہ

سال قبل اپنی سیکرٹری بنایا تھا، لہٰذا یہ بات طے تھی کہ داخل ہونے والی فریدہ ہی تھی۔

شیتل نے کندھے جھٹکے اور تیزی سے آگے بڑھ کر سوئچ دبا دیا۔ اگلے ہی لمحے کمرہ روشنی سے نہا گیا۔ اُس نے غائرانہ نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا لیکن بہ ظاہر کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلی نظر نہیں آئی، حتیٰ کہ کاغذات بھی اُسی ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جس ترتیب سے اُس نے رکھے تھے۔

وہ چند لمحے کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی اور پھر اپنی میز پر جا کر بیٹھ گئی۔ ایک بار پھر اُس کی نگاہیں چاروں سمت گھوم رہی تھیں۔ سامنے والی دیوار پر رامیر کے والد اور اُس کے سُسر کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ شیتل کی نگاہ جونہی اُس پر پڑی، اُچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ تصویر بالکل سیدھی لگی ہوئی تھی مگر اب وہ ترچھی تھی۔

''خُفیہ تجوری۔'' شیتل نے زیرِ لب کہا اور تیر کی طرح تصویر کی طرف بڑھی۔ اُس نے بھاری بھرکم تصویر کو ایک طرف کھسکایا اور فوراً ہی اُس کے اندیشوں کی تصدیق ہوگئی۔

وہاں واقعی ایک خُفیہ تجوری موجود تھی۔ جس پر ننھا مُنّا سا پُش بٹن لگا ہوا تھا۔ اُس نے بٹن دبایا اور تجوری کا دروازہ ایک سمت کھسک گیا۔ تجوری اُس کے قد سے بلند تھی۔ پنجوں کے بل اُٹھ کر اُس نے اندر ہاتھ ڈال دیا۔ صرف ایک چیز وہاں موجود تھی اور وہ ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا۔

شیتل نے اُلٹ پلٹ کر پیکٹ کا جائزہ لیا۔ تجوری بند کی اور تصویر صحیح کرنے کے بعد اپنی کُرسی پر آ بیٹھی اُس نے جلدی سے پیکٹ کھول ڈالا۔ ایک پاکٹ سائز ڈائری اُس کے ہاتھوں میں تھی۔ شیتل نے ڈائری الٹ پلٹ کر دیکھی اور پھر اُسے پڑھنا شروع کر دیا۔

OO

جب وہ گولڈن لائن روم سے برآمد ہوئی اُس وقت رات کا اندھیرا اور دِن کا اُجالا اُفق پر گلے ملنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اُس نے اپنی ملازمہ کو ہدایت کی کہ اُسے صبح دس بجے سے قبل بیدار نہ کیا جائے اور ناشتے پر مسٹر گوتم کو بتا دیا جائے کہ ملکہ سے ملاقات اب دس کے بجائے گیارہ بجے ہوگی۔

نیریت نے اُسے جگایا اور گیارہ بجنے سے چند منٹ قبل شیتل تیار ہو کر بیڈ روم سے نِکل آئی۔ نیوی بلیو اسکرٹ اور نیوی بلیو بلاؤز میں جس کا کالر سفید رنگ کا تھا، وہ آہستگی سے گولڈن لائن روم کی طرف روانہ ہوئی۔ گوتم جب ملاقات کے لیے اندر داخل ہوا اُس وقت وہ اپنی بڑی میز کے عقب میں شاہی کُرسی پر براجمان تھی۔

''تمہیں کچھ دیر بعد وطن روانہ ہونا ہے اس لیے میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گی۔'' شیتل نے استقبالیہ جُملوں اور ملاقات کے وقت میں تبدیلی پر معذرت کرنے کے بعد گوتم کو مخاطب کیا۔ ''تم نے کہا تھا کہ۔۔۔ ہاں۔۔۔'' اس کے ہاتھ میز پر پڑے کاغذات کے ڈھیر کی طرف بڑھے اور پھر اُس نے ایک فائل میں سے چند کاغذات نکال کر سامنے رکھے۔'' مجھے اِسی دستاویز۔۔۔ معاہدے پر دستخط کرنے تھے نا۔۔۔''

''ہاں۔'' گوتم نے کاغذات کھسکا کر اپنی جانب کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں۔'' اُس نے کاغذات کا آخری صفحہ نکال کر شیتل کے سامنے کر دیا جس کے آخر میں سُرخ روشنائی سے ایکس کا نشان لگا ہوا تھا۔ ''تمہارے دستخطوں کے ساتھ ہی روانہ ہو جاؤں گا۔'' اُس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک طلائی قلم نکال کر کھولا اور شیتل کی طرف بڑھا دیا۔

''نہیں گوتم۔'' شیتل نے مضبوطی سے کہا۔

''کیا تم دستخطوں کے لیے اپنا قلم استعمال کرنا چاہتی ہو؟ بہت سے سربراہ ایسا ہی کرتے ہیں۔''

''نہیں گوتم۔'' شیتل نے اپنے الفاظ دُہرائے۔ ''میں دستخط نہیں کر رہی۔ تمہارے قلم سے نہ اپنے قلم سے۔''

وہ سمجھا شاید شیتل مذاق کر رہی ہے۔ ''پَر کے قلم سے۔۔۔؟''

''میں نے یہ دستاویز پڑھی ہے اور مجھے یہ پسند نہیں آئی۔''

''لیکن کیوں؟'' گوتم نے پلکیں جھپکائیں۔

''اِس لیے کہ یہ مزید فوجی ہتھیاروں کی خریداری کا معاہدہ ہے۔ مزید ہوائی جہاز اور جنگی کشتیوں کی خریداری کی دستاویز ہے جس کے لیے ہمیں دو ارب ڈالر ادا کرنے ہوں گے، نہیں گوتم، ہم اِس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔''

گوتم نے اپنا چشمہ اُتار کر کوٹ کی آستین سے صاف کیا اور مُسکرا دیا، ایک زخمی مُسکراہٹ۔۔۔ ''ان ہتھیاروں کی خریداری تمہارے شوہر کی سب سے بڑی خواہش تھی اور میں نے ایک سال تک اپنی حکومت کو باور کرایا ہے کہ بحریت کا وجود اُس کے لیے کس قدر اہم ہے۔ اگر وہ بحریت کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ اسلحہ فراہم کریں۔''

''معمولی جھڑپوں کو سنگین سرحدی تنازعات کا نام نہیں دیا جا سکتا۔''

''لیکن رامیر ایسا ہی سمجھتا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ واپس محل پہنچ کر سب سے پہلے اس معاہدے پر دستخط کرے۔''

''مجھے اس کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی، ہمارے پاس پہلے ہی خاصا زیادہ اسلحہ موجود ہے۔''

''کیا تم اس بات سے متفق ہو کہ بحریت کی نازک صورت حال کے باعث اِسے مضبوط ہونا چاہیے؟''

''بالکل۔'' شیتل نے جواب دیا۔

''تو پھر یہ انکار۔۔۔؟'' گوتم نے جُملہ ادھورا چھوڑ کر شیتل کی طرف دیکھا۔

''معاہدے کے بغیر دہلی واپسی میری شکست ہو گی۔''

''تم اِس سے عہدہ برآ ہو سکتے ہو۔''

''مگر شاید تم نہ ہو سکو؟''

شیتل بھڑک اٹھی۔ ''تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو گوتم؟ تمہارا خیال ہے میں بچی ہوں؟ میری بات غور سے سنو، فریدہ راتوں رات یہاں سے جا چکی ہے اور اُس نے تمہارے لیے کوئی الوداعی پیغام نہیں چھوڑا۔''

''اوہ۔'' گوتم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''اُسے تمہیں بتانا چاہیے تھا کہ رامیر کے لیے اس خریداری کی کیا اہمیت تھی۔''

''بھاڑ میں جھونکو اِس اہمیت کو۔'' شیتل چڑ گئی۔ ''تمہارا جہاز تمہارا منتظر ہے، میں صاف اور سیدھی بات کروں گی، کیا تم جانتے ہو کہ رامیر کے پاس ایک ڈائری تھی؟''

گوتم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''نہیں۔''

''فریدہ جانتی تھی اور اُس نے اسے پڑھا بھی لیکن بُرا ہوا کہ وہ اِسے یہیں چھوڑ گئی۔''

گوتم آگے کی طرف جُھک آیا۔ ''مجھے دکھاؤ۔۔۔''

''اور مزید وقت ضائع کروں؟ کوئی ضرورت نہیں، تم جانتے ہو کہ اس میں کیا لِکھا ہے؟ اُس نے ڈائری میں اُس تمام اسلحے کی تفصیلات لِکھ رکھی ہیں جو تمہاری معرفت خریدا گیا۔ اور اس پر تمہیں جو کمیشن دیا گیا وہ بھی درج ہے۔''

گوتم نے کندھے اُچکائے۔ ''کوئی غیر قانونی بات نہیں۔''

''میں تمہیں رامیر کی ڈائری کا ایک نوٹ سُناتی ہوں شاید وہ بھی غیر قانونی نہ ہو۔'' شیتل نے طنز کیا۔ ''اٹھارہ طیارے، میزائل لانچرز اور ٹینک خلیج فارس کی بندرگاہ پہنچے لیکن انہیں بحریت میں اُتارا گیا، کارگو بوٹس کا رُخ فوری طور پر صومالیہ کی طرف موڑ دیا گیا۔ صومالیہ سے ادائیگی، جرمن مارک میں ہوئی جسے میرے ذاتی اکاؤنٹ میں زیورچ منتقل کر دیا گیا۔''

''ناممکن۔'' گوتم بول اُٹھا۔ ''یعنی رامیر نے میری معرفت خریدے ہوئے ہتھیار دوبارہ بیچ ڈالے؟ میں نہیں مانتا۔''

''اور بھی بہت کچھ ہے، تم زیرِ زمین ہینگرز کے بارے میں جانتے ہو؟''

گوتم نے محتاط انداز میں سر ہلایا۔

''تم جانتے ہو کہ اُن کی ضرورت نہ تھی۔ رامیر کا دعویٰ تھا کہ وہ مُلک بچا رہا ہے لیکن

اُس کی اپنی ڈائری کے مطابق وہ مُلکی دولت کو زیورچ میں جمع کر رہا تھا۔ بینک کی تمام رسیدیں میرے پاس پہنچ چکی ہیں جن سے مجھے پتا چلا ہے کہ میرا شوہر ایک مُلک کا بادشاہ ہونے کے علاوہ دُنیا کا امیر ترین شخص بھی تھا۔ اِس کے ناقابلِ تردید شواہد موجود ہیں کہ وہ اربوں ڈالر کا مالک تھا۔"

"اُسے ڈر تھا کہ وہ کہیں اقتدار سے محروم نہ ہو جائے اور اُسے جلاوطن نہ ہونا پڑے۔ یہ دولت اُس نے اپنے بُرے وقتوں کے لیے جمع کی تھی۔"

"لیکن تمہیں کون سی جلاوطنی ملنے والی تھی؟" شیتل نے چُبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تمہیں اور جنرل مجیب کو بھی تو آدھا آدھا حِصّہ ملتا رہا ہے۔"

"لگتا ہے خاصی تیاری کر کے آئی ہو؟" گوتم تھکے تھکے انداز میں مُسکرایا۔ "اب کیا چاہتی ہو؟ میرا راز فاش کرو گی تو امیر بھی عریاں ہو جائے گا اور میرا خیال ہے کہ بحریت اپنے سابق بادشاہ پر اُسی کی بیگم کے الزامات کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ یہ پہلے ہی ایک متاثرہ مُلک ہے۔ تمہارے سامنے بہت سے مسائل ہیں۔ صرف اعتماد ہی ان مسائل کا حل ہے۔ جب کچھ اعتماد حاصل کر لو تو پھر بے شک ان معاملات کو بھی دیکھ لینا۔"

"میری یہ خواہش نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"سب سے پہلی یہ۔" شیتل نے غیر دستخط شدہ مسوّدہ میز سے اٹھایا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔

گوتم حیرت سے آنکھیں پھاڑے یک ٹک اُسے دیکھ رہا تھا۔ "زبردست۔" وہ بڑبڑایا۔ "اگلی خواہش۔"

"تمہاری اور تمہاری قابلِ نفرت بیوی کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بحریت اور میری زندگی سے بے دخلی۔" شیتل دانت کچکچا کر بولی۔ "یہاں سے دفع ہو جاؤ اور اِس بات کو ذہن میں رکھنا کہ میں اِس ملک کو عزّت و وقار سے چلانا چاہتی ہوں اور یہاں سے خوف و سراسیمگی اور تشدّد کی وہ فضا ختم کر دینا چاہتی ہوں جس کے لیے یہ دُنیا بھر میں مشہور رہا ہے۔۔۔ ہفتہ ختم ہونے سے پہلے ہی میں تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر رہی ہوں میں۔۔۔ میں۔۔۔" وہ سانس

لینے کو رُکی۔

''زبردست۔'' گوتم کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔''تم ابھی ایک بچّی ہو۔'' اُس نے میز کے کناروں پر ہاتھ جما کر شیتل کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔''اور بے خبر بھی۔۔۔دُنیا کی حقیقتوں کے بارے میں۔۔۔تم نے مجھے کہا کہ میں بچ نکلوں گا اور واقعی ایسا ہوگا لیکن میں تمہیں ناکام کا خطاب دے کر جا رہا ہوں اور تم خود دیکھنا کہ میری بات میں کتنا جھوٹ ہے، اصول پرستی اچھی چیز ہے لیکن صرف بہلولوں اور بغلولوں کے لیے۔۔۔بادشاہوں کے لیے نہیں۔۔۔

''اس مُلک میں دوبارہ کبھی چور اور لُٹیرے حکمرانی نہ کر سکیں گے۔'' شیتل نے مضبوطی سے کہا۔''کم از کم اُس وقت تک جب تک میں زندہ ہوں۔''

''اور تمہارے خیال میں تم کب تک جی سکو گی؟''

''تمہیں جہنّم میں دیکھنے کے لیے، ایک طویل عرصے تک۔''

گوتم دو قدم پیچھے ہٹا۔ اُس نے مُکّا تان کر فضا میں لہرایا اور پھر جُھک کر اُس نے شیتل کو تعظیم دی۔

''تو پھر میں جہنّم کے دروازے پر آپ کا انتظار کروں گا۔ ملکۂ عالیہ، گڈ بائی۔۔۔ میری پرارتھنا ہے کہ بھگوان آپ پر رحم کرے اور آپ کو حکمرانی کے ڈھنگ سکھائے۔''

OO

شیتل بے حد چڑچڑی ہوگئی تھی۔

''آرام سے جانم۔'' ارون نے اُسے تسلّی دی۔ ''خود پر قابو نہیں رکھو گی تو دھماکے سے پھٹ جاؤ گی۔''

''اِس وقت میں کسی بھیانک مسئلے پر غور نہیں کر رہی، پروفیسر عثمانی سے ملاقات کا جائزہ لے رہی ہوں۔'' شیتل نے اُسے بتایا۔ ''کیا عظیم آدمی ہے؟''

ارون غمگین انداز میں مُسکرا دیا۔

شیتل فوراً معاملے کی تہ تک جا پہنچی۔ ''ارے میرا یہ مطلب نہیں تھا، ڈارلنگ۔'' اُس نے اپنے نرم و نازک بازو اُس کے گرد حمائل کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تو اُس منصوبے کی بات کر رہی تھی جس کے تحت بحریت کے غریب لوگوں کو مفت رہائش فراہم کی جاتی ہے۔ پروفیسر کا کہنا ہے کہ جب سے وہ وزیر ہاؤسنگ بنا ہے اِس جیسا کوئی منصوبہ اُس کی نظر سے نہیں گزرا، میں مکانات کے بعد مُلک کے طول و عرض میں اسپتال اور اسکول کھولنے کا پروگرام بھی بنائے بیٹھی ہوں۔''

ارون نے اُسے اپنی جانب کھینچ لیا۔ ''تم ابھی تک میری ہو، یور میجسٹی؟'' اُس کا انداز سوالیہ تھا۔

شیتل اُس کے حصار میں آ کر سسک پڑی۔ ''کچھ نہیں بدلا، ڈارلنگ، میں تمہاری ہوں، وعدہ کرو مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں۔'' ارون نے جواب دیا لیکن اُس کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔

OO

ریسیپشن ہال میں بے چینی سے چہل قدمی کرتی ہوئی شیتل، قاہرہ سے سلمیٰ کی واپسی کی منتظر تھی۔ جونہی وہ اُسے سیڑھیاں چڑھتی نظر آئی اُس نے بڑھ کر سلمیٰ کو گلے لگالیا۔

سلمیٰ نے کمزور سی مسکراہٹ سے شیتل کا جائزہ لیا۔ ''کیا ہر وہ عورت جس پر قاتلانہ حملہ ہو تمہارے جیسی ہوتی ہے؟''

''قاتلانہ حملہ؟ اوہ وہ کل والی خبر۔''

''ہاں مصر میں اس کا بڑا چرچا تھا۔ میں نے متعدد بار تمہیں فون کیا لیکن اتفاق سے ہر بار لائن مصروف ملی۔''

شیتل نے مُسکرا کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں قدم بہ قدم سلمیٰ کے اپارٹمنٹ تک پہنچیں۔ ملازموں نے سلمیٰ کا سامان بھی پہنچا دیا تھا۔

''تم بتاؤ، فاروق کے ساتھ کیا سلسلہ رہا؟''

''اُسے فلم سے الگ کردیا گیا ہے۔'' سلمیٰ نے طویل سانس لے کر کہا اُس کے بھاری بھرکم چہرے پر خزاں اُتر آئی تھی۔ ''اور فی الحال وہ میرے ساتھ بھارت جانے کو بھی تیار نہیں ہوا۔''

''یہ تو بُرا ہوا۔'' شیتل نے تاسف سے کہا۔ ''تم کہو تو میں فاروق سے مل کر۔۔۔''

''اِس کی ضرورت نہیں۔'' سلمیٰ نے اُس کی بات کاٹ دی ''ابھی میرے پاس ایک ہتھیار باقی ہے۔''

شیتل نے سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''میں ماں بننے والی ہوں۔'' سلمیٰ نے جواب دیا۔ ''اور جونہی یہ خبر فاروق کو ملے گی وہ کُتے کی طرح دُم ہلاتا میرے پیچھے آئے گا۔''

''زبردست۔'' شیتل کو واقعی خوشی ہوئی تھی۔

''تم نے کیا فیصلہ کیا؟'' سلمٰی نے پوچھا۔ ''تم چل رہی ہو یا ٹھہرو گی؟''

''فی الحال رُکوں گی۔'' شیتل نے ہولے سے کہا۔ ''میں نے جاب کو پسند کرنا شروع کر دیا ہے، میرے اور ارون کے ذہن میں لاکھوں منصوبے ہیں لیکن فی الحال لنچ ٹائم۔۔۔ باقی باتیں شام کو کریں گے۔''

OO

شیتل، ارون اور سلمیٰ ابھی ابھی چائے سے فارغ ہوئے تھے۔ سلمیٰ نے بڑھ کر رنگین ٹی وی آف کر دیا جس پر دُنیا بھر کی اہم خبریں سنائی جا رہی تھیں۔

''تمہارے مُلک میں یہ بھی خوب رہی؟'' سلمیٰ نے ہنس کر اپنی سہیلی کو مخاطب کیا۔ ''ریاض ٹی وی کے مطابق دُنیا بھر میں تو آگ لگی ہوئی ہے اور یہاں بحریت میں سوائے پھولوں کی نمائش کے کوئی خاص خبر ہی نہیں۔''

''اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے؟'' شیتل کے بجائے ارون نے کہا۔ ''ٹی وی تو در کنار، بحریت میں اکثریت کے پاس پہننے کے لیے جوتے تک نہیں۔''

شیتل کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ ''فکر نہ کرو میرا سب سے پہلا کام عوام کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہی ہوگا۔ ٹیلی ویژن جیسی عیّاشی کا دوسرا نمبر ہے۔ بہت جلد لوگوں کو احساس ہو جائے گا کہ ہم اُن کی بھلائی چاہتے ہیں۔''

''مجھے تم دونوں تالاب میں تیرتی بے پروا اور معصوم بطخوں کا جوڑا نظر آتے ہو۔'' سلمیٰ نے اُکھڑے اُکھڑے انداز میں کہا۔ ''گو تم اور دوسروں کی مخالفت مول لے کر تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے ڈر ہے کہیں تم دونوں کسی حادثے کا شکار نہ ہو جاؤ۔ اگر نہیں تو پھر کسی روز فوجی ٹینک محل کے صدر دروازے پر نظر آئیں گے اور تم دونوں کو چوہوں سے کھیلنے کے لیے کسی اندھیری کوٹھڑی میں دھکیل دیا جائے گا۔''

''مجیب ایسا خطرہ مول نہیں لے گا۔'' شیتل نے جواب دیا۔

''یہ بھی تمہاری بھول ہے، پھر سعودی عرب کا معاملہ بھی تو سر پر ہے۔ میں نے ٹائم میگزین میں پڑھا ہے کہ وہ تمہارے کچھ علاقے پر ملکیت کا دعوے دار ہے۔''

''تم ٹائم خریدنا اور پڑھنا بند کر دو۔'' ارون نے مشورہ دیا۔ ''اُن کا انداز جھلّایا ہوا ہے لیکن تم خاطر جمع رکھو، شیتل کو لوگوں کی حمایت حاصل ہے اور وہ فوج سے زیادہ طاقت ور

ہیں۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ مجیب جیسا شاطر تم لوگوں سے دس ہاتھ آگے ہے، کسی روز وہ تمہارے قتلے بنا کر فرنچ فرائز کے ساتھ نوش کر جائے گا۔"

ارون نے شیتل کا ہاتھ تھام لیا۔ "مناسب وقت پر مجیب کا سر بھی کچل دیا جائے گا، ہم جانتے ہیں کہ کیا کرنا ہے؟"

"خیر، تمہارے بچوں کا کیا ہوگا شیتل؟ کیا تم ان کے لیے خوف زدہ نہیں ہو؟"

"میں خاصی فکر مند ہوں لیکن اگر میں بحریت کو دشمنوں سے پاک نہیں کروں گی تو میرے بچوں کو باقی زندگی جلا وطنی میں گزارنی پڑے گی۔ ایک بار مجھے اپنے پروگرام متعارف کرا لینے دو پھر دیکھنا کہ لوگ کس طرح میرے تلوے چاٹیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ میں یہاں بھی سویڈن، انگلینڈ، ڈنمارک اور جاپان جیسی بادشاہت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ ارون، کریم کو واپس سوئٹزر لینڈ چھوڑنے جا رہا ہے اور میں نے اُس سے وعدہ کیا ہے کہ جو کروں گی اچھا ہی کروں گی۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" سلمٰی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے دُور سے خطرے کے سائرن سنائی دے رہے ہیں لیکن خُدا کرے یہ میرا واہمہ ہو۔"

OO

سوئٹزر لینڈ کے برف زار دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ شہزادہ کریم، تنہا ایک پہاڑی پر کھڑا درختوں کے پار سرزمینِ روما کو تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے دوست اور ہم جماعت تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھیلے ہوئے تھے۔

اِس بار اُس کے اسکول لی روزے کی انتظامیہ نے سوئٹزر لینڈ اور رُوم کی سرحد پر پکنک منانے کا انتظام کیا تھا۔

ابھی اُسے وہاں کھڑے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اُس کے اُستاد نے آگے بڑھنے کی ہدایت کی۔ کریم نے اپنی اسکائنگ اسٹکس سنبھالیں اور پھسلتا ہوا ترونیا کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں پروگرام کے مطابق اُنھوں نے کافی پینی تھی۔

اُس کے ہم جماعت کیفے میں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ انہوں نے آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا لیکن کریم اپنے والد کے انتقال پر ابھی تک رنجیدہ تھا سو وہ اُن کے کسی شور شرابے میں شریک نہ تھا۔

گرم کافی کے تین مگ پی کر اُس نے اپنے جسم میں بھی گرمی دوڑتی محسوس کی۔ خالی مگ میز پر رکھ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اُس کے ایک اُستاد نے پوچھا۔

کریم نے بائیں ہاتھ کی مُٹھی بند کر کے چھوٹی اُنگلی اُٹھا کر ایک مخصوص اشارہ کیا اور باہر نکل گیا۔

OO

وہ ڈنر کے بعد محل کے فیملی سٹنگ رُوم میں بیٹھے تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ شیتل نے ارون کو فون اُٹھانے کا اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر اُس کی طرف بڑھ گیا۔

''لیس آپریٹر۔'' شیتل نے اُسے کہتے سنا۔ ''ایک منٹ ٹھہرو میں پوچھتا ہوں۔'' وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شیتل کی طرف پلٹا۔

''شیتل، تم برگامو میں کسی کو جانتی ہو؟ کیا تمہیں کسی کے فون کے انتظار تھا؟'' اُس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ ''اِس وقت اٹلی میں شام سات بجے کا عمل ہوگا۔''

شیتل کے ہاتھ میں شیمپئن کا جام تھا جس کے پینے سے اُس کی پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ ''میں برگامو میں کسی کو نہیں جانتی۔'' اُس نے جماہی لی۔ ''کِس کا فون ہے؟''

''بارڈر پولیس۔''

ارون نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ''میرا نام ارون کپور ہے اور میں ملکہ کا پریس سیکرٹری ہوں، تم کُھل کر بات کر سکتے ہو۔'' اُس نے دوبارہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا۔ ''کریم کے بارے میں کوئی بات ہے شیتل، اُس کا کہنا ہے کہ اسکول سے بھی کسی لمحے تمہیں فون کیا جا سکتا ہے۔ وہ تمہیں ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتے ہیں۔'' ارون دوبارہ فون کرنے والے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

شیتل بھی اُچھل کر فون کی طرف لپکی اور اِس سے پہلے کہ ارون کچھ کہتا اُس نے ریسیور اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''لیس، میں اُس کی والدہ بول رہی ہوں، اُسے کیا ہوا ہے؟۔۔۔ وہ غائب ہو گیا ہے! ۔۔۔ اوہ، نہیں۔'' وہ چند لمحے اُدھر سے آنے والی آواز سنتی رہی تب اُس کا بدن کانپ اٹھا۔

''وہ دروازے سے باہر نکلا اور پھر واپس نہیں آیا۔۔۔؟ کیا اُسے اغوا کر لیا گیا ہے؟''

سلمٰی لپک کر اُس تک پہنچی۔ ''بیٹھ جاؤ ہنی، ریسیور، ارون کو دے دو، وہ بات کرتا

ہے۔''

ارون نے فون لے لیا۔'' میں ملکہ کو بتا دوں گا کہ آپ لوگ ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ جونہی کوئی نشاندہی ہو، فوری طور پر مطلع کیا جائے، ہم انتظار کر رہے ہیں۔''

ارون ریسیور رکھ کر کاؤچ کی طرف پلٹا جس پر شیتل نیم دراز تھی۔'' دیکھو! یہ خبر تو بہت بُری ہے لیکن ابھی کوئی بات یقینی نہیں۔ برف باری کے دوران کریم پیشاب کرنے کے لیے کیفے سے باہر نکلا اور واپس نہیں آیا۔ انہیں کریم کی اسکائی کیپ اور گاگلز کے علاوہ ایک دستانہ بھی ملا ہے۔ انسٹرکٹر نے فوری طور پر اٹلی اور سوئٹزر لینڈ کی پولیس کو مطلع کر دیا ہے اور وہ لوگ برفباری کے دوران جنگل میں کریم کو تلاش کر رہے ہیں۔''

''قدموں کے نشانات ہیں؟'' سلمٰی نے پوچھا۔

''وہ بے وقوف بے چینی کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگتے رہے تھے۔'' ارون نے بتایا۔

''بارڈر پولیس، انسٹرکٹرز اور بچے، جو کچھ بچا وہ برف باری کی نذر ہو گیا۔''

شیتل بڑبڑائی تو ارون نے اُس کے ٹھنڈے ہاتھوں کو تھام لیا۔'' صورت حال مایوس کن نہیں۔'' اُس نے شیتل کو تسلی دی۔'' اطالوی پولیس نے جنگل میں ٹائروں کے نشان ڈھونڈ نکالے ہیں لیکن انہیں خون کا کوئی دھبہ نظر نہیں آیا۔ اِس کا مطلب ہے کہ بھگوان کی کرپا سے کریم ابھی زندہ ہے۔ ہمیں اب بیٹھ کر صرف انتظار کرنا ہے۔''

''انتظار!'' شیتل چیخ اُٹھی۔'' کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ میں خود اطالوی وزیر اعظم سے بات کرتی ہوں، میں سوئس پولیس سے بھی رابطہ قائم کروں گی اور اپنی پولیس بھی وہاں بھیج سکتی ہوں۔ میں ٹیلی ویژن پر اپنے بیٹے کے لیے اپیل کروں گی۔ میں سب کچھ کروں گی، سوائے انتظار کے۔''

فون دوبارہ بج اُٹھا۔ اس بار شیتل نے خود ریسیور اُٹھایا۔

''کریم!'' وہ چیخی۔'' تم کہاں ہو؟ زخمی تو نہیں؟'' وہ چند ثانیے سنتی رہی۔ ''نہیں۔'' اُس نے التجا کی۔'' اُنہیں بتاؤ کہ ابھی تمہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے، مجھے بتاؤ، اُنھیں کہو کہ میں اُن کے سارے مطالبات پورے کروں گی، میں تم سے پیار کرتی ہوں، کریم۔''

جواب ملنے کے بجائے رابطہ منقطع ہو گیا۔ شیتل نے بھی مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا۔

''اُسے ایک پرانے چرچ میں رکھا گیا ہے۔'' اُس نے دھیمے سے لہجے میں بتایا۔''وہ اُسے سردی سے بچاؤ کے لیے گرم دودھ دے رہے ہیں۔''

''دے رہے ہیں؟''

''نقاب پوش افراد، کال ایک وارننگ تھی۔ ہمیں کہا گیا ہے کہ ہم اغوا کے بارے میں ایک لفظ بھی ادا نہیں کریں گے۔ کل اغوا کنندگان اپنے مطالبات کا اعلان کریں گے۔''

''بالفرض اگر رپورٹروں کو اس کی بھنک پڑ گئی تو ہم انکار کر جائیں گے۔'' ارون نے شیتل کو دلا سا دیا۔

اُس نے نفی میں سر ہلایا۔''اِس اغوا کے پیچھے دہشت گرد نہیں ہیں۔ وہ مجھ سے کیا مطالبہ کریں گے؟ رامیر کے تمام سیاسی قیدی میں پہلے ہی رہا کر چکی ہوں۔''

ارون نے شیمپین انڈیل کر گلاس اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔''اِسے پیو اور سو جاؤ، جب فون آئے گا میں تمہیں جگا لوں گا۔''

صبح چار بجے گھنٹی دوبارہ بجی، شیتل جاگ رہی تھی۔ اُس نے خود ریسیور اُٹھایا اور ارون کو ایکسٹینشن اٹھانے کو کہا۔

''کریم!'' اُس نے پکارا۔

لیکن دوسری جانب کریم نہیں تھا۔ ایک نئی نسوانی آواز تھی جو ٹوٹے پھوٹے لہجے میں انگریزی بول رہی تھی۔

''صبح ہمارا ایک بے نام ترجمان پیرس میں بین الاقوامی پریس کے نمائندوں کو فون کرے گا۔'' عورت نے چبا چبا کر کہا۔''انہیں صرف یہ بتایا جائے گا کہ کریم زندہ اور ٹھیک ٹھاک ہے۔ کچھ دیر ہم دوبارہ فون کر کے اپنے مطالبات دُہرائیں گے۔''

''تم پوری دُنیا کو بتا رہے ہو؟ مائی گاڈ، خدا کے لیے مجھے تو بتاؤ!''

''اطمینان رکھیں، یور میجسٹی، میں اُسی طرف آ رہی ہوں۔ صرف آپ ہی اپنے بیٹے کی زندگی بچا سکتی ہیں۔''

''جو کچھ بھی ہوا میں کروں۔۔۔''

''ہمارا مطالبہ بڑا سیدھا سادا ہے آپ کو تخت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔''

''دستبردار؟ کس کے حق میں؟ میرا ولی عہد تو آپ لوگوں کے قبضے میں ہے۔''

''آپ کی دستبرداری شہزادہ کریم کے حق میں نہیں ہوگی اور نہ ہی شاہی خاندان کا کوئی فرد تخت کا دعویٰ کرے گا۔''

''میں تخت پر لعنت بھیجتی ہوں۔'' شیتل ہذیانی انداز میں چیخی۔ ''مجھے میرا بیٹا چاہیے۔''

''ہم دوبارہ فون کریں گے۔''

''مجھ سے وعدہ کرو۔۔۔'' شیتل نے کہنا شروع کیا لیکن اگلے ہی لمحے اُسے احساس ہوگیا کہ وہ ڈیڈ فون میں بول رہی ہے۔ وہ کئی ثانیے ریسیور کو گھورتی رہی۔

''میں جان گئی ہوں کہ میرا دشمن کون ہے؟'' اُس نے زیرِ لب کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

OO

اِنتظار کی گھڑیاں اُس وقت ختم ہوئیں جب صبح سے قبل دوسرا فون موصول ہوا۔

''یور میجسٹی؟'' یہ مردانہ آواز تھی۔

''یس۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کس قدر پریشان ہوں گی، میں خود بھی بیٹوں کا باپ۔۔۔''

''میرا بیٹا کہاں ہے؟''

''میری ساتھی نے آپ کو بتا دیا ہوگا کہ وہ محفوظ ہے اور میرے خیال میں آپ کے لیے یہی جاننا کافی ہے۔''

''میں اُس سے بات کرنا چاہتی ہوں؟''

''وہ شمالی علاقے میں ہے۔''

''تم جانتے ہو کہ میں پہلے ہی تخت سے دستبردار ہونے کو تیار تھی۔''

''مجھے آپ کا فیصلہ پسند آیا۔''

''لیکن مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں کریم کو دوبارہ دیکھ سکوں گی یا نہیں؟''

''میڈم!'' مرد کا لہجہ اچانک ہی کرخت ہوگیا۔ ''اس سے زندہ ملوانا میرا وعدہ ہے بشرطیکہ آپ ہماری ہدایات پر عمل کریں۔''

''جو کچھ تم چاہتے ہو میں۔۔۔''

''بہت خوب، میں مختصراً کہوں گا، بحریت میں صبح ہوتے ہی آپ ٹیلی ویژن پر نمودار ہوں گی اور اعلان کریں گی کہ آپ ایک ہفتے کے اندر اندر اپنے افرادِ خانہ کے ہمراہ فرانس یا سوئٹزرلینڈ روانہ ہو رہی ہیں۔ آپ کہیں گی کہ یہ فیصلہ آپ پر قاتلانہ حملے اور بیٹے کے اغوا کے بعد کیا گیا ہے اور آپ کو یہ بھی کہنا ہوگا کہ آئندہ آپ کبھی بحریت نہیں آئیں گی۔''

''تم کون ہو؟ اور اِس شاخسانے میں کس کا ہاتھ ہے؟''

''یہ غیر ضروری باتیں ہیں، جو میں کہہ رہا ہوں وہی کریں۔ آپ کا بیٹا آپ کو زندہ سلامت مل جائے گا لیکن اگر آپ نے میری ہدایات سے انحراف کیا تو بیٹا میں پھر بھی آپ کو دوں گا۔۔۔لیکن چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں۔''

OO

جنرل شاہد مجیب نے شہزادہ کریم کے اغوا کی خبر صبح سویرے اپنے سرہانے رکھے ریڈیو پر سنی اور اُس نے اُسی وقت سوچنا شروع کر دیا کہ وہ فوری طور پر ملکہ سے ملے گا اور اُس سے اظہارِ ہمدردی کرے گا۔ اس وقت وہ ملکہ سے ملنے کے لیے تیار ہو رہا تھا اور اُن الفاظ کو ترتیب دے رہا تھا جو اُسے تازہ تازہ بیوہ اور ایک مغوی بیٹے کی ماں سے کہنے تھے۔

گھر سے روانہ ہونے سے قبل محل کے ٹیلی فون ایکسچینج میں موجود اُس کے ایک جاسوس نے اُسے فون پر بتلایا کہ روم سے ملکہ کو اغوا کنندگان کی طرف سے فون موصول ہوا ہے جس میں ملکہ سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور ہدایت کی گئی ہے کہ آئندہ شاہی خاندان کا کوئی فرد تخت کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ ملکہ نے اغوا کنندگان کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے۔

اور اب وہ اپنی مسلح افواج کے کمانڈر سے ملنا چاہتی تھی۔

چند لمحوں کے لیے جنرل کے ذہن میں آیا کہ ملکہ شیتل نے اُسے عارضی طور پر حکومت کا چارج سنبھالنے کے لیے بلایا ہے وہ تجربہ کار اور مُلک کا ایک معزز فرد تھا اور اس قابل تھا کہ ان بھاری ذمّے داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھا لیتا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ اگر ملکہ نے اُس سے مشورہ مانگا تو وہ اُسے دستبردار ہونے کے لیے ہی کہے گا۔

جنرل اپنی لیموزین سے اُتر کر ملکہ کے ذاتی اپارٹمنٹ کی طرف بڑھا۔ سیلون کا دروازہ کھلا تھا۔ جنرل سیدھا ملکہ تک پہنچا۔

''یور میجسٹی!'' اُس نے اپنی آواز میں درد سموتے ہوئے کہا۔ ''بڑی غمگین اور سنگین صورت حال ہے، کیا اغوا کنندگان نے دوبارہ آپ سے رابطہ قائم کیا ہے؟''

''ہاں۔'' شیتل نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔ ''ارون، جنرل کو تفصیل سے بتاؤ۔''

ارون نے تمام بات چیت سے جنرل کو آگاہ کیا۔ بعض مقامات پر جنرل نے سوالات

بھی کیے، جن کا جواب ارون نے ہی دیا۔

''اب تمہارا مشورہ کیا ہے جنرل؟''، شیتل نے دریافت کیا۔

''مجھے ڈر ہے کہ آپ کو دستبردار ہونا پڑے گا اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا، میڈم۔''

اس سے پہلے کہ جنرل یا شیتل میں سے کوئی کچھ اور کہتا ارون دونوں کے درمیان آ گیا۔

''آپ کے آنے کا شکریہ جنرل، آپ کے مشورے کا خیال رکھا جائے گا اور ساتھ ہی تازہ ترین پیش رفت سے بھی آپ کو آگاہ کیا جاتا رہے گا۔''

OO

ٹیلی فون کی ہر گھنٹی پر اُس کا دل اچھل کر حلق میں آ جاتا۔ اُس نے فون بند کرنے کا مشورہ رد کر دیا تھا۔ ''ہوسکتا ہے اگلا فون انہی کا ہو؟'' وہ اصرار کرتی اور سلمیٰ اور ارون ایک دوسرے کو دیکھ کر خاموش ہو جاتے۔

اِس عرصے میں بہت سے فون موصول ہوئے تھے۔ سربراہان مملکت، اُن کی بیگمات، سفراء اور دوست احباب اُس سے برابر ہمدردی کر رہے تھے۔ پیّا نے لوزانے سے اور گوتم نے نئی دہلی سے فون کیا تھا۔ سوہن اور وجیتا کے علاوہ بمبئی کے کچھ پرانے دوستوں نے بھی اُس کی خبر گیری کی تھی۔ بعض نے خود آنے کے لیے اصرار کیا تھا لیکن شیتل نے سب سے معذرت کر لی تھی۔

پریس والے الگ پریشان کر رہے تھے۔ ارون نے ایک چھوٹی سی پریس کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں شیتل نے اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جوابات دیے۔

''آپ کیا محسوس کر رہی ہیں، ملکۂ عالیہ؟'' ایک نمائندے نے سوال کیا۔

''تمہارے خیال میں مَیں کیا محسوس کر رہی ہوں گی، گدھے کے بچے؟'' شیتل بُری طرح چیخی۔

سلمیٰ اور ارون نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ سزا ختم کرنے کا وقت تھا۔ پریس کانفرنس کے اختتام کا اعلان کرنے کے بعد ارون نے دونوں کلائیوں سے پکڑ کر شیتل کو اٹھا لیا۔ وہ جُھولتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئی ایم سوری، شیتل، یہ غلطی میری تھی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ تمہیں اس قدر پریشان کریں گے، تم سو جاؤ، میں جاگ رہا ہوں جونہی کوئی اہم فون آیا تمہیں جگا لوں گا۔''

سلمیٰ اُسے کھینچ کر دوسرے کمرے میں لے گئی اور زبردستی اُسے صوفے پر لٹا دیا۔ کچھ دیر وہ صوفے پر لیٹی سسکیاں لیتی رہی، اور پھر سو گئی۔

جانے کب، ایک مضبوط ہاتھ نے اُسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ شیتل ادھ کھلی آنکھوں سمیت اٹھ بیٹھی، وہ ارون تھا۔ اُس نے ٹیلی فون کا ریسیور اُس کی طرف بڑھا دیا۔

''پیرس سے اریبہ کا فون ہے۔''

وہ چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے ریسیور کو دیکھتی رہی بالآخر اُس نے ریسیور لے لیا۔ دوسری جانب اریبہ نہیں ریکس تھا۔ وہ بولتا رہا اور شیتل سنتی رہی۔ وقفے وقفے سے وہ سلمیٰ اور ارون کا جائزہ بھی لیتی رہی۔ ایک آدھ بار اُس نے بیچ میں ہوں ہاں کی اور ریسیور رکھ دیا۔

سلمیٰ اور ارون فون پر ہونے والی بات چیت کی تفصیل جاننے کے مضطرب تھے۔

''ریکس ایک زمانے میں اطالوی ریڈ بریگیڈ سے وابستہ رہا ہے۔'' چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہنا شروع کیا۔ ''لیکن اریبہ سے ملنے کے بعد اُس نے ریڈ بریگیڈ چھوڑ دیا۔ اسے اغوا کنندگان کے بارے میں کوئی خبر ملی ہے۔ عرصہ پہلے ایک ادھیڑ عمر شخص نے میلان کی ایک کاونٹیسا سے شادی کے لیے ریڈ بریگیڈ چھوڑ دیا تھا اور بیوی کی آڑ میں دوسرے دھندوں میں مصروف ہو گیا تھا۔''

''کون سے دھندے؟'' سلمیٰ نے بے قراری سے پوچھا۔

''وہ پورے یورپ کو سوشلسٹ بنانا چاہتا تھا۔ اُسے اپنے پروپیگنڈے کے لیے رقم چاہیے اور وہ اس رقم کے حصول کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔''

''اُس کا نام کیا ہے؟''

''سینور وینڈی کیٹر۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ''ریکس نے بعض دوستوں کی معرفت اُس سے رابطہ قائم کیا ہے۔ سینور نے قبول کچھ نہیں کیا لیکن اُس نے ریکس کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس معاملے پر بات چیت کے لیے فوراً رُوم پہنچے۔''

''ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہو؟'' سلمیٰ نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''ہم اُس کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟'' ارون نے کہا۔

''کچھ نہیں، اریبہ فوری طور پر اُسے اورلی ائرپورٹ لے جا رہی ہے تا کہ وہ رُوم کی اگلی فلائٹ پکڑ لے۔''

OO

ہاتھ ٹب میں لیٹی شیتل نے نگاہیں اُٹھا کر دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا ابھی لوگوں کے سامنے جا کر اپنی دستبرداری کا اعلان کرنے میں بارہ گھنٹے باقی تھے۔

ٹھیک اُسی وقت محل کے ایک زیرزمین کمرے میں کیمرا مین اروِن کی نگرانی میں اپنے کیمرے اور لائٹس فکس کر رہے تھے۔ مائیکروفون وغیرہ چیک کیے جاتے تھے۔ مہاگنی کی ایک میز کے عقب میں صرف ایک کرسی رکھی گئی تھی جب کہ میز پر دو ننھے منے پرچم لہرا رہے تھے۔ ایک بحریت کا قومی پرچم تھا اور دوسرا ملکہ کا ذاتی پرچم۔

''یہ چند لمحوں کا کھیل ہوگا۔'' کچھ دیر قبل اروِن نے اُسے یقین دلایا تھا۔

''اس کے بعد ہم بچّوں کو اکٹھا کریں گے اور وہاں چلے جائیں گے، جہاں ہم محفوظ ہوں گے، جان۔'' شیتل نے مُسکرا کر جواب دیا تھا۔ ''میں سکون چاہتی ہوں، جس کے لیے سالوں سے ترس رہی ہُوں۔''

گھڑی نے بارہ بج کر تین منٹ بجائے تو وہ ٹب سے نکل آئی۔ اُس نے ایک گاؤن پہنا اور اپنی میز پر آ بیٹھی۔ جو کچھ وہ کر رہی تھی اُس میں اس قدر مصروف ہوگئی کہ وہ دروازہ کھلنے اور اپنی جانب آنے والے قدموں کی آہٹ بھی نہ سن سکی تھی۔

''میرے خیال میں تو تم آرام کر رہی تھیں؟'' سلمٰی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاؤ یا واپس باہر چلی جاؤ۔'' شیتل نے رُوکھے پن سے اپنا پین سلمٰی کی طرف اٹھایا۔ ''تم دیکھ نہیں رہیں، میں لکھ رہی ہوں، اپنی دستبرداری کی تقریر۔''

''یہ صبح بھی لکھی جا سکتی ہے۔'' سلمٰی با قاعدہ دادی امّاں کا کردار ادا کر رہی تھی۔ ''میں کہتی ہوں اب سو۔۔۔''

سلمٰی کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ کمرہ فون کی گھنٹی سے گونج اُٹھا۔ شیتل نے پین میز پر پھینکا

اور بھاگ کر ریسیور اُٹھالیا۔

''ریکس! کیا ہوا؟ کریم کہاں ہے؟ وہ محفوظ تو ہے؟'' ایک ہی سانس میں وہ کئی سوال پوچھ گئی تھی۔

''وہ ہے تو وینڈی کیٹر کے آدمیوں کے پاس لیکن نئی شرائط کے طے ہونے تک اُس نے اُس جگہ کے بارے میں بتانے سے انکار کر دیا ہے جہاں کریم موجود ہے۔''

''نئی شرائط؟'' شیتل نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، کیش پچاس لاکھ ڈالر، سوئس فرانکس کی شکل میں کل دوپہر سے پہلے اُسے فراہم کرنے ہیں۔''

''پچاس لاکھ ڈالر۔'' شیتل کی سانس اٹکنے لگی۔ ''میں اتنی بڑی رقم کہاں سے لاؤں گی؟''

''زیورات، خزانہ، آرٹ کے نمونے؟'' ریکس نے پوچھا۔

''سب کچھ ہے لیکن انہیں کیش کرانے میں وقت لگے گا اور پھر یہ کوئی خفیہ بات نہیں رہے گی۔''

''تو پھر میں انہیں کیا بتاؤں؟''

''یہی کہ میں اُن کی سابقہ شرائط ماننے کو تیار ہوں، میں دستبردار ہو جاؤں گی۔'' شیتل نے سلمٰی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ جس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اچانک شیتل کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اُس کی آنکھیں روشن ہو گئیں، ریسیور اُس نے مضبوطی کے ساتھ تھام لیا۔

''نہیں۔۔۔ ٹھہرو، ریکس۔۔۔ ایک منٹ۔'' وہ فون میں چلائی۔ ''میں رقم کا انتظام کر سکتی ہوں اور کسی کو کبھی پتا بھی نہیں چلے گا کہ یہ کہاں سے آئی!'' وہ ہسٹیریائی انداز میں ہنسی ''کیسا عجیب مذاق ہے؟''

''کیا ہوا؟'' ریکس نے دوسری سمت سے دریافت کیا۔

''بعد میں بتاؤں گی، وینڈی کیٹر کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ میں کریم کے بدلے پچاس لاکھ ڈالر ادا کرنے کو تیار ہوں، خدا حافظ۔''

ریسیور رکھ کر وہ سلمٰی کی طرف پلٹی ۔ اُس کے انگ انگ سے سرشاری کا اظہار ہو رہا تھا۔

’’کوئی سوال نہیں، سلمٰی ۔ ارون کو ڈھونڈو، اُسے کہو کہ فوری طور پر تیاری کرے، میں جہاز کا انتظام کرتی ہوں اور ہاں اُسے کہنا کہ ٹاپ کوٹ بھی لیتا آئے ، زیورچ میں خاصی سردی ہوگی۔‘‘

OO

اُس نے ضروری فون کیے اور پھر زیورچ روانہ ہوگئی ۔ کریڈٹ سوئس بینک کے ڈائریکٹر نے رامیر کی قانونی وارث ہونے کے ناتے رامیر کے تمام خفیہ اکاؤنٹ شیتل کے نام منتقل کر دیے اور ایک گھنٹے بعد جب وہ باہر نکلے تو ارون کے ہاتھ میں موجود بریف کیس سوئس فرانکس کی شکل میں پچاس لاکھ ڈالرز سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

''تم میلان جا رہے ہو، ارون۔'' شیتل نے ریکس سے بات کرنے کے بعد ارون سے کہا۔ ''ریکس ائرٹرمینل پر تمہارا منتظر ہوگا۔ اُسے رقم دینا اور انشاء اللہ تعالیٰ کریم دوپہر سے قبل میری باہوں میں ہوگا۔''

''تم ریکس کو صرف اریبہ کے محبوب کی حیثیت سے جانتی ہو، وہ رقم لے کر بھاگ گیا تو کیا ہوگا؟'' ارون نے کہا۔

''آں ۔۔۔'' شیتل چونکی لیکن اگلے ہی لمحے پُرسکون ہوگئی۔ ''ابھی میرے پاس ایک راستہ باقی ہے، دوپہر کو میں تخت سے دستبرداری کا اعلان کر دُوں گی۔''

OO

ارون چلا گیا لیکن شیتل کو انجانے وسوسوں میں مُبتلا کر گیا۔ واقعی ریکس اگر رقم سمیت فرار ہو گیا تو وہ کیا کرے گی؟ کچھ دیر وہ اس معاملے پر غور کرتی رہی، بالآخر جھٹکے سے اُٹھی اور میک اَپ رُوم کی طرف بڑھ گئی۔

''کوئی بات نہیں۔'' اُس نے دل ہی دل میں کہا۔ ''ایک ہفتہ پہلے تک مجھے علم ہی نہیں تھا کہ رامیر کے خفیہ اکاؤنٹس میں اتنی بڑی رقم موجود ہے۔ میں سمجھوں گی کہ ڈائری میری نظر سے گزری ہی نہیں۔'' شیتل نے خود کو تسلّی دی اور میک اَپ میں مصروف ہو گئی۔ ٹی وی پر آنے کے لیے چوکھٹا درست کرنا ضروری تھا۔

میک اَپ سے فارغ ہو کر اُس نے وہ تقریر اٹھالی جس میں اُسے اپنی دستبرداری کا اعلان کرنا تھا۔ تقریر پڑھتے پڑھتے ایک اور خیال اُس کے ذہن میں آیا۔ اگر انہوں نے رقم لے کر بھی کریم کو رہا نہ کیا تو پھر۔۔۔؟

لیکن وہ اِس موضوع پر زیادہ دیر سوچ نہ سکی۔ فون بج اٹھا تھا۔ اس نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔

''ممّی!'' کریم کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی۔ ''آپ کیسی ہیں ممّی؟''

''تم کہاں ہو، بیٹے؟'' شیتل کی آواز بھرّا گئی۔ ''تمہارے ساتھ کون ہے؟''

''انکل ارون اور انکل ریکس، ممّی۔'' کریم نے جواب دیا۔ ''آپ رو رہی ہیں، ممّی؟''

''آئی لو یو، کریم۔'' شیتل اسی قدر کہہ سکی اور پھر اُس کے حلق سے سِسکیاں آزاد ہونے لگیں۔

''شیتل!'' دوسری جانب سے ارون کی آواز اسے سنائی دی۔ ''کریم رہا ہو گیا ہے، جہاز ٹیک آف کے لیے تیار ہے۔ ایک غیر ملکی نے وینڈی کیٹر کو کریم کے اغوا کے لیے بڑی مقدار میں سونے کی پیش کش کی تھی لیکن ہم نے اُس سے بڑی پیش کش کر کے کریم کو رہا کروا

لیا۔ ذاتی طور پر وینڈی کیٹر کو اِس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ بحریت پر تم حکومت کرتی ہو یا یورپ، اُسے اپنے پروپیگنڈے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم کی ضرورت تھی۔ اُس نے بولی لگائی اور ہم جیت گئے۔''

''میں سمجھ گئی ہوں کہ وہ غیر ملکی کون ہوسکتا ہے؟''شیتل نے بدستور سسکتے ہوئے کہا۔

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے، فی الحال تم تیاری کرو، تمہیں اور کریم کو اکٹھے ٹیلی ویژن پر پیش ہونا ہے۔۔۔اور ہاں کسی بالکونی کے قریب نہ جانا۔۔۔''

OO

ریال کے شاہی محل سے بذریعہ کار ایک گھنٹے کے فاصلے پر بنے ہوئے ایک ساحلی محل میں جنرل شاہد مجیب نے اپنا ٹی وی سیٹ آف کیا اور ڈرائیور کو سوٹ کیس بلٹ پروف لیموزین کی ڈکی میں رکھنے کی ہدایت کی۔ اُس کی زبان پر ہدایات اور دل میں گالیاں تھیں جو شیتل کے لیے نکل رہی تھیں۔

''کُتیا! گندی دوغلی کُتیا۔''

صبح سویرے اُس نے ملکہ سے دوسری ملاقات کی اجازت طلب کی جو اُسے مل گئی۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ دستبرداری کے اعلان کے وقت ملکہ کی کُرسی کے عقب میں کھڑا ہو تا کہ عوام کو اُس کی اہمیّت کا اندازہ ہو سکے اور وہ اُسے کیئر ٹیکر کے طور پر قبول کر لیں لیکن ملکہ نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر انکار کر دیا تھا۔

''صرف میں اور میرے بچے ہوں گے۔'' ملکہ نے کہا تھا۔ ''یہ ہمارا خاندانی معاملہ ہے اور ہم اس میں کسی کو شریک نہیں رکھنا چاہتے۔ میری خواہش ہے کہ کریم واپس آ جائے تو میں فرانس یا سوئٹزرلینڈ چلی جاؤں۔''

اُس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ جنرل کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ وہ کوئی ایسی بات جانتی تھی جس کا اُسے علم نہیں تھا۔ جنرل نے سینور وینڈی کیٹر سے رابطے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا مگر اُس کے آدمیوں نے بتایا کہ لڑکا فی الحال اُنہی کے قبضے میں ہے۔

محل سے گھر آتے ہی اُس نے اپنا سامان تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ بحری جہاز کے ذریعے ترکی اور پھر وہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعے کسی نامعلوم مقام کو جانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن ابھی وہ حالات کا مزید جائزہ لینا چاہتا تھا۔

اور پھر دوپہر کو وہ ہنستی مُسکراتی ٹیلی ویژن اسکرین پر نمودار ہوئی۔ کریم اُس کے ہمراہ

تھا۔ مجیب نے اُسے بُری سی گالی دی جس وقت وہ اُس سے ملا تھا، اُسے کریم کی واپسی کا علم ہو چکا تھا لیکن اُس نے جنرل کو اعتماد میں لینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

اُس کے زندگی سے بھرپور چہرے سے جنرل سمجھ چکا تھا کہ اُس کی بازی اُلٹ گئی ہے۔

نصف گھنٹے بعد وہ اپنے سامان سمیت بندرگاہ پر موجود تھا۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس جنرل کو یقین تھا کہ اسے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ اُس نے اپنے سوٹ کیس، پورٹروں کے حوالے کیے اور فریٹر کی طرف بڑھا جو اُسے ترکی لے جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اُسی وقت تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک شخص نے بڑھ کر جنرل کا راستہ روک لیا۔

''جنرل مجیب!'' آنے والے نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''آپ اپنے آپ کو زیرِ حراست سمجھیں۔''

جنرل کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُس نے مُڑنے کی کوشش کی اور اُسی وقت بندوق کی ایک نالی اُس کی پشت سے آ لگی۔ وہ محض کسمسا کر رہ گیا۔ اُس نے اپنی فوجی قوتِ ارادی کو مجتمع کیا اور تھری پیس سوٹ والے کو مخاطب کیا۔

''کِس کے حُکم سے؟''

''ملکہ کے حُکم سے۔''

''لیکن کیوں؟''

''یہ ہمارا معاملہ نہیں۔'' لیڈر نے جواب دیا۔ ''ہم فوری طور پر تمہیں ریال لے جا رہے ہیں۔'' اس نے جیب سے ایک خط نکال کر جنرل کے حوالے کر دیا۔ ''ملکہ نے آپ کے لیے یہ خط دیا ہے۔''

جنرل نے خط لے لیا لیکن خاموشی سے آ کر کار میں بیٹھ گیا۔ جس کی طرف لیڈر نے اشارہ کیا تھا۔ دو رائفل بردار، جنرل کے دائیں بائیں بیٹھ گئے تھے۔ جونہی کار آگے بڑھی، جنرل نے خط کھول لیا۔

''مائی ڈیئر جنرل!

جس صورت حال سے تم اس وقت دوچار ہو میں خود بھی اِس پر افسوس

کا اظہار کرتی ہوں۔

تم خود سوچو کہ جس شخص پر تم نے ایک بار اعتماد کیا ہو، تم سے غداری کر جائے تو کیا حالت ہوتی ہے؟ جب تمہیں علم ہوگا کہ میلان میں ہمارے مشترکہ دوست نے تم سے غداری کی ہے تو تمہیں اس درد کا صحیح اندازہ ہوگا۔ جب مجھے علم ہوا کہ سینورو ینڈی کیٹر اُس قیمت پر میرا بیٹا مجھے واپس کر سکتا ہے جو تم اُسے ادا نہیں کر سکتے تو میں نے اپنے لختِ جگر کو خرید لیا۔

مجھے اس پر بے حد افسوس ہے کہ جب میں تخت پر بیٹھی تو میں نے عہد کیا تھا کہ میرے ملک میں کوئی سیاسی قیدی نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی پر تشدد کیا جائے گا۔ میری سچائی کا اندازہ تمہیں اُس روز ہو گیا ہوگا جب میں نے تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔

ذرا میرے درد کا تصور کرو جو مجھے اپنا عہد اتنی جلد توڑنے پر ہوا ہے۔

تم، جنرل شاہد مجیب، میرے پہلے سیاسی قیدی ہو کیونکہ اس سے پہلے میں نے جن حملہ آوروں کو گرفتار کیا ہے وہ کرائے کے فوجی تھے جنہیں تم نے اور شہزادی عذرا نے رقم فراہم کی تھی۔

رامیر کے قیدیوں کی طرح تمہارے مقدمے کی کبھی سماعت نہیں ہوگی لیکن خدا کا شکر ادا کرو کہ میں رحم دل ملکہ ہوں لہٰذا تم پر تشدد بھی نہیں کیا جائے گا۔

ہرامپیریل میجسٹی شیتل رامیر

ملکۂ بحریت۔''

OO

محل کے زیر زمین کمرے میں اردن کیؤرلکڑی کے پلیٹ فارم پر کھڑا اُن اخباری نمائندوں سے مخاطب تھا جن سے کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

''آپ لوگ ملکہ شیتل کی تقریر سُن چکے ہیں، پرنس کریم کے اغوا کے بارے میں اب آپ اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

سوال گولی کی سی تیزی رفتاری سے آیا۔

''رقم کہاں سے آئی تھی؟''

''قریبی دوستوں سے جو اپنا نام صیغۂ راز میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔''

''کیا شہزادہ واپس سوئٹزرلینڈ جائے گا؟''

''ہاں، لیکن میں صحیح تاریخ نہیں بتا سکتا۔ اس مرتبہ اُس کے تحفظ کے لیے سیکرٹ سروس کے مسلح افسران بھی ہوں گے۔''

''ملکہ کا فوری پروگرام کیا ہے؟''

''کل فجر کے وقت ملکہ اپنے بچوں کے ہمراہ محل کی مسجد میں جائیں گی جہاں اُن کی تاجپوشی ہوگی۔

''تصویریں بنانے کی اجازت ملے گی؟''

''نہیں، ملکہ کی خواہش ہے کہ تقریب سادگی سے ہو کیونکہ وہ حال ہی میں بیوہ ہوئی ہیں۔''

''کوئی سیاسی منصوبہ بندی؟''

''آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہماری جنوب مغربی سرحد پر ایک سرحدی پٹی کے بارے میں سعودی عرب سے تنازعہ چل رہا ہے۔ دونوں مُلک اُس کے دعوے دار ہیں۔ پیرس میں شاہ کے ساتھ پیش آنے والے افسوس ناک حادثے سے قبل شاہ رامیر اور شاہ فہد کے اعلیٰ

سطحی نمائندوں کے مابین بات چیت ہوئی تھی۔ جب کہ دونوں شاہوں کے درمیان ملاقات جوبلی تقریبات کے بعد ہونا طے پائی تھی۔ شاہ فہد، ریال کا دورہ کرنے والے تھے لیکن صورتِ حال کے پیشِ نظر انہوں نے کمال مہربانی سے اپنا دورہ کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دیا تا کہ ملکہ شیتل مکمّل طور پر صورتِ حال کو سمجھ سکیں اور اب ملکۂ عالیہ نے شاہ فہد کو ریال کے دورے کی دعوت دی ہے اور ہز میجسٹی پرسوں ریال پہنچ رہے ہیں۔''

''تصویریں؟''

''شاہ کی آمد اور روانگی پر آپ لوگ موجود ہوں گے لیکن بات چیت قطعی نجی ہوگی۔''

''انٹرویوز؟''

''معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ بھی ناممکن ہے، نہ ہی کسی بیان کے اجراء کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ جو بھی طے ہوگا مناسب وقت پر آپ کے علم میں آ جائے گا۔۔۔ اب خدا حافظ۔''

OO

گولڈن لائن روم میں شاہ فہد اور ملکہ شیتل تنہا آمنے سامنے موجود تھے۔

شاہ کا خصوصی طیارہ آج صبح ہی ریال ائر پورٹ پر اُترا تو ملکہ شیتل نے خود اُن کا استقبال کیا۔ شیتل نے شاہ سے ملاقات کی بھر پور تیاری کی تھی اور شاہ کی زندگی کے بارے میں کئی فلمیں بھی دیکھی تھیں تا کہ ان کی عادات واطوار کے بارے میں آگاہ ہو سکے۔ جنرل نُوری سے جسے اُس جنرل مجیب کی جگہ ترقّی دے کر مسلّح افواج کا کمانڈر انچیف مقرّر کیا تھا، اُس نے فوجی صورتِ حال پر بھی تبادلۂ خیال کیا تھا۔

ہوائی اڈّے سے دونوں حکمران ایک ہی گاڑی میں محل پہنچے۔ پہلے اُن کے معاونین نے آپس میں مذاکرات کیے جب کہ بعد میں سربراہی ملاقات ہوئی۔

دوپہر کے کھانے پر بات چیت کی نوعیّت رسمی تھی لیکن جب اصل معاملے پر بات چیت شروع ہوئی تو شیتل کو اندازہ ہوا کہ رسمی طور پر نرم نظر آنے والے شاہ فہد اصولوں کے بڑے پختہ تھے۔

''بحریت کا مؤقف اب بھی وہی ہے جو میرے مرحوم شوہر کا تھا۔'' شیتل نے ایک دلآویز مُسکراہٹ کے ساتھ انہیں بتایا تھا ''ہم اب بھی اس علاقے کے دعوے دار ہیں۔''

''تو پھر میں آپ کے لیے صرف افسوس کا اظہار ہی کر سکتا ہوں۔'' شاہ نے بڑے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔ ''آپ کی حکومت نے میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں چھوڑا کہ میں اپنی فوجوں کو اس علاقے پر حملے کا حکم دوں تا کہ اس بیوقوفانہ تنازع کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔''

''آپ کو علم ہو گا کہ بحریت دُنیا کے ان چند ممالک میں سے ایک ہے جو مکمّل طور پر مسلّح ہیں۔'' شیتل نے انہیں یاد دلایا ''اُس پر حملہ اتنا آسان نہ ہو گا۔''

''آپ حقائق بیان کرنے میں غلطی کر رہی ہیں، ملکۂ عالیہ، یہ درست ہے کہ بحریت،

بھارت سمیت دُنیا کے مختلف مُلکوں سے اسلحہ حاصل کرتا رہا ہے لیکن بحرین دُنیا کے مسلح ترین ممالک میں سے نہیں۔ میری انٹیلی جنس کی اطلاع کے مطابق خریدا جانے والا تمام اسلحہ مسٹر گوتم نامی ایک بھارتی کے توسط سے افریقی ممالک کو منتقل کیا جاتا رہا ہے جس کے صلے میں آپ کے مرحوم شوہر نے کروڑوں ڈالر کمائے ہیں۔۔۔ کیا میں آپ کو یاد دلاؤں کہ ولی عہد شہزادے کی رہائی کے لیے بھی رقم اُسی خفیہ اکاؤنٹ سے ادا کی گئی ہے۔۔۔ سو میں یہ کہنے پر بھی مجبور ہوں کہ آپ بھی اس کھیل میں برابر کی شریک تھیں۔"

غصّے کے مارے شیتل کے رخسار جل اُٹھے تھے۔ "مجھے ان باتوں کا علم نہیں تھا، شاہِ معظم۔"

"اب تو ہے، بلکہ آپ اُسے استعمال بھی کر چکی ہیں۔" شاہ نے مسکرا کر اُس کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ "خیر مجھے اس سے غرض نہیں، میں تو آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے دفاع میں خاصے بڑے بڑے شگاف موجود ہیں، میری فوجیں آپ کے خلاف جنگ بہ آسانی جیت سکتی ہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ دو اسلامی برادر مُلک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوں اس لیے فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔"

شیتل کی نیلی آنکھیں جُھک گئیں۔ وہ خاموشی سے صورتِ حال پر غور کرنے لگی۔ شاہ کا کہنا درست تھا۔ واقعی بحرین اس قابل نہیں تھا کہ وہ سعودی فوجوں کی راہ روک سکتا۔

"ٹھیک ہے۔" بالآخر شیتل نے پلکوں کی چلمن اُٹھائی۔ "میں اپنی وزارتی کونسل سے اس معاملے پر بات چیت کروں گی اور آپ کو دو ہفتوں کے اندر اندر جواب سے مطلع کر دوں گی۔"

شاہ فہد کے ہونٹوں پر ذو معنی مُسکراہٹ تیر گئی۔

شیتل اندر ہی اندر جل بُھن کر رہ گئی لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر بزر دبا دیا۔ جنرل نُوری دروازہ کھول کر فوراً ہی اندر آ گیا۔

"ہز میجسٹی روانہ ہو رہے ہیں۔" شیتل بولی۔ "میں ہال میں اُن سے ملاقات کروں گی۔ مسٹر اورن کپُور کو آگاہ کر دیا جائے کہ کوئی بیان جاری ہوگا نہ تصویریں بنیں گی۔"

OO

ڈنر کے بعد وہ لوگ فیملی سٹنگ رُوم میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ ارون اور سلمیٰ بھی موجود تھے۔

''ممی!'' یکا یک کریم پکار اٹھا۔ سب لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ''آپ کو یاد ہوگا آپ نے ایک بار سوئٹزر لینڈ میں مجھ سے کہا تھا کہ ایک دن بحریت، امریکہ سے بہتر ہوگا، آپ نے کہا تھا کہ طلبہ، فن کار، ادیب، شاعر، اخبار نویس، سیاست دان سب آزاد ہوں گے، جو وہ چاہیں گے کریں گے، تمام جیلوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے، کوئی سیاسی قیدی نہیں۔۔۔''

''ایک منٹ کریم۔'' شیتل نے ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ ''میں اپنے پہلے سیاسی حریفوں کو قید میں ڈال چکی ہوں۔''

''جنرل مجیب؟ وہ حملہ آور؟ وہ ایک الگ کیس ہے۔''

''ممکن ہے اور بھی ہوں۔'' شیتل نے مستقبل کی طرف اشارہ کیا۔

''چند ایک، اور اُن کی توقع ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ ممالک میں بھی کی جا سکتی ہے۔'' کریم نے پُر جوش انداز میں کہا۔ ''ظالم سیکرٹ پولیس پر پابندی لگائی جا چکی ہے۔ تشدد کرنے کو ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ فوج جانتی ہے کہ آپ اب قانونی ملکہ ہیں۔۔۔'' اچانک وہ خاموش ہو گیا، چند ثانیے توقف کے بعد اُس نے دوبارہ کہنا شروع کیا'' ۔۔۔ڈیڈی بھی اچھے حکمران تھے۔ لیکن اُن کی سوچ ذرا مختلف تھی۔ میں اور ممی اُن سے خاصے الگ ہیں، سوچ کے معاملے میں بھی اور۔۔۔''

ساتھ والے کمرے سے آنے والی فون کی گھنٹی کی آواز نے کریم کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

''اِس وقت؟'' ارون نے گھڑی دیکھی۔ ''میں نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ ہمیں

ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

''دیکھ لو ذرا۔'' شیتل نے اُسی سے کہا۔

اروِن دوسرے کمرے میں چلا گیا واپسی چند ثانیوں بعد ہوئی۔ ''تمہارا فون ہے، شیتل۔'' اُس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''گوتم نیلا مبر، دہلی سے۔'' سلمٰی اور کریم نے چونک کر شیتل کو دیکھا۔ ''وہ تمہاری کال کے جواب میں فون کر رہا ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' شیتل نے رُکھائی سے کہا۔

''کیا میں درمیانی دروازہ بند کر دوں؟'' اروِن نے پوچھا۔

''نہیں، میں چاہتی ہوں کہ تم سب سُنو۔''

تمام لوگوں نے شیتل کی تقلید کی۔

''گوتم۔'' شیتل نے کھنکتی ہوئی آواز میں بات چیت کا آغاز کیا۔ ''جلد فون کرنے کا شکریہ۔'' اُس کے جواب پر شیتل نے قہقہہ لگایا۔ ''نہیں گوتم، فون کی وجہ بحریت میں آزادانہ انتخابات نہیں، ابھی لوگ اس کے لیے تیار نہیں۔'' وہ چند لمحے سُنتی رہی اور پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''بس کرو اور سنجیدہ ہو کر میری بات سنو۔۔۔۔ وہی ہتھیاروں کی خریداری کے معاملے میں۔۔۔۔ میں اپنی غلطی تسلیم کر رہی ہوں، ناراض مت ہو، صرف یہ بتاؤ کہ تم جلد سے جلد کب تک میرے پاس پہنچ سکتے ہو؟'' اُس نے سر ہلایا۔ ''اور ڈیلیوری کی تاریخ؟۔۔۔۔ ہاں ظاہر ہے۔۔۔۔ مزید ٹیکنیشنز، مشیر اور انسٹرکٹرز بھی۔۔۔۔ بالکل ٹھیک۔۔۔۔ میں انتظار کروں گی۔۔۔۔ خدا حافظ۔'' اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

شیتل کو علم تھا کہ تمام لوگ بڑے غور سے اسے دیکھ رہے ہوں گے اور وہ واقعی اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب سے پہلے کریم تک پہنچی۔ ''تم نہیں سمجھ سکو گے، بیٹے۔'' اُس نے کریم کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''سرحدوں پر خطرات منڈلا رہے ہیں اور ایک ملکہ کی حیثیت سے اُن کے تحفظ کی ذمّے داری میری ہے۔''

کریم پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھ پر اعتماد کرو، میرے ولی عہد۔'' اُس نے التجا کی۔ ''میں نے سوئٹزرلینڈ میں تم سے جو کہا تھا وہ پورا ہوگا لیکن تمام اصلاحات وقت مانگتی ہیں۔ اِس وقت صرف یہ بات یاد رکھو

کہ میں کمزور پڑی تو دشمن مجھے اور بحریت کو کچا چبا جائیں گے۔''

''اور وہ وعدے جو لوگوں سے آپ نے کیے تھے؟'' کریم نے بالآخر زبان کھولی۔

''وہ ضرور پورے ہوں گے، میری جان، میں وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی زندگی میں کبھی اُن کی رقم چُرا کر سوئٹزرلینڈ کے خُفیہ اکاؤنٹس میں جمع نہیں کراؤں گی۔''

''لیکن اگر تم ہتھیار خریدنا چاہتی ہو تو اُن خُفیہ اکاؤنٹس کو استعمال کیوں نہیں کرتیں؟'' ارون نے پوچھا۔

''ناممکن ہے، اگر میں نے دوبارہ اُن اکاؤنٹس کو استعمال کیا تو یہ بات خُفیہ نہ رہ سکے گی اور پوری دُنیا کو علم ہو جائے گا کہ رامیر اور گوتم کیا کرتے رہے ہیں؟ گوتم کی میری نظر میں کوئی حیثیت نہ سہی لیکن کُلِ آوارہ ہونے کے باوجود میں اپنے مرحوم شوہر کو رُسوا نہیں کرسکتی۔''

''تمہیں بغاوت کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔'' ارون نے اُسے یاد دلایا۔ ''پہلے بھی قبائلی صرف ہتھیاروں کے حصول کی وجہ سے رامیر کے مخالف ہوئے تھے۔''

''اُنھیں کُچل دیا جائے گا۔'' شیتل نے کہا۔ جونہی الفاظ ختم ہوئے کریم نے جھٹکے سے خود کو ماں کی گرفت سے چھڑانا چاہا لیکن شیتل نے بڑھ کر دوبارہ اُسے تھام لیا۔ ''نہیں میرے بیٹے۔'' اُس کا انداز اب بھی التجائیہ ہی تھا۔ ''تمہاری ماں کے پاس ٹھوس وجوہات موجود ہیں۔''

''میں سُن چکا ہوں۔'' کریم چیخا۔ ''اور وہ میری تسلی کے لیے کافی نہیں۔'' اُس نے سِسکنا شروع کر دیا۔ ''میں آپ کو دیکھنا تک نہیں چاہتا، میں آپ سے نفرت کرنے لگا ہوں۔''

''بیٹے ماؤں سے نفرت نہیں کیا کرتے، میرے بچے۔'' شیتل نے اُسے تھپکا۔ ''کل تم اسکول واپس چلے جاؤ گے، وہاں جا کر تاریخ پر زیادہ زور دینا پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حکمرانی کیسے کی جاتی ہے؟'' وہ ارون کی طرف مڑی۔ ''اِس کا خیال رکھنا، ارون، جب تم واپس آؤ گے تو ہم اس مسئلے پر مزید بات چیت کریں گے۔''

''میں واپس نہیں آؤں گا۔ شیتل۔'' ارون کے الفاظ بم کی طرح شیتل پر گرے۔

''اوہ، تو تم بھی؟'' وہ ایک لمحے کو لڑکھڑائی لیکن فوراً ہی سنبھل گئی۔ ''تم کیا کرو گے؟''

''اور کچھ نہیں تو کم از کم سکون سے سوؤں گا تو سہی۔'' ارون نے جواب دیا۔''آؤ کریم، چلیں۔''

شیتل نے کریم کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔

''میں آپ سے پیار کرتا ہوں، ممّی۔'' کریم اب بھی سسک رہا تھا۔

''میں بھی۔'' شیتل کی آواز بھرّا گئی۔''لیکن اس وقت اپنی محبتوں کا اظہار نہیں کر سکتی، اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔'' اُس نے کریم کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پیچھے ہٹ گئی۔

''وہ دن جلد آئے گا جب ہم پھر ایک ہوں گے۔'' شیتل نے زیرِ لب کہا اور دوسری طرف مُنہ کر کے سِسک پڑی۔

OO

رات کے سناٹے میں دونوں تنہا ویران لان میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔

''کیا تم بھی مجھے قصوروار سمجھتی ہو، سلمٰی؟'' شیتل نے خاموش فضا کو دَرہم برہم کرنے میں پہل کی۔

''تم نے کبھی تتلیاں پکڑنے والے بچّے دیکھے ہیں شیتل؟'' سلمٰی نے سوال کیا اور پھر خود ہی سوال کا جواب دیا۔ ''ضرور دیکھے ہوں گے اور تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ کوئی بچہ اگر تتلیوں کے پیچھے بھاگتا ہوا دُور نکل جائے تو وہ تتلی بے شک پکڑ لیتا ہے لیکن اپنے ساتھیوں کو کھو بیٹھتا ہے۔ تم بھی اُسی بچّے کی مانند ہو جو طاقت کی تتلی کے پیچھے بھاگتے ہوئے اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کو کھو بیٹھی ہو، تم وہ کُونج ہو جو اپنی ڈار سے بچھڑ کر آسمان کی وسعتوں میں گُم ہوگئی ہو۔ تم ایک چکوری بن گئی ہو، وہ پگلی جو ہر چاندنی رات میں چاند پر کمنڈ ڈالنے نکلتی ہے لیکن صبح دم تھک کر ڈھیر ہو جاتی ہے۔ طاقت اور قوّت بھی چاند کی مانند ہے جو اپنی چاندنی چارسُو بکھیرتی تو ہے لیکن کسی کے ہاتھ نہیں آتی۔''

''کیا فلسفہ لے بیٹھی ہو۔'' شیتل وہیں رُک گئی۔ ''جب تمہیں طاقت حاصل ہو جائے تو تم تنہا نہیں رہتیں۔ طاقت تمہارے بستر میں تمہارے ساتھ سوتی ہے، تمہارے ساتھ جاگتی ہے، تمہیں اپنے حصار میں رکھتی ہے اور تمہیں سہلاتی رہتی ہے۔ یہ دُنیا کی سب سے عظیم ترین شے ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔'' وہ چند لمحوں کے لیے رُکی اور پھر بولی، اِس بار اُس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ ''اور اگر تمہارے پاس طاقت ہوگی تو کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ طاقت تمہارا تحفظ کرتی ہے۔''

''تم اپنی طاقت کے ساتھ تنہا زندہ رہو۔'' سلمٰی چڑ گئی۔ ''تمہاری باتیں تمہیں مبارک، میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ کوئی شخص بھی اپنے مخصوص محور سے ہٹ کر زندہ نہیں رہ سکتا، میں کل صبح بمبئی واپس جا رہی ہوں، میرا گھر اور میرے در و دیوار میرے منتظر ہیں۔

سلمیٰ چلی گئی۔ اُس نے رات کو ہی اُسے خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ صبح شاید وہ اُس سے نہ مل سکتی۔

وال کلاک نے رات کے دو بجائے تو شیتل چونک اٹھی۔ اُس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم میز پر رکھا اور خط اُٹھا لیا جو اُس نے ابھی ابھی اریبہ کو تحریر کیا تھا۔

''مائی ڈارلنگ!

ریکس سے شادی کر کے امریکہ چلی جاؤ، ہر معاملے میں تمہیں میری طرف سے پیشگی اجازت ہے اور میں تم دونوں کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتی ہوں لیکن ایک درخواست بھی ہے کہ ریکس سے شادی کرنے سے پہلے اُسے مشرف بہ اسلام ضرور کر لینا کیونکہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے کہ کوئی مسلمان لڑکی کسی غیر مُسلم کی بیوی بنے اور دوسری جانب میں یہ نہیں سُننا چاہتی کہ ملکۂ بحریت کی بیٹی اریبہ زاہدی نے کسی غیر مُسلم سے شادی رچالی ہے۔

ممکن ہے جلد ہی تمہیں میرے بارے میں ایسی خبریں ملیں جنہیں تم ناپسندیدہ گردانو لیکن وقت سے مفاہمت کی کوشش کرنا۔ یہ جان کر کہ میں نے یہ سب اپنے بچّوں کو بچانے کے لیے کیا ہے۔

خوش رہو اور فرصت مِلنے تو کبھی آ کر مجھے بتانا کہ یہ سب کیسا لگتا ہے۔

محبتوں کے ساتھ ہمیشہ تمہاری

ممی: شیتل۔''

اُس نے لفافہ بند کیا اور ایک سمت ڈال دیا۔

''اے اللہ، مجھ پر رحم کر۔'' وہ بڑبڑائی اُس نے دونوں بازو میز پر لٹا لیے اور اُن پر اپنا

سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

چند لمحے یونہی گزر گئے پھر اچانک اُسے کچھ یاد آ گیا۔ اُس نے بزر دبا دیا۔ رات کے اس پہر بھی باوردی ملازم چوکس تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اندر آ گیا۔

''جنرل نُوری کو فوری طور پر بیدار کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔'' اُس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''انہیں کہیے گا کہ مسٹر گوتم نیلامبر صبح سات بجے یہاں پہنچ رہے ہیں جب کہ میں ایک گھنٹے بعد جنرل نُوری کا انتظار کروں گی۔''

باوردی ملازم نے یوں شیتل کو دیکھا جیسے وہ پاگل ہوگئی ہو لیکن حُکم کا وہ غلام کچھ کہے بغیر باہر چلا گیا۔

شیتل کچھ دیر سامنے والی دیوار سے نگاہوں کے ذریعے گفتگو کرتی رہی پھر اُس نے دراز سے شاہی مُہر لگا ہوا نفیس کاغذ نکالا اور دوبارہ لکھنے میں مصروف ہوگئی۔

شتیلا کملاوتی موہن

پیدائش: 25 اگست 1942ء، سری نگر

وفات: 1980ء ریال، بحریت

ہر رائل میجسٹی شیتل ملکۂ بحریت

پیدائش: 1980 ریال، بحریت

وفات: ؟

☆A☆S☆I☆F☆